

مَدَوَّةُ اَيِّمِن دِي كَا اَلْمِي دِي نِي كَا اِي نَا

20 JUL 1950

بُرْكَاتُ

مَرْتَبِ
سَعْيَا اَكْبَرِ اَبَادِي

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

دہلی میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے۔
ہر منفصل فہرست جس سے آپ کو اور اس کے حلقوں کی تفصیل میں معلوم ہوگی دتہ سے
طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت - جدید
ایڈیشن جل میں نظر ثانی کے ساتھ مزید اضافے
کیے گئے ہیں۔ قیمت تین روپے، جلد نمبر ۱
سلسلہ تاریخ ملت - مفقودت میں
تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے سلسلہ
نہایت مفید ہے، اسلامی تاریخ کے یہ سچے مستند
دستبرہ ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر ہوا اور
نبی عربی صلعم - تاریخ ملت کا حوالہ
جس میں سیرت سرور کائنات کے تمام اہم واقعات
کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور
دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قیمت چار روپے، جلد نمبر ۲
خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا
حصہ) - خلفائے راشدین کے حالات و واقعات
کو دل پذیر بیان قیمت چار روپے، جلد نمبر ۳
خلافت بنی امیہ - تاریخ ملت کا تیسرا
حصہ قیمت چار روپے، جلد نمبر ۴
خلافت عباسیہ - تاریخ ملت کا
چوتھا حصہ قیمت چار روپے، جلد نمبر ۵
خلافت عباسیہ جلد اول (تاریخ ملت
کا پانچواں حصہ) قیمت چار روپے، جلد نمبر ۶

خلافت عباسیہ جلد دوم (تاریخ ملت
کا چھٹا حصہ) قیمت چار روپے، جلد نمبر ۷
فہم قرآن - جدید ایڈیشن جس میں بہت سے
اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو
از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت چار روپے، جلد نمبر ۸
علامہ ابن اسلام - حق سے زیادہ علامہ
اسلام کے کلمات و فضائل اور شاندار کارناموں
کا تفصیلی بیان، جدید ایڈیشن قیمت چار روپے، جلد نمبر ۹
اخلاق و فلسفہ اخلاق - علم الاخلاق
پہا یک مسودہ اور محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس
میں غیر معمولی اضافے کیے گئے ہیں اور مضامین
کی ترتیب کو زیادہ دلنشین اور سہل کیا گیا ہے۔
قیمت چار روپے، جلد نمبر ۱۰

قصص القرآن جلد اول - مسودہ
حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ابراہیم کے حالات
و واقعات تک قیمت چار روپے، جلد نمبر ۱۱
قصص القرآن جلد دوم - حضرت یوشع
حضرت موسیٰ کے حالات تک مسودہ
قیمت چار روپے، جلد نمبر ۱۲
قصص القرآن جلد سوم - حضرت عیسیٰ
و حضرت محمد کے حالات تک مسودہ
قیمت چار روپے، جلد نمبر ۱۳

بُرْہَانُ

شمارہ ۱۰

جلد سبست و نهم

جولائی ۱۹۵۰ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|---------------------------------------|--|----|
| ۱۔ نظرات | ۲۔ سید احمد | ۲ |
| ۲۔ تدوین حدیث | حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی | ۵ |
| ۳۔ قدسی نظام وحدت | جناب مولوی ظفر الدین جٹا استاد العلوم عینہ ساکنہ | ۱۷ |
| ۴۔ حق؟ | مولانا حکیم محمد ابو ذر صاحب مدرسہ فریدی بہار | ۲۶ |
| ۵۔ وزیر مامون احمد بن یوسف | ارڈو: انجمن شیعہ فلاحی ایم۔ اے۔ پی۔ بی۔ ٹی | ۳۴ |
| ۶۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خصوصیات | جناب سید محبوب حسام الدین صاحب کتب خانہ دیوبند | ۴۷ |
| ۷۔ ادبیات | | |
| ۸۔ "انسان اور دوسے" | جناب شمس قویہ صاحب | ۶۰ |
| ۹۔ تبصرہ | (دیں) | ۶۱ |

نَظَرِ

مُتَدَن جی یہی کہتے ہیں کہ مسلمان عرب و ایران کی طرف دیکھنا چھوڑ دیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ان ملکوں کی طرف بالکل ہی نہ دیکھیں تو کیا آج جبکہ پوری دنیا سمٹ سمٹ کر ایک خاندان یا ایک قبیلہ بن گئی ہے اور اس بنا پر سائبریا کی پہاڑیوں میں کوئی دھماکہ ہوتا ہے تو واشنگٹن بمک کے لوگ جو کہنے ہو کر دیکھنے لگتے ہیں کیا کسی قوم کے لئے یہ ممکن بھی ہے۔ اگر وہ زندہ رہنا چاہتی ہے کہ اس پاس کے ملکوں سے آنکھیں بند کر لے اور اندھی بہری بن کے اپنے ملک کی چہار دیواری میں بند ہو کر بیٹھ رہے پھر جو لوگ مسلمانوں کو پیشور دیتے ہیں خود ان کا کیا حال ہے؟ کیا وہ عرب و ایران کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک جنبش قدم پر کڑی نگاہ نہیں رکھتے؟ وہاں عرب لیگ، اور معد و علق اور ایران کی مجلسوں میں جو گفتگوں ہوتی ہیں ان پر ان کے کان نہیں لگے رہتے اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ کیا بھارت کی حکومت ان ملکوں سے دوستی کا دم نہیں بھرتی؟ ان ملکوں سے جو صدیوں کے پرانے کلچرل تعلقات ہیں۔ اور جو زیادہ تر مسلمانوں کی وجہ سے ہیں کیا بھارت کی حکومت ان تعلقات کو ٹھکانے اور ترقی دینے کی جدوجہد نہیں کر رہی ہے؟ اور کیا اس مقصد کے لئے علاوہ سفارتی علاقے کے باقاعدہ کلچرل کونسل قائم نہیں ہے؟ کیا اس پودے کو پر دان چڑھانے کے لئے حکومت کی طرف سے عربی اور فارسی میں رسالے شائع نہیں کئے جاتے،

اور پھر عرب اور ایران پر ہی کیا موقوف ہے؟ کیا آپ امریکہ کو نہیں دیکھتے۔ روس سے آپ نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں؟ فرانس اور انگلینڈ، چین، برما اور انڈونیشیا پر آپ کی نظریں نہیں پڑتی ہیں؟ گوریا کے جنوبی اور شمالی حصوں پر آپ کی نگاہ نہیں پڑ رہی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان سب کو آپ بھی دیکھتے ہیں۔ مگر اپنی اپنی نظر ہے۔ آپ معلوم نہیں کس نظر سے دیکھتے ہیں لیکن مسلمان حسبِ نظر دیکھتے ہیں وہ مین ان کے نظریہ حیات اور آئیڈیالوجی کے مطابق ہے۔

ایک مسلمان اپنے مخصوص نظریہ حیات اور اسلام کی عالمگیر اخوت انسانی کی تعلیم کے ماتحت

دنیل کے ہر انسان کو بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا امتیاز مذہب و ملت ایک ہی آدم کی اولاد اور اس بنا پر سب کو اپنا بھائی سمجھنا ہے اس کا ایمان ہے کہ

”بنی آدم اعضائے یک نگار اند“

جارجز قومیت جو آج دنیا میں بد امنی و بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہے اور جس کی تباہ کاریاں آج روز روشن کی طرح ایک ناقابل انکار حقیقت بن چکی ہیں مسلمان کے نظریہ حیات کے بالکل خلاف اور اس کی ضد ہیں۔

انسانی برادری کے اس عام تعلق کے بعد مذہب، وطن اور نسل وغیرہ کے دوسرے ردِ باطن جن پر بین الملکتی یا بین الاقوامی تعلق کی کمی بیشی کا دار و مدار ہوتا ہے پس بھارت کے مسلمانوں کو عرب و ایران کے مسلمانوں کے ساتھ عام انسانی تعلق کے علاوہ ایک یہ تعلق بھی ہے کہ وہ ان کے ہم مذہب ہیں اور انسانی بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے برادرِ دینی بھی ہیں۔ اس مذہبی تعلق کی وجہ سے ساری دنیا کے مسلمان ایک ہی وقت میں ایک ساتھ قتل کر خدائے واحد کے سامنے سرسجود ہوتے ہیں ایک ہی مہینہ میں سب ایک ساتھ روزہ رکھتے اور ایک ہی موسم میں کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور ان میں آپس میں شادی بیاہ کے تعلقات بھی قائم ہو سکتے ہیں ان کی پیدائش اور موت کے وقت جو رسوم ادا کی جاتی ہیں وہ بھی ایک ہیں یہ سب ایک ہی خدا کو ماننے والے ایک ہی کتاب پر عمل کرتے ہیں

لیکن اس مذہبی تعلق کی وجہ سے اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ بھارت کا با کسی ایسے ملک کا مسلمان جہاں اقتدارِ اعلیٰ وہاں کی غیر مسلم اکثریت کے ہاتھ میں ہو وطن سے فدا داری کے حرب و ایران یا کسی اور اسلامی ملک کے مسلمانوں کے ساتھ ساز باز کر سکتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں پر اور اسلامی تعلیمات پر اس سے بڑھ کر کوئی الزام اور بالکل غلطو بے بنیاد اتہام نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک وطنی حقوق کی رعایت اور علامہ غیر کے خلاف وطن کی حفاظت کا تعلق ہے اسلامی تعلیمات کے ماتحت ایک مسلمان کا بھی وہی فرض ہے جو اس ملک کے دوسرے غیر مسلم باشندوں کا ہے خواہ اس ملک پر حملہ کرنے والا کوئی غیر مسلم ملک ہو یا مسلم ملک شرط صرف یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی شہری حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا ہو اور وہ اپنے دینی و مذہبی مسائل و مسائل میں آزاد ہوں ایک سنگے بھائی سے زیادہ اور کون سا رشتہ مضبوط ہو گا جسکے گرا ایک شخص اپنے حقیقی بھائی کے گھر پر زبردستی قبضہ کرنا چاہے تو اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ محض بھائی ہونے کی

وجہ سے غاصب کو قبضہ کر لیتے دیا جاتے اور اس کی مقاومت نہ کی جاتے نہیں بلکہ اس کے برعکس اسلام اس بجائی کو ظالم اور غاصب قرار دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اس کا مقابلہ کر کے اپنے گھر کی حفاظت کی جائے۔

اسلام جو کہ دینِ فطرت اور مکمل قانونِ عدل و انصاف ہے اس لئے مختلف روابط و علاقوں کی وجہ سے ایک قوم کے دوسرے قوم پر یا ایک قوم کے دوسری قوم پر جو حقوق واجب ہوتے ہیں اسلام ان میں سے ہر حق کی الگ الگ تفصیل و تعیین کرتا ہے اس کے واجبات و فرائض کی تشریح و توضیح کرتا ہے اور ہر حق کا جہاد و جہد و مقام متعین کر کے ایک حق کو ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسرے حق پر دست برد کرے اسلامی تعلیم کی یہی وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے ایک مسلمان کسی غیر اسلامی ملک میں بھی اعتماد اور بھروسہ کی زندگی بسر کر

سکتا ہے وہ لوگ جو خود اپنے اوپر بھی بھروسہ نہیں کر سکتے وہ آج ہماری ان باتوں کو وقتی معصیت اور یا ڈپلومیسی پر مبنی کریں ان لوگوں کو ہم یاد دلاؤں گے کہ یہ بات ہم آج نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ تقسیم ہند سے بہت پہلے جب کہ ہندو مسلمان دونوں شانہ بشانہ جنگ آزادی لڑ رہے تھے۔ ملک کے دو نہایت مقتدر علماء مولانا سید سلیمان ندوی اور حضرت الاستاذ مولانا سید محمد النور شاہ الکنہری علی الترتیب کلکتہ اور پشاور کے آلِ انڈیا جمعیۃ علمائے ہند کے عظیم الشان سالانہ اجتماعات کی صدارت کرتے ہوئے اپنے خطبوں میں بالکل صاف صاف اسلام کا یہی حکم جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے بیان فرما چکے ہیں جو حضرات قرآن و حدیث یا کتب فقہ کا براہِ راست مطالعہ نہیں کر سکتے وہ انہیں خطبوں کو جو اردو میں ہیں ملاحظہ فرمادیں

اس موقع پر ہم مٹن جی اور ان کے ہم خیال ہندوؤں سے ایک بات پوچھنی چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ کسی آپ لوگوں نے اس پر غور کیا ہے کہ اگر اسلام دوسرے مذہب کے پیروں کے ساتھ صلح و آشتی محبت و ہندوی اور عدل و انصاف سے رہنے کی تعلیم نہیں دیتا اور کسی ایسے ملک کو جہاں کی بھاری گنہگار غیر مسلم یو مسلمانوں کا وطن تسلیم نہیں کرتا تو پھر آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند، علماء دیوبند و سہارنپور اور دوسری بڑی بڑی دینی جماعتوں کے اکابر علماء جو دین کے معاملہ میں کسی قسم کی مداخلت گوارا نہیں کرتے یہ سب کے سب کل تقسیم ہند کی مخالفت میں کانگرس سے بھی پیش پیش تھے پھر اس سلسلہ میں جمعیۃ علماء جس غلو میں مبتلا ہوئے۔ بے نفسی اور بے لوث محبتِ وطن کا عمل ثبوت دیا ہے مٹن جی یا ان کی پارٹی اس سودا خوار عشق میں خسرو سے کوہکن :۔ بازی اگرچہ بے نہ سراسر قلمبند :۔ کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز :۔ اے روسیاء تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو

تذوین حدیث

(۴)

محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)
 لیکن ہمیشہ اس قسم کے حالات عارضی حالات ہی کی شکلوں میں نمودار ہوتے ہیں، چونکہ
 کے بعد پھر اپنے اصلی مسلک کی طرف لوگ واپس ہو گئے جس کی وجہ وہی تھی کہ مسلمانوں کا سارا
 کتب خانہ ان معلومات سے معمور ہے، جو اپنی جہل کا ازالہ ہوا، صحیح معلومات اور صحیح مسلک
 لوگوں کے سامنے آگیا۔ آئندہ اگر توفیق رفیق ہوئی اور زندگی نے سائنسدان اور مذہب حدیث
 کی اس تاریخ کی تکمیل کا موقع ملا تو انشاء اللہ ان قصوں کو بیان کیا جائے گا۔ اس وقت تو صرف تین
 مقصود ہے کہ اپنے عہد خلافت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دین کے اس
 شعبہ کی خصوصیتوں کی حفاظت اور نگرانی کی پوری کوشش کی، جذبات کے فوری تاثرات کے
 زیر اثر حدیثوں کے قلم بند کرنے کا ایک غیر صحیح اقدام ان کی طرف سے ہو بھی گیا تھا، اس کی فوراً
 آپ نے اصلاح فرمادی، بلکہ لکھنے کے بعد اس مجموعہ کو جلادینے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے
 منشاء مبارک کی جیسا کہ میں نے عرض کیا نئے سرے سے تازہ تجدید ہو گئی، اگر یہ صورت نہ
 پیش آتی تو یہ سوال ہی کا ہے کہ آئندہ لکھنے کے بعد جلانے کی مصلحت کیا تھی۔ خصوصاً جب خود
 ان ہی کا بیان ہے کہ علاوہ اپنے براہ راست معلومات کے ان ہی لوگوں کی روایتیں اس کتاب
 میں درج کی گئی تھیں جن کی امانت و وثاقت پر اپنے نزدیک ان کو اطمینان تھا، حضرت کو ان کا
 فیہا احادیث عن رحیل

اس میں حدیثیں، ایسا ہی صحیح گئی ہیں جس کی

امانت پر میں نے بھروسہ کیا اور اس کے بیان پر عمل کیا

قل ابعثتہ و وثقتہ

کا ظاہر ہے کہ یہی مطلب تھا، مگر باوجود اس کے لکھنے کے بعد اس کو جلا دیا جیسا کہ یہ تفصیل عرض کیا گیا اس کی وجہ وہی نبوی منشاء کی تکمیل ہی ہو سکتی ہے جس کے متاثر ہونے کا خطرہ حضرت ابو بکر کے اس جمع کردہ نسخہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

لیکن حضرت ابو بکر کا کام تدوین حدیث کے سلسلے میں صرف ان ہی دو خدمات تک محدود نہیں ہے افسوس ہے کہ کتابوں میں ان کی اس خدمت کا تذکرہ کیا گیا تھا لیکن شاید اس کی اہمیت کا اندازہ جیسا کہ چلتے تھے لوگوں کو نہ ہوا۔ بات میں ممکن ہے کچھ طوالت پیدا ہو، لیکن کیا کیا جاتے مجھ سے پہلے کام لینے والوں نے اختصار سے کام لیا میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جس اہمیت کے مستحق تاریخ کے یہ وثائق تھے ان کی اس اہمیت کا اندازہ اچھے اچھولے کو نہ ہو سکا۔

کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ بجائے عمومی اشاعت کے دین کے اس حصہ کے متعلق یہ طریقہ جو اختیار کیا گیا کہ پہنچانے کی حد تک وہ پہنچا تو دیا جاتا لیکن عموماً ہر شخص تک پہنچ جائے اس کی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ جیسا کہ بتایا گیا اسی سے مسلمانوں کی دینی زندگی میں اس حصہ کے لحاظ سے سہولتیں پیدا ہوئیں جو ان سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی راہ کھلی ہوئی ہے لیکن محروموں کی محرومی میں اس لئے اضافہ نہیں ہوتا کہ اس حصہ کے مطالبہ و گرفت میں وہ نوعیت نہیں پیدا ہوتی جو بینائی حصہ کی خصوصیت ہے، مگر اسی کے ساتھ ایک دوسرا نتیجہ یعنی ان روایتوں کے جاننے والوں اور جوان سے ناواقف تھے ان دونوں طبقوں میں اختلاف کا پیدا ہو جانا واقفیت اور عدم واقفیت کی وجہ سے ناگزیر تھا ابھی کچھ دیر پہلے حضرت عمرؓ کے متعلق دو قصے اس سلسلہ میں گند چکے، معمولی آدمی نہیں حضرت عمرؓ جیسی شخصیت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثوں یعنی استیذان (اجازت) کے خاص طریقے اور بیت المقدس والی مسجد کے اس قصے سے جس کا ذکر میں نے ماضیہ میں کیا ہے آپ سن چکے وہ ناواقف تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر دوسرے صحابیوں سے فرمایا تھا واقعہ یہ ہے کہ دین کے اس حصہ کو جس طریقہ سے

برہان دہلی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یا تھا ایسی صورت میں بعضوں کا اس سے واقف ہونا اور بعضوں کا ناواقف رہ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہو سکتی، خصوصاً جن لوگوں کو مہاشی یا اسی قسم کے دوسرے کاروبار کی وجہ سے جو میں گھنٹہ کی حاضر باشی کا دربار نبوت میں موقعہ میر نہ تھا، استیذان والی روایت میں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعتراف کرنا پڑا۔

خفی علی ہذا من امر رسول اللہ
یعنی روایت مجھ سے جو مخفی رہی تو اس کی وجہ یہ ہے
صلی اللہ علیہ وسلم الہامی عنہ
کہ بازاروں کے کاروبار کی مشغولیت نے اس کا
الصفق فی الاسواق ص ۱۲۲ جمع الغولہ
موقعہ میرے لئے نہیں رکھا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کثرت روایت کی وجہ بیان کرتے ہوئے بھی یہی کہتے تھے کہ
ان اخوانی من الہما جبرین کان
میرے دوسرے ہاجر بھائیوں کو بازاروں کے
یشغلہم الصفق فی الاسواق
کاروبار نے اپنے ساتھ مشغول رکھا مگر میں تو صرف
وکنت الزم رسول اللہ صلی اللہ
پیٹ پر رسول اللہ کے آسنے پر پڑا ہوا تھا۔
علیہ وسلم علی ملاء بطنی

غالباً ابو ہریرہ کی اس پوری روایت کا ذکر کہیں پہلے ہی آچکا ہے حاصل اس کا وہی تھا کہ ہاجرین تو بازار کے کاروبار میں عموماً مشغول رہتے تھے اور انصار کو اپنے باغوں اور کھیتوں کی وجہ سے زیادہ فرصت میر نہیں آتی تھی البتہ یہ فقیر ابو ہریرہ صرف پیٹ پر سفیر کے آسنے پر پڑا ہوا تھا اسی کا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ خود ان کا بیان ہے کہ فاشہد اذا غابوا واحفظ اذا اسوار میں اس وقت حاضر رہتا تھا جس وقت یہ لوگ غائب رہتے تھے اور جن باتوں کو دوسرے بھول جاتے تھے مجھے حاضر باشی کی وجہ سے یاد رہ جاتی تھیں، کیونکہ بار بار سننے کا موقعہ ملتا تھا۔

اگرچہ یہ باتیں کس نوعیت کی ہوتی تھیں اس کا اندازہ حضرت عمرؓ والی ان ہی دو روایتوں سے ہو سکتا ہے، ستیذان اصولی طور پر ایک قرآنی قانون ہے، قرآن ہی میں حکم دیا گیا ہے کہ کسی دوسرے گھر میں بے دھڑک بغیر اجازت مسلمانوں کو گھسنا نہ چاہئے، بلکہ صاحب خانہ کو مانوس

ہنا کر اور سلام کلام کر کے داخل ہونا چاہتے قرآنی تلاوت ہونے کی وجہ سے اس کی تبلیغ عام ہو چکی تھی
 والی سلام کہنی دفعہ کرنا چاہتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر عمومی طریقہ سے لوگوں کو تعلیم ہی
 نقلی کہ تین دفعہ سلام کرنے کے بعد بھی جواب نہ ملے تو پٹ جاؤ میں یہی تین دفعہ سلام کرنا اس کی عمومی
 اشاعت مسلمانوں میں ضروری نہ تھی، — — — — — پس استیذان یعنی کسی
 گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلبی کے وقت سلام کرنے کا جو قرآنی حکم ہے اسی حکم کی
 یہ تفصیل کہ تین دفعہ سلام کیا جائے یہ ایسا مسئلہ تھا جو عمومی اشاعت پانے والے مسائل کی حیثیت
 نہیں رکھتا تھا اسی طرح بیت المقدس کے متعلق حضرت داؤد کا قصہ سونہ ظاہر ہے کہ ایک
 تاریخی واقعہ تھا ہر تاریخی واقعہ کی تبلیغ ہر شخص تک کھلی ہوئی بات ہے کہ فرائض نبوت میں داخل
 نہیں ہے بقول ابو یوسف الجصاص

لیس علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم توقیفہم علی الا فضل
 یعنی جن امور میں مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے ان کے اس پہلو سے امت کے ہر فرد کو اگاہ کرنا جو
 بہتر اور افضل ہو، یہ پیغمبر کے لئے ضروری نہیں ہے
 اسی لئے بعضوں تک پیغمبر کی اس قسم کی باتیں پہنچیں اور بعضوں تک نہ پہنچیں۔ یہ ایک ایسی صورت
 حال تھی کہ مسلمانوں کی سہولت اور آسانی کے لحاظ سے اس کی جو بھی قیمت ہو لیکن جاننے والوں
 اور نہ جاننے والوں کے درمیان اختلاف کا پیدا ہو جانا اس کا ایک لازمی و ناگزیر نتیجہ تھا۔ اسی کے
 ساتھ شرعی قوانین کی محدودیت اور قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے ساتھ پیش آنے
 والے حوادث و واقعات کی لامحدودیت نے اس ضرورت کو جو پیدا کیا تھا کہ شرعی کلیات کو مشنظر
 رکھ کر اس میں ہی محدود قوانین کی روشنی میں نت نئی پیش آنے والی صورتوں کے لئے احکام پیدا
 کئے جائیں جس کا اصطلاحی نام فقہ ہے، دین اور وہ بھی دین اسلام جو مدعی ہے کہ ہر وہ شخص جو
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت و رسالت کے بعد انسان بن کر زمین کے کرے
 پر قیامت تک پیدا ہوتا رہے گا اس کے لئے یہ آخری قانون ہے، ایک ایسے عالمگیر و وسیع

دینی آئین کے لئے نفقہ کے اس باب کا اعلان کھنا کس حد تک ضروری ہے اس کا اندازہ آپ کو عام دنیاوی قوانین کے باہرین کے بیانوں سے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ کسی محدود علاقے کے لئے محدود ملنے میں حکومتیں ان قوانین کو بناتی ہیں، لیکن باوجود اس کے جیسا کہ سرسائنڈ نے اپنی مشہور کتاب ”اصول قانون میں لکھا ہے

”بہر حال کسی ملک کے جوں کے اختیار تیزی کے غیر صرف قانون سے انفصال مقدمات

ناممکن ہے“ (مترجمہ دارالترجمہ سرکار علی علی)

تفصیل کے لئے تو دیکھئے میری کتاب ”مذہب و فقہ“ یہاں صرف اس قدر کہنا ہے ”نفقہ“ کی اسی ناگزیر صورت حال سے اختلافات کا پیدا ہونا بالابدی تھا اور وہ پیدا ہوا، مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کا ایک بڑا حصہ عموماً ان ہی دونوں باتوں یعنی احادیث و خبروں کی واقفیت و عدم واقفیت پر مبنی ہے یا ان اجتہادی نقاط نظر پر ہے جن کا پیدا ہونا اجتہادی کوششوں میں قدرتی امر ہے اور خواہ ان اختلافات کے متعلق نہ جاننے والوں میں جس قسم کے خیالات بھی پھیلے ہوئے ہوں مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ

۱۔ میرا اشارہ اس عام چرچے کی طرف ہے جو مسلمانوں کے متعلق پھیلا ہوا ہے کہ بدترین قسم کی فرقہ بندیوں میں یہ قوم مبتلا ہے غیر تو غیر انہوں کو بھی اس پر بات چیت چھاتی پٹنے دیکھا گیا ہے لیکن جو اصل واقعہ ہے اسے اپنی مختلف کتابوں مقالات و مضامین میں تفصیل بیان کر چکا ہوں حاصل یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں فوج و دنیا کی قومیں دائرۂ اسلام میں داخل ہوتیں تو اس میں شک نہیں کچھ دن کے لئے جیسا کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے نئے نئے خیالات و عقائد کے رکھنے والے فرقے پیدا ہو گئے تھے ان میں بعض فرقوں کی بنیاد تو سیاسی اختلافات پر مبنی تھی اور بڑی تعداد ان فرقوں کی تھی جو اسلام میں اپنے موروثی مذہب کے جراثیم کو لئے ہوئے داخل ہوتے تھے، شعوری یا غیر شعوری طور پر شروع میں یہ جا ہا گیا کہ اسلامی تعلیمات و دلائل کے موروثی خیالات میں تطابق و مصالحت پیدا کی جائے اسی غیر محدود کوشش نے جہاں تک میرے معلومات کا اقتضا ہے ان مختلف فرقوں کو اسلام میں پیدا کیا تھا لیکن جوں جوں آئندہ نسلوں کے قدم حقیقی اسلام میں راسخ ہوتے چلے گئے آبائی موزات کا باؤ ڈھیل پڑا گیا۔ صحیح اسلام جوں جوں نو مسلموں کے سامنے بے نقاب ہوتا جا گیا اپنے آبائی خیالات سے ان کا تعلق کمزور ہوتا رہا تاہیں کہ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری تک پہنچے ہوئے (بقیہ ماضیہ پر صفحہ آئندہ)

ان ہی اختلافات کے سلسلے میں یہ عجیب و غریب صورت حال جو نظر آرہی ہے کہ مسلمانوں کی قوم
علاوہ دنیا کے مختلف اقالیم و ممالک میں کر دہا کر دہ کی تعداد میں پھیلی ہوئی ہے۔ تخمینہ کرنے والے
افراد کے نزدیک چالیس سے ستر کروڑ افراد انسانی پر یہ قوم مشتمل ہے جن میں مختلف زبانوں کے
بولنے والی سیکڑوں نسلیں بنی آدم کی خیریک ہیں۔ ان میں گورے، کالے، زرد، گندمی، الغرض
ہر رنگ اور ہر شکل کے لوگ ہیں لیکن باہر ہر ایک فرقہ کے جن کی اقلیت اتنی ناقابلِ لحاظ
اقلیت ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے مقابلہ میں گویا ان کا وجود معدوم سمجھنا چاہئے کے برابر ہے
یہ ساری عظیم اکثریت اہل سنت والجماعت کے ایک ہی فرقہ کی شکل میں جو پائی جاتی ہے، لوگ

دقیقہ مافیہ صوفیہ گشتہ بہ گشتہ یہ رنگ اتنا ٹھاکہ یہ سارے فرقے خود بخود مضمحل ہو کر ناپید ہو گئے صرف مسلمانوں
کی مذہبی تاریخوں میں لوگ ان فرقوں کا نام لکھتے ہیں لیکن دنیا سے ان کا وجود معدوم ہو چکا ہے معمولی چھوٹے
ناپرساں حال فرقہ دہی کا یہ انجام نہیں ہوا بلکہ بعض اہل سنت و جماعت، صاحب السیف و القلم فرقے مثلاً معتزلہ تک کا
یہ حال ہے کہ اس وقت اس فرقہ کے کسی آدمی کا طاق و دور کی بات ہے، کتب خانوں میں اس مذہب کے
عقائد و فتاویٰ کی کوئی خالص کتاب بھی نہیں پائی جاتی لغت یا تفسیر وغیرہ کے سلسلے میں گنتی کی چند کتابیں ہیں
ان میں کچھ ان کے فتاویٰ ملتے ہیں یا اہل سنت نے تردید کے لئے ان کے مسلمات کا اپنی کتابوں میں جو ذکر کیا
ہے اس سے کچھ ان کے خصوصیات کا علم حاصل ہوتا ہے، میں نے لکھا ہے کہ باقی حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی فرقہ
کے چار مکاتب خیال بلاشبہ مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں لیکن ان لوگوں کے اختلافات پر فرقہ بندی کے اختلافات
کا اطلاق قطعاً غلط ہے اگرچہ ان میں ہر مکتب کے لوگ دوسرے مکتب خیال کے ائمہ کا براہ کمالی قدر احترام کرتے
ہیں جبکہ اپنے ہمدردوں کا تو پھر ان میں کسی ایک جماعت کے دین کو دوسری جماعت کے دین سے جدا کیسے قرار دیا جاتا
ہے یہی نہیں ہر ایک دوسرے کے اچھے نمازیں پڑھتے ہیں، ازدواجی تعلقات رکھتے ہیں۔ بلکہ حد یہ ہے کہ ایک جماعت
کے لوگ دوسری جماعت کے پیروں کے ہاتھ پر معیت کرتے ہیں حضرت غوث پاک کا وجود اس کی سب سے
بڑی مثال ہے کہ فقہا حضرت حنبلی مسلک کے پابند تھے لیکن ایسا کون سا مسلمان ہے جو آپ کو سید لا علیا
نہیں مانتا واقعی فرقہ کا اطلاق صرف شیعوں پر یا خوارج پر ہو سکتا ہے سو خوارج کا وجود کر دہا کے مقابلہ میں
کسی حیثیت سے قابلِ ذکر نہیں۔ شیعہ فرقہ کے مسلمانوں کی تعداد اس میں شک نہیں کہ خوارج سے زیادہ ہے لیکن
اہل سنت کی اکثریت کثیرہ مظہر کے مقابلہ میں پچھو چھتے تو ان کی تعداد بھی سمندر میں چند تنکوں سے زیادہ اہمیت
نہیں رکھتی۔

اس کو کہیں نہیں سوچتے کہ اختلافات کے ان دو مستقل آتش فشاں پہاڑوں پر جس قوم کی دینی زندگی کی تعمیر کھڑی کی گئی ہے، اسی دین میں وحدت و یگانگت کا یہ حیات انگیز مدھش مگر ساتھ ہی کلش رنگ کیسے پیدا ہو گیا؟ کیا یہ کوئی اتفاقی واقعہ ہے لوگوں کا مطالعہ اگر صحیح ہوتا تو ان کے سامنے ان سارے انتظامات، اور استقامتی و احتیاطی تدبیروں کا نقشہ آجاتا جو شروع ہی سے اس راہ میں اختیار کئے گئے عہدِ نبوت میں تو اختلافات کے پیدا ہونے کی گنجائش ہی کیا تھی، پیغمبر کا وجود قبل فیصل تھا جو براہِ راست خدا سے علم پا رہے تھے، ہر اختلاف کا فیصلہ پیغمبر کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ہی ہو جاتا تھا۔ قرآن ہی میں بار بار مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا تھا کہ ہر اختلاف میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو تاہم ایک چیز اس زمانہ میں بھی پیدا ہو چکی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسی کو اصلاح کا ذریعہ بنایا تھا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اختلافات باہمی سے مسلمانوں کو جو منع کیا گیا ہے، ہمیں سوچنا چاہئے کہ واقعی اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا ہر مسلمان کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ وہی معلومات اپنے پاس رکھے جو دوسرے رکھتے ہیں، یا یہ کہ ہر مسلمان وہی بات سوچے جو دوسرے سوچتے ہیں، مگر خود کرنا چاہئے کہ کیا یہ ممکن بھی ہے؟ خصوصاً دین کے اس ثانوی حصہ کو جب پیغمبر اس طریقے سے پہنچا رہے تھے کہ اور تو اور ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے مقررین بارگاہ کو بھی بسا اوقات اس سلسلے میں اپنی ناواقفیت کا اعتراف کرنا پڑتا تھا ایسی صورت میں یہ خیال کہ معلومات کے اختلاف سے جو اختلاف قدتنا پیدا ہو تا یا ہو سکتا تھا اس سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے خود ہی سوچئے کہ اس کا مطلب کیا ہوگا؟ اسی طرح جب نفقہ کا باب کھولا گیا تھا اور عرض کر چکا کہ علیٰ طور پر کوئی دنیوی قانون بھی اس کے بغیر عمل نہیں سکتا تو قیامت تک کیلئے ساری دنیا کے لئے جو دینی دستور دیا گیا تھا وہ اس مسئلہ کے بند کرنے کے بعد نئی روزانہ پیش آنے والی صورتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کی ضمانت کیسے کو سکتا تھا اور نفقہ کے دروازے کو کھلا رکھنے کے بعد یہ توقع کیا پوری ہونے والی تھی ہو سکتی ہے کہ شرعی کلیات اور نصوص کو پیش نظر رکھ کر نئے پیش آنے والے حوادث کے متعلق

حکم پیدا کرنے والے ہمیشہ ایک ہی نتیجہ تک پہنچیں گے۔

میرے نزدیک تو اختلاف سے ممانعت کا اگر بھی مطلب لیا جائے گا تو دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سارے انسانوں کو حکم دیا جائے کہ اپنے چہروں کے رنگ کو ایک کر دو، اپنے قدموں کو برابر کر دو، ہر شخص ایک ہی قسم کی آواز منہ سے نکالے، الغرض جو کچھ ایک کے پاس ہے مزید ی قرار دیا جائے کہ وہی سب کچھ دوسرے کے پاس بھی ہو اور وہ یہ بیان کی جائے ان ہی چیزوں کے اختلاف سے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ حکم ہمیشہ ان ہی چیزوں کو دیا جاتا ہے یا دیا جاسکتا ہے جو آدمی کے اختیاری حدود میں ہوں۔ بھلا غریب آدمی کے بس میں ہے کہ اپنے چہروں کے رنگ و رخ، شکل و صورت، قدم و قامت، چال و حال وغیرہ قدرتی اختلافات اور انفرادی خصوصیتوں کو مٹا کر ایک کر دے اور جیسے یہ اس کے بس کی بات نہیں، یقین کیجئے کہ ذہنی اور دماغی یا باطنی خصائل و عزائز کے فطری اختلافات جن کی وجہ سے فکری اختلافات پیدا ہوتے ہیں ان اختلافات کو بھی آدمی اپنی قدرت اور اپنے ارادے سے مٹا نہیں سکتا۔ پس یہ کہنا کہ تفقہ میں ہر مسلمان فقیر کو اس کا پابند بنایا گیا ہے کہ جس نتیجہ تک شرعی قوانین کی روشنی میں دوسرے پہنچیں اسی نتیجہ تک وہ بھی پہنچے اور یہ باور کیا جائے پا کرایا جائے کہ اس حکم کی تعمیل سے قاصر رہنے والے قرآن کے ان مطالبوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں جن میں مسلمانوں کو تفرق و اختلاف سے بچنے کی شدید تاکیدیں کی گئی ہیں اور عذابِ عظیم کی دھمکیاں دی گئی ہیں ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ کوئی معمولی دھوئی نہ ہوگا، مسلمانوں کی تاریخ کے سارے روشن اوراق یقیناً اس کے بعد اچانک سیاہ پڑ جائیں گے، میں اصول کے متعلق تو نہیں کہتا کہ اس سلسلے میں ان کے خیالات کیا ہیں لیکن جہاں تک اپنی ناقص غور و فکر سے کام لینے کے بعد میں نتیجہ تک پہنچا ہوں، اسے پیش کر دیتا ہوں۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں اختلاف و تفرق سے جن آیتوں میں مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے اگر ان کا مطلب یہ لیا جائے گا تو جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ اسی قسم کا مطالبہ ہوگا کہ کالے رنگ والوں

کو حکم دیا جائے کہ اپنے چہروں کو گور یا بنا لیں ورنہ عذابِ عظیم کے وہ مستحق ہوں گے میرے نزدیک تو دونوں مطالبوں میں اصولاً کسی قسم کا فرق نہیں ہے پس سوچنے کی بات یہی ہے کہ قرآن جس اختلاف سے منع کر رہا ہے وہ ہے کیا؟ یقیناً یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہو سکتی جس کی تعمیل انسانی دسترس سے باہر ہو آخر لا یكلف اللہ نفساً الا و سعه یعنی وسعت اور گنجائش ہی کو دیکھ کر مطالبہ کیا جاتا ہے یہ بھی تو قرآن ہی کا کلی قانون ہے جب ہر باب میں اس قانون کی ہمہ گیری مسلم ہے تو اختلاف کا مسئلہ اس کے دائرے سے کیسے باہر ہو سکتا ہے اس معیار پر اس مسئلہ کی جو واقعی حقیقت ہو سکتی ہے اسے متعین کیجئے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں یعنی وہی گورے اور کالے کے اختلاف کو دیکھئے، چہروں کے رنگ کے اس اختلاف کو یہ تو ظاہر ہے کہ آدمی ختم نہیں کر سکتا گوروں کو کالا اور کالوں کو گور یا رنگینوں کو بھیکھا، اور بھیکوں کے چہروں پر وہ رنگ نہیں بھرے جاسکتے جو رنگین چہروں والے کی خصوصیت ہے لیکن اسی کے ساتھ اگر چاہا جائے تو چہروں کے رنگ کے ان قدرتی اختلافات کو مخالفت کا ذریعہ بنا کر بنی آدم کو مختلف ٹولہوں میں یقیناً بانٹا جاسکتا ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ آئے دن یہ کیا جارہا ہے کتنی بے دردی کے ساتھ رنگ کے اسی قدرتی اختلاف کو خوں ریز مخالفتوں کا ذریعہ بنالیا گیا ہے پس اختلاف تو ایک قدرتی بات ہے لیکن اس قدرتی اختلاف کو ارادی مخالفتوں کا ذریعہ بنانا یہ قطعاً انسان کی ایک مصنوعی حرکت ہے قدرتی اختلاف کو بند کرنا یہ تو ہمارے بس کی بات نہیں ہے مگر ان سے ارادی مخالفتوں کی آگ بھڑکانی یہ بالکل آدمی کی اختیاری چیز ہے، میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کو جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ اس مسئلہ کا یہی اختیاری پہلو ہے بالفاظِ دیگر مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ معلومات یا افکار و خیالات یا اجتہادی نتائج کے اختلاف کو چاہئے کہ باہمی مخالفتوں کا ذریعہ نہ بنائیں یعنی ان ناگزیر اختلافات کو بنیاد بنا کر ایک طبقہ کے دین کو دوسرے طبقے کے دین سے جدا کرنے کے جرم کے مرتکب نہ ہوں قرآن اسی جرم سے مسلمانوں کو روکنا چاہتا ہے حاصل یہ ہے کہ جن اختلافات کا مثلاً، آدمی کے بس میں نہیں ہے ان کے ملنے یا ختم کرنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ کیا جاسکتا ہے، بلکہ ان اختلافات

کو ارادی مخالفتوں اور مخالفتوں کا یعنی ایک کے دین کو دوسرے کے دین سے جدا کرنے کا طریقہ
بنانا یہ فعل چوں کہ ہمارے اختیاری حدود میں داخل ہے، اس لئے درحقیقت اسی سے مسلمانوں
کو منع کیا گیا ہے اور منع کرنے کی چیز یہی ہو سکتی ہے قرآن نے اس باب میں جو حکم دیا ہے وہ
بالکل واضح اور یقین ہے مثلاً ارشاد ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا

اور نہ بن جاؤ ان لوگوں کی طرح جن میں ایک دوسرے

من بعد ما جاءهم بآياتنا واولئك

سے جدا جدا ہوئے اور مختلف ہوئے بعد اس

لهم عذاب عظيم (آل عمران)

بات کے ان کے پاس ”بیانات آئے تھے یہی

لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔

آپ دیکھ رہے ہیں اختلاف سے پہلے ”تفرقوا“ کا لفظ ہے جس سے اشارہ جیسا کہ میں سمجھتا ہوں
اسی طرف کیا گیا ہے کہ لوگ دراصل تفرق کو پیدا کرنا چاہتے ہیں یعنی ایک ٹولی کو دوسری ٹولی سے
جدا کرنا چاہتے ہیں، تب اس جدائی کا ذریعہ مذہب کے اختلافات کو بنا لیتے ہیں، حالانکہ ”البیانات“
ان کے پاس موجود رہتا ہے۔

اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر اسلام کا نقطہ نظریہ سمجھ میں آتا ہے کہ دین کے جس حصہ کی حیثیت
”بیانات“ کی ہو یعنی دین سے جس کا تعلق بالکل واضح اور روشن ہو، مثلاً وہ ساری چیزیں جو عموماً مسلمانوں
راہ سے منتقل ہوتی ہوئی مسلمانوں میں چلی آ رہی ہیں اسلام کے ساتھ ان کا تعلق اتنا واضح اتنا یقین
اور کہہ سکتا ہے کہ جو اسلام اور ان چیزوں کو جانتا ہے، خواہ مسلمان ہو یا نہ ہو شاید اسلام کا ان کے
بغیر وہ تصور ہی نہیں کر سکتا مثلاً قرآن یا حج یا نماز رمضان کے روزے وغیرہ ان کا یہی حال ہے
بہر حال ان ہی ”البیانات“ پر متفق و متحد ہو جانے کے بعد ہدایت کی گئی ہے کہ دین کے
”غیر بیانات“ حصہ کو ذریعہ بنا کر مسلمانوں کی ایک ٹولی کو دوسری ٹولی سے جدا کرنے کی حرکت جدا کرنا
دلوں کو عذاب عظیم کی مستحق بنا دیتی ہے مصل یہی ہوا کہ قدرتی طور پر جن اختلافات کا پیدا ہونا
مکرم ہے ان سے نہیں منع کیا گیا ہے اور نہ ان سے منع کیا جاسکتا ہے کہ اختیاری حدود میں داخل

داخل ہی نہیں ہیں بلکہ ان ناگزیر قدرتی اختلافات کو چاہتے ہیں کہ باہم ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے ممانعت کا حقیقی رخ انسان کے اسی ارادی فعل کی طرف ہو سکتا ہے اور اسی کی طرف اس کا رخ ہے بھی،

میں نے جیسا کہ عرض کیا تھا کہ عہدِ نبوت میں ان قدرتی اختلافات کے پیدا ہونے کی گنجائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باوجود کی وجہ سے تھی ہی نہیں، تاہم اس وقت بھی اختلاف کی ایک صورت سامنے آ ہی گئی یعنی زبانوں کا دستور ہے کہ ایک ہی زبان کے بولنے والے کیوں نہ ہوں لیکن ان لوگوں میں بھی تھوڑا بہت ایسی طریقہ اداء، تلفظ وغیرہ کے اختلافات پیدا ہی ہو جاتے ہیں، کہنے والوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہر بارہ میل پر زبانوں کے ان اختلافات کا تجربہ کیا گیا ہے ممکن ہے کہ اس میں کچھ مبالغہ سے کام لیا گیا ہو، لیکن اس مشاہدے کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ ایک ہی زبان کے بولنے والوں میں مذکورہ بالا اختلافات کو ہر جگہ لوگوں نے پایا ہے، ہماری اردو زبان ہی کو دیکھ لیجئے، شمال و جنوب مشرق و مغرب کے اکثر ہندوستانی علاقوں میں یہ بولی جاتی ہے، لیکن باوجود ایک زبان ہونے کے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جنوبی ہند کے اردو بولنے والے ایک ہی لفظ کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہیں کہ شمالی ہند والے اگر چاہیں بھی تو اس طریقہ سے اس لفظ کا تلفظ نہیں کر سکتے، اور یہی حال مختلف صوبائی مقامی اختلافات کا ہے۔ عربی زبان جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ یہ زبان سارے عرب کی تھی۔ لیکن عرب کے مختلف علاقوں کی باشندوں کی زبان میں بھی وہ سارے اختلافات پائے جاتے تھے، جن سے کوئی زبان بچی ہوئی نہیں ہے۔ حجاز، یمن، نجد یا مختلف قبائل قریش بنی تمیم، قحطانی، غیر قحطانی قبائل کے اندر اس قسم کے کافی لسانی اختلافات پائے جاتے تھے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جیسی جلیلِ ہستی جن کی ساری زندگی قریش میں بلکہ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارک میں گزری۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو قرآن پڑھایا تھا، لیکن نسلاً و اصلاً یہی تھے۔ اس لئے حتیٰ کا حفظ آخر عمر تک وہ عتی کرتے رہے مسند احمد میں ہے کہ مشہور حدیث میں

میں ہے کہ تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صفات بیان کئے گئے ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ آپ دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے جائیں گے جب تک ملت عجمہ دھیرھی ملت (سیدھی نہ ہو جائے۔ جس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندھی آنکھوں اور بہرے کانوں اور جن قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ان کو اسی کلمہ لا الہ الا اللہ سے کھول دیں گے۔ عربی میں اسی مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ حتی یقیم بہ الملة العوجاء بان یقولوا لا اله الا الله فیفتح بھا عینا عینا واذا ناصمنا وقلوبا غلغا۔ حضرت عطا فرماتے تھے کہ میں نے کعب احبار سے جو توراۃ کے مستند عالم اس زمانہ میں سمجھے جاتے تھے ان سے پوچھا کہ آپ کا علم ان الفاظ کے متعلق کیا ہے یعنی تورات میں یہ الفاظ کیا پاتے جاتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ کعب نے اس کی تصدیق کی صرف فرق یہ نظر آیا کہ

ان کعبا یقول ببعثہ عینا عمومی	یعنی کعب بجائے عینا عینا کے عینا عمومی اور
اذا ناصمومی وقلوبا غلونی	اذا ناصمما کے اذا ناصمومی اور قلوبا غلغا کے
مسند احمد ص ۱۱۱	قلوبا غلونی کے ساتھ ان الفاظ کا اپنی لغت کی
	وجہ سے تلفظ کرتے تھے۔

درحقیقت یہ زبان کا اختلاف نہیں ہے بلکہ لہجہ کا اختلاف ہے جس کی تعبیر عطاء نے ”لغت“ کے لفظ سے کی ہے۔ کعب بن کے رہنے والے تھے۔ حجازی لہجہ اور یمنی لہجہ کے فرق کا اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے ”عینا“ کو کہنے پر ”عموما“ اور ”عینا“ کو ”صومما“ ”غلغا“ کو ”غلوف“ بنا دیتے تھے۔

قدرتی نظام وحدت

(۳)

از

(جناب مولوی طفیل الدین صاحب استاذ دارالعلوم معینیہ ساکن)

حضرت برادرؒ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عشا میں سورۃ "والنہین والزلزلیون" پڑھتے ہوئے سنا ہے، میں نے آپ سے بڑھ کر اور کسی کو خوش آواز نہیں دیکھا۔

یہ ساری تفصیل آپ کے سامنے ہے، اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ تحقیق صلوٰۃ کا جو مطلب آج کل بعض لوگ سمجھتے ہیں وہ کس قدر غلط ہے، ان مذکورہ بالا حدیثوں سے ظاہر ہے، اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ملکی نماز کا کیا مطلب ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ آپ ہم کو ملکی نماز کا حکم فرماتے تھے، اور جب انہوں نے علی مثال بیان کی تو یہ کہ آپ سورۃ صافات کے ساتھ امامت فرماتے تھے۔

قرات ترتیل | یہ تو ہر نماز میں آیتوں کی تعداد کے اندازہ لگانے کے لئے نقل کیا گیا ہے، علاوہ انہیں پڑھنے کا طریقہ بھی جاننا ضروری ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کا کیا طریقہ اختیار فرما رکھا تھا اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن کا یہ فرمان سامنے رکھنا چاہئے

وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِلاً (زمل۔۱)

جس کا منشا یہ ہے کہ آپ کو ترتیل اور ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنے کا حکم تھا، جس کی آپ پوری پیروی فرماتے تھے، نیز پڑھنے کا بھی آپ کا معمول معلوم نہیں ہوتا ہے جس

نہ مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم باب القراءة مشکوٰۃ عن النسائی باب ما علی الامام۔

سے قرآن پاک کے کلمات پورے طور پر ادا نہ ہو سکیں یا سننے والا اچھی طرح کلمات سمجھ نہ سکے
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے

کل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک کہ وہ دُعا کرتے تھے تو ایک ایک آیت طہیدہ علیحدہ کر کے پڑھتے تھے، بسم اللہ الرحمن الرحیم، پھر الحمد للہ رب العالمین، پھر الرحمن الرحیم، ایک آیت کو دوسری میں نہیں ملاتے تھے۔
(قیام اللیل محمد بن نصر المروزی باب الترتیل)

(فی القراءۃ ص ۵)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، تو دیکھا آپ کی قرأت اعتدال کے ساتھ تھی، نہ پست تھی نہ بلند، رک رک کر پڑھتے اور ترتیل کا پورا لحاظ فرماتے تھے۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے متعلق فرماتی ہیں کہ کوئی سورۃ جب آپ پڑھتے تو ترتیل کے ساتھ پڑھتے، جس سے سورۃ لمبی سے لمبی معلوم ہوتی حضرت ام سلمہ سے ایک روایت میں ہے کہ ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔
صحابہ کرام کا معمول ان حدیثوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ آپ کے پڑھنے کا کیا دستور تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی مقدار قرأت اور ترتیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی جیسا تھا اس لیے کہ یہ حضرات سر پر اسوز و عشق تھے، جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ صبح کی نماز میں سورۃ بقرہ پڑھ گئے آپ سے جب کہا گیا کہ آگے تو اب ٹکنا ہی چاہتا تھا مطلب تاخیر اور لمبی سورۃ کا ذکر تھا، تو آپ نے فرمایا آفتاب سے قائل نہ تھا آپ کی مراد یہ تھی کہ اس کا خیال و انداز بھی تھا۔

۱۔ قیام اللیل محمد بن نصر المروزی ص ۵ باب الترتیل فی القراءۃ نہ ہر وہایت قیام اللیل البیضا باب الترتیل فی القراءۃ ص ۵
۲۔ کتاب الصلوۃ لابن القیم ص ۱۸

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی کچھ یہی معمول تھا کیونکہ آپ کے متعلق آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز میں سورۃ نحل، یوسف، ہود، یونس، بنی اسرائیل اور اسی طرح کی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علقمہؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے آپ قرآن میں ترتیل فرماتے اور صاف صاف تلاوت کرتے، اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق ہے کہ وہ آخری رات کی نماز میں جب قرأت کرتے تو ایک ایک حرف علیحدہ کر کے پڑھتے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں قرآن تیز تیز نہ پڑھو جیسا شعر پڑھا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ آیت وَرَاقِلِ الْقُرْآنِ تَرْشِيْلًا کی تفسیر فرماتے ہیں ”بیٹہ بتینا“ خوب صاف صاف پڑھو۔ موقع کا لحاظ اس تفصیل کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیشہ لمبی ہی قرآن کی جائے ضرورت اور مجبوری ہو تو اسے پس پشت ڈال دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اطمینان کے وقت یہی سنت طریقہ معمول ہونا چاہئے۔ یوں ضرورت و مجبوری یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے قرآن میں کمی کی جاسکتی ہے خود ذاتِ بابرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز میں معوذتین تک پڑھنا ثابت ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں میں آپ کی ادنیٰ کی تکمیل تھا کہ آپ نے معوذتین کی غنیمت دلائی اور اہمیت بتائی اور پھر انہیں تعلیم فرمایا، پھر مجھے خوش کرنے کے لئے ان ہی سورتوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھائی اور فارغ ہونے کے بعد مستوجہ ہو کر فرمایا

يا عقبه كيف من أيت (مشکوٰۃ باب القراءۃ) اے عقبہ تو نے کیسا پایا۔

تبدیل ارکان | ان چیزوں کے ساتھ تبدیل ارکان بھی ضروری ہے، یعنی رکوع، سجود اور قیام و قعود باطمینان ادا کیے جائیں، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اس قدر اطمینان سے کھڑے رہتے کہ ہم کخیال ہوتا کہ آپ بھول گئے اور پھر آپ سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھتے کہ ہم کہتے تھے کہ شاید آپ کو وہ ہم تو نہیں ہو گیا۔

کتاب الصلوٰۃ لابن القیم ص ۱۱۱ ان سب روایتوں کے لئے دیکھئے قیام التلیل باب الترتیل فی القراءۃ ص ۱۱۱

حضرت براؤ سے روایت ہے کہ آپ کا رکوع، سجدہ، دھڑوں سجدوں کے درمیان بیٹھا اور رکوع سے اٹھنا یہ سب تقریباً برابر ہوتا، سوائے قیام کے؛

حضرت انسؓ کو کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی نماز دیکھی گئی اور ان کی تسبیحات رکوع و سجود کا انداز دس دس ہیں ایک دفعہ حضرت انسؓ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر لوگوں کو بتائی جس کو حضرت ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ ویسی نماز تم کو پڑھنے نہیں دیکھتا ہوں۔ وہ (انسؓ) رکوع سے سر اٹھاتے تو اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ کہنے والا کہہ اٹھتا کہ وہ بھول گئے ادب پہلے سجدہ سے سر اٹھانے اور بیٹھنے تو کہنے والا کہہ اٹھتا کہ قیام وہ آگے بھول گئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

اسو الناس سرقة الذی یسرق
لوگوں میں بدترین چور وہ شخص ہے جو اپنی نماز
من صلواتہ فالو یا رسول اللہ کیف
میں چوری کرتا ہے صحابہؓ نے پوچھا نماز کی چوری کیسی؟
یسرق من صلواتہ قال لا یتیم مرکوها ولا
آپ نے فرمایا نماز کی چوری اس کا رکوع اور اس
بجود ہاروا احمد (مشکوٰۃ باب رکوع) کے سجدے پورے طور پر ادا نہ کرنا ہے۔

یہ وجہ ہے کہ بعض امام تعدیل ارکان کو فرض تک کہتے ہیں، اور وجوب کا درجہ دینا تو قدرتی معلوم ہوتا ہے لہذا یہ تمام حدیثیں سامنے رکھی جاتیں اور تنقیف صلوة دہلی نماز کا مطلب سمجھیں، مفتی کے ساتھ ارکان نماز اور حقوق نماز کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ امام کی ذمہ داری بہت اہم اور نازک ہے اور امام کو جو ضامن کہا گیا ہے اس سے اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں پورا اتر سکے۔

یعنی اصول احسن تعلیم الشان عبادت کے ظاہری احکام کی بجا آوری کی تاکید کا یہ عالم ہے بلاشبہ اس کے اپنی احکام کی اہمیت تو اور بھی زیادہ ہوگی کیونکہ اگر ظاہر کو اعضا و جوارح کی حیثیت

بے مشکوٰۃ باب رکوع بے مشکوٰۃ من لیلی وادب رکوع کتاب الصلوة لابن القیم

حاصل ہے تو باطن کو قلب کی، پھر اگر قلب ہی میں فساد پیدا ہو جاتے، تو اعضا و جوارح کب تک کارآمد رہ سکتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے۔

اَلَا اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضَغَةً اِذَا صَلَحَتْ
صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ
الْجَسَدُ كُلُّهُ اِلَّا وَجْهَ الْقَلْبِ (بخاری)

سنو جسم میں ایک ٹوٹھڑا ہے، جس کی اصلاح
سارے جسم کو صالح رکھتی ہے اور اس کا فساد
کل جسم کو بگاڑ دیتا ہے اور سنو وہ ”دل“ ہے
اس دل پر احسان کی پوری کیفیت طاری ہونی چاہئے، جو جسم کا سلطان ہے، نماز کی حالت
میں مسجد کی جماعت یہ محسوس کرے، کہ ہم رب العزت کے دیباہ میں اس کے روبرو کھڑے ہیں،
اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اعمال و افعال کو بھی اور دل کی ہر ایک کھٹک کو بھی۔

اِنَّ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنْكَ تَرَاهُ فَاَنْ لَّمْ
تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ (بخاری)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو اس احساس کے
ساتھ کہ اس کو دیکھ رہے ہو ورنہ تو بہر حال
دیکھ رہا ہے۔

نمازی کے دل میں جب یہ یقین جاگزیں ہو جائیگا، تو وہ اللہ اکبر کہتے ہی اپنے کو تہا و جبار
اور غفور و رحیم مالک کے روبرو پائے گا، اور اس کی عظمت و جلال اور اس کی رحیمی و کریمی کا پرتو
اپنی طرف بڑھتے دیکھے گا، جس سے نمازی کا ظاہر و باطن اطاعت کا مجسمہ بن جائیگا اور دل نورانی
کروں سے چمک اٹھے گا۔

خشوع و خشوع اسی کیفیت کا نام اصطلاح میں ”خشوع و خضوع“ ہے جو عبادت کی جان

اور بندگی کی روح ہے، ارشادِ باری ہے

كُلُّكُمْ لَنَا رَاٰی وَاَنَا لَكُمْ شَٰعِرٌ
وَلَا يَهْدِيهِمْ شَاٰعِرُوْنَ (مومن-۱۱)

ان مسلمانوں نے یقیناً غلامی، جو اپنی نماز میں
خشوع کرنے والے ہیں

یہ آیت بتاتی ہے، کہ خشوع گو محنت نماز کی شرط نہیں مگر قبولیت کی شرط تو بہر حال ہے چنانچہ
بعض مفسرین نے اس کو لکھا ہے،

تہ بیان القرآن جلد ۷ صفحہ ۷۵

خشوع کی حقیقت کیا ہے؟ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں

اصل الخشوع هو لين القلب وقته وسكونه وخضوعه وحرقة فاذا خضع القلب نتج جميع الجوارح والاعضاء لا تخافا تبعه (الخشوع في الصلاة)

خشوع کی اصلیت دل کا نرم ہونا اور اس کا پسینا ہے، نیز اس کے اطمینان اور جھکاؤ اور سوزش کا کام ہے، قلب جب جھک پڑتا ہے تو سارے اعضاء و جوارح اس کی پیروی میں جھک پڑتے

ہیں کیونکہ یہ سب اس کے تابع ہیں

یہ بالکل صحیح ہے کہ اعضاء و جوارح قلب کے تابع ہوتے ہیں، گویا اس جسم کی دنیا میں دل کو سردار کی حیثیت حاصل ہے جس کے صلاح و فساد کا اثر بقیہ حصوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے اور جس کی ہر حرکت و سکون کا سایہ ایک ایک عضو پر پڑتا ہے۔ عموماً صبر و صبر و صبر، جیسا کہ ابھی ادھر اشارہ فرمایا

حضرت علیؑ نے اشارہ فرمایا

الخشوع خشوع القلب (ابن کثیر ص ۳۳۳) خشوع دل کا جھک پڑنا ہے۔

پھر یہ اثر دل سے اعضاء و جوارح پر پھیل پڑتا ہے، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے آنکھیں پست ہو جاتی ہیں اور دل جھکاؤ کو قبول کرتا ہے۔ اسی علت کے پیش نظر بعض سلف صالحین فرماتے ہیں جس نمازی کو دیکھو کہ وہ اپنے جسم اور کپڑوں سے کھیل رہا ہے سمجھ لو اس کا دل خشوع کے اثر سے بیگانہ ہے۔

خشوع کا حصول نماز میں خشوع کیوں کر حاصل ہوتا ہے؟ یہ سوال گو اس زمانہ میں اہم ہے مگر جن

لوگوں کو ایمان کی حلاوت نصیب تھی ان کے لئے یہ سوال کوئی خاص سوال نہ تھا ایمان کے

منفعت و اضمحلال اور اخلاص و لاہیت کے فقدان نے ہمارے لئے دشواری پیدا کر دی ہے

ورنہ ہم جس ظاہری اہتمام کے ساتھ مسجد تک پہنچتے ہیں اتنا بھی اہتمام باطن کا ہوتا تو کبھی بسا غنیمت

ابن کثیر ص ۳۳۳ الخشوع في الصلاة

ایمان کی تازگی اور اس احساس کے ساتھ عاجزی ہو، کہ دربارِ الہی میں جہاں رب العالمین جلوہ افروز ہے کھڑے ہیں، یہ دست بستگی اسی کے سامنے ہے ہم اس کے جاہ وصال کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور وہ ہمارے قیام و قراۃ کو ملاحظہ کر رہا ہے، ظاہر کو بھی دیکھتا ہے اور باطن کو بھی اور اللہ اکبر کہہ کر ہم نے تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے رشتوں کی رگ کاٹ ڈالی ہے اور اپنا رشتہ مالکِ حقیقی کے ہاتھ میں دے دیا ہے اس کی عظمت اور کبریائی سامنے ہے اور ہم اس میں گم ہیں یہ یقین دل کی بھٹی کو تیز کر دے گا، آلائشوں، زنگوں اور سیلوں کو خاکستر بنا کر گندن بنا دیگا اور رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، الرحمن الرحیم، مالکِ یوم الدین کے جلوں کے ساتھ دل اتھاہ سمند میں ڈوب جائے گا۔ اور اھدنا الصراط المستقیم پہنچ کر دل اور اس کا پورا حلقہ امید و بیم اور خشیت و محبت سے معمور ہو جائے گا اور ان کلمات کے ساتھ دل کے ساز کا ناتار جنبش میں آ جائے گا اور نماز سے جب فارغ ہو چکے گا تو اس کی زبان پر وہی کلمات ہوں گے جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، "جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ"

اس کے لئے جو مانع نظر آتے، اسے دفع کرنے کی کوشش کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا، اس باب میں کسی چیز کو برداشت نہیں فرمایا، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سوال پر فرمایا تھا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا۔

هو احتلا من مختلہ الشیطان وہ اچک ہے جو شیطان بندہ کی نماز سے اچک
من صلاۃ العبد (بخاری) لیتا ہے۔

آپ نے ایسی چیزوں سے بھی اجتناب فرمایا ہے جس سے کسی درجہ میں خلل کا اندیشہ ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عائشہؓ نے دروازہ پر ایک خوبصورت باریک پردہ لٹکا رکھا تھا آپ نے نماز شروع کرنا چاہی تو فرمایا میرے سامنے سے اپنا یہ منقش پردہ ہٹا لو! اسی طرح ایک دفعہ پوشیدار چادر میں آپ نے نماز ادا کی مگر نماز بعد اسے فوراً بھوادی اور اس کی جگہ

نہ بخاری و مسلم کتاب اللباس

سادہ منگوالی اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس چادر نے مری توجہ بٹا دی۔ یہ تو آپ کا اپنا حال تھا امت کو بھی اس ہدایت سے نوازا، اور ساتھ ہی ہر ایسی چیز سے اور ہر ایسے فعل سے منع فرمایا جس کو خشوع کے خلاف محسوس فرمایا مثلاً یہ کہ بھوک میں کھانا سامنے آجائے اور طبیعت کا رجحان کھانے کی طرف ہو تو پہلے کھانا کھالیا جائے، پھر نماز پڑھی جائے آسمان کی طرف دیکھا نہ جائے اور ہر ادھر تکانہ جائے، جمائی کی نہ جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ پاخانہ، پیشاب کی غلش کے وقت ذاعت سے پہلے نماز نہ پڑھی جائے۔

استقبال قبلہ | نماز میں استقبال قبلہ کا حکم اگر ایک طرف نظام وحدت کی ایک کڑی ہے، تو دوسری اور اس کا اثر | طرف اس میں خشوع و خضوع کا شرعی اہتمام ہے تاکہ دل بھی پیدا ہو سکے اور ساری جماعت میں یکجہتی ہو، مختصر فقرہوں میں کہا جاسکتا ہے، نماز میں دخول ظاہری طور پر انحال الجوارح اور خلوت ادب کلام باللسان کو حرام کر دیتا ہے اور نماز کی نیت جو باطنی ہے وہ باطن پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسرے انکار کو حرام قرار دیتی ہے جو غیر اللہ سے متعلق ہو۔ یہ وہ امور ہیں جن کا اہتمام علمائے سلف رحمہم اللہ تعالیٰ اور صحابہ کرام نے اپنے اپنے دور میں خوب ہی فرمایا اور پھیلوں کے لئے نشان راہ چھوڑ گئے۔

پہلوں کا خشوع | ابوداؤد شریف باب للوضوء امام میں ایک صحابی کا ذکر آیا ہے کہ طالت نماز میں ان کو دشمن کے قیر آ کر لگتے رہے، خون بھی نکلا مگر انہوں نے نیت نہ توڑی اور برابر نماز میں اسی طرح مصروف رہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ امامت کرتے ہوئے آپ کو زخم لگا یا گیا آپ کی جگہ دوسرے نے امامت کی مگر نماز میں کوئی فرق نہ پایا۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا نماز میں یہ حال ہوتا کہ بے حس و حرکت سے معلوم ہوتے دیکھنے والا کہتا ہے جان درخت کی کڑی ہے جن کو ہوا ہوا رہی ہے گویا ایسی محویت ان کو نماز میں ہوتی تھی۔

۱۔ مسلم باب کراہت المصروفۃ فی ثوب و طعام و غیرہ۔ یہ سب حدیثیں بلوغ المرام باب الخشوع میں دیکھی جائیں

۲۔ احکام القرآن لابن العربی سورہ مومنون

ابن سیرینؒ نماز میں جب کھڑے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی خشیت سے ان کے چہرہ کا خون خشک پڑ جاتا تھاؕ

حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے مطلق روایت ہے کہ آپ جب نماز میں داخل ہوتے تو محبت و خشیت الہی کا یہ عالم ہوتا کہ کوئی بھی آہٹ آپ کو سننے میں نہیں آتی تھی۔ حضرت عامر بن عبد قیسؓ کے متعلق بیان ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ نماز پڑھتے ہوئے مری گردن پر خبر چل جائے تو یہ برداشت، مگر یہ برداشت نہیں ہے کہ نماز میں دنیا کے معاملہ میں فکر کروں۔

حضرت سعید بن مساذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں دنیا کی فکر مرے دل میں پیدا ہوتی ہو۔

خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو اس اہتمام سے باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شعبہ میں پیروی کرتے ہیں۔ کہ آپ کا نماز میں یہی عالم ہوتا تھا، ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہیں اور آپ کا سینہ ہانڈی کی طرح جوش مار رہا ہے اور آہ و بکا کا ایک شور سا بپا ہے اس کی آواز عرش معلیٰ تک اپنا اثر قائم کر رہی ہے یہ اور اس طرح کے بسیوں واقعات ہیں جن کی تفصیل یہاں مقصود نہیں ہے اور یہ سب کیوں نہ ہو جب کہ ساری عبادت و اطاعت کی جان یہی اخلاص ہے اَقِمُّوا دُجُوْہَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اعراف: ۳۰)

اس اثر کے رسوخ کے لئے ریاکاری، دکھاوا، شہرت اور عزت کے سارے بت پاش پاش کر دیے جائیں۔ جو راستہ کا پہاڑ ہے، اور گراہی کا سر چٹمہ، قرآن نے پکار کر کہا
قَوْلُ الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِیْنَ هُمْ یَذُرُّوْنَ وَ یَمْنَعُونَ الْمَاعُوْثَ
ان نمازیوں کو جس کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور جو اپنی نمازوں میں ریاکاری کرتے ہیں اور بتوں کی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ امام احمدؒ و بیضاویؒ و بیضاویؒ

رحمن؟

(مولانا حکیم محمد ابو ذر صاحب مدرسہ عزیز یہ بیاض تھیں)

آیت **يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ** الخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنات کی جماعت میں سے بھی بنی آئے ہیں، چنانچہ بعض حضرات اسی کے قائل ہیں یہ بات کہ ہم کو ان انبیاء کا علم نہیں تو عرض یہ ہے کہ یوں بھی تمام انبیاء کرام کا علم ہی کب حاصل ہے، قرآن کریم کہتا ہے **وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ مِن قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ** اے پیغمبر! بیشک ہم نے آپ سے پہلے بہت پیغمبر بھیجے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر آپ سے کیا گیا ہے مگر بعض ایسے بھی ہیں جن کا حال آپ کو نہیں بتایا گیا۔ لیکن لغوائے **إِنَّ اللَّهَ مُصِطَفٍ** آدم وغیرہ آیات جہور سلف نبوت کو انسان کے لئے مخصوص کہتے ہیں اور آیت مذکورۃ الصدر کی تفسیر میں دو قول ہیں **یہ قول** | **مِنْكُمْ** جو آیت **يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ** الخ میں وارد ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ جن و انس میں سے ہر ہر فریق کے رسول آئے کیونکہ ہن کے حقیقی معنی تبعض کے ہیں یعنی بعض، اور ذکر جمع کا صیغہ ہے اس بنا پر اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ بعض مجموعے سے رسول آئے، نہ کہ ہر ہر فریق میں سے لہذا اگر ان دو جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت سے رسول آجائے، تو **يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ** الخ کا مصداق صحیح ہے اسی اعتبار سے دوسری جگہ ہے **يَخْرُجُ مِنْهُمْ مَّائِةٌ أَلْفُ نَفْسٍ** اور نکلیں دونوں قسم کے سمندر سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں حالانکہ موتی و مرجان صرف نکلیں پانی سے نکلتا ہے

دوسرا قول | یہ ہے کہ رسول کا اطلاق عام ہے اس کو بھی رسول کہتے ہیں جو رسول کے جانب مبلغ مقرر کر کے بھیجا جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اہل انطاکیہ کے پاس تین شخصوں کو

تبلیغ کے لئے بھیجا تھا، ان کو قرآن کریم نے رسول کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اِذْ اَنۡهٰرۡ سَلٰنَا اِلَیْہِمۡ اَشۡنٰیۡنَ فَاٰتٰوۡہُمَا فَخَرَّ ذَاۤیۡنَا بِاِلٰہِ فَقَالُوۡۤا اِنَّا اِلَیْکُمۡ مُّسَلُّوۡنَ جب ہم نے اُن کے پاس دو کو بھیجا تو انہوں نے دونوں کو جھوٹا بتلایا پھر تیسرے رسول سے تاکید کی تو ان تینوں نے کہا ہم تمہارے طرف رسول بن کر آتے ہیں (سورہ نیس، جنوں کی جماعت رسول اللہ ﷺ سے قرآن سن کر اپنے قوم میں بھیجی گئی تو اس کو رسول کی صفت سے تعبیر کیا گیا ہے فَلَمَّا قَضٰی زُلُوۡاۤ اِلَیٰ قَوْمِہِمۡ مُّنۡذِرًاۢیۡنَ (سورہ احقاف) پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس نذیر بن کر گئے۔۔۔۔۔ اسی طرح یَا مَعْشَرَ النَّحۡیۡتِ وَاِلَآئِیۡنَا میں جنوں کے رسول سے وہ اجنبی مراد ہیں جو اپنے وقت کے نبی سے تعلیم حاصل کر کے قوم کی تبلیغ کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔۔۔۔۔

پانچویں دلیل | پانچواں ثبوت اس امر کا کہ حوام میں جو جن مشہور ہیں ان کا کوئی وجود نہیں اور یہ کہ رسول کریم ﷺ پر جو جن ایمان لائے تھے وہ انسان ہی تھے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کی نسبت فرماتا ہے فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ ذُوۡدُہَا النَّاسُ وَالۡجِبَارُ (سورہ بقرہ، دوزخ میں یا تو انسان ہونگے یا پھر شیطان وغیرہ آگ کو بکڑکانے والے سامان ہوں گے، اگر جن کوئی مکلف مخلوق ہے تو یوں کہنا چاہئے تھا ذُوۡدُہَا النَّاسُ وَالۡجِبَارُ اس دلیل میں بھی کوئی وزن نہیں ہے اس جگہ قرآن پاک کا مقصد کفارِ عرب کو عذابِ جہنم سے ڈرانا ہے کہ اے منکروہم نے اصنام کی عبادت کو ذریعہ نجات سمجھا ہے غور کر دیتے ہیں کہاں تک نجات دلاؤ گے جب کہ یہ اپنے کو کبھی جہنم سے پہچانہ سکیں گے۔

یہ اس صورت میں ہے کہ ”جبارہ“ سے اصنام مراد ہوں اگر اس سے عام بتبرہ مراد ہیں تو اس صورت میں آگ کی شدت اور تیزی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ جہنم کی آگ سے دنیا کی آگ کو کوئی نسبت نہیں ہے، اس کا اندازہ سن لکڑی نہیں بلکہ شیطان اور انسان میں یہاں مذہبِ جہنم کی شمار بیان نہیں کی جا رہی ہے ورنہ پھر جبارہ کے ذکر کا کیا موقع تھا، بتبرہ کون سا مکلف

ہے جو جہنم کے معذبین کی شمار میں بیان کیا گیا ہے ان جہاں جہنم کے معذبین کا شمار ہے وہاں قرآن کریم میں انسان کے ساتھ جن کا بھی ذکر ہے لَا تَمْلِكُ جَهَنَّمَ مِنْ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ لِحَبِيقِنَ محمدی دہل | چٹا ثبوت ان مومن جنوں کے انسان ہونے کا یہ ہے کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چند خصوصیتوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں ایک یہ ہے کہ میں تمام اقوام کی طرف ہا استثناء مبعوث کیا گیا ہوں اور جو مجھ سے پہلے نبی گذرے ہیں وہ صرف اپنی قوم کے طرف مبعوث ہوئے تھے، اس حدیث کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جن جو استغفر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے کوئی اور مخلوق تھی کیونکہ قرآن کریم صاف بتاتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے والوں میں سے تھے، سوال یہ ہے کہ اگر وہ بنی اسرائیل میں سے نہ تھے تو ان کا موسیٰ پر ایمان لانا جائز ہی کس طرح ہو سکتا الخ

یہ استدلال بھی پھر ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں أَمَّا أَنَا فَأَرْسَلْتُ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ عامۃ دکان من قبلی أَمَّا بَرَسِلْ إِلَى قَوْمِهِ۔ اس میں ناس و انسان کا لفظ ہے، یعنی آپ نے باعتبار امت انسانی کے اپنی خصوصیت کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوں اور اگلے انبیاء کی بعثت انسانوں میں سے صرف اپنے قوم کی طرف ہوتی تھی انسان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کے طرف آپ یا پہلے نبیوں میں کوئی نبی مبعوث نہیں یا نہیں؟ اس کا اس حدیث میں کوئی ذکر ہی نہیں با بریں اس سے اگلے نبیوں کی انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق کی طرف مبعوث ہونے کی نفی نہیں کر سکتے اور سورہ جن کے مومن جنوں کا یہودی ہونا ان کے انسان ہونے اور انسان میں سے بھی بنی اسرائیل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی،

سائیں دہل | سائیں ثبوت ان جنات کے انسان ہونے کا یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا یہاں جنات کو رسالت میں شامل نہیں کیا گیا، اگر جن بھی کوئی علیحدہ قوم ہیں اور ان کے لئے بھی آپ پر ایمان لانا ضروری تھا یا جائز ہی تھا تو ان

فرمانا چاہتے تھے یا اَجْمَعُ النَّاسُ رَاجِحٌ اِنِّیْ سَئُولُ اللّٰهِ اَلِیْکُمْ جَمِیْعًا پس جو جن آپ پر ایمان لائے تھے وہ قرآنی تشریح کے ماتحت انسانوں ہی میں سے تھے اور اسی وجہ سے آپ پر ایمان لانے کے مکلف تھے۔

یہ استدلال ایک اصولی غلط فہمی کا مظاہرہ ہے یہ اصول مستلزم ہے کہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس کے نفی کو مستلزم نہیں ہوتا، اگر کوئی کہے میری جیب میں قلم ہے تو اس جگہ کا مطلب کبھی بھی یہ نہیں ہوتا کہ اس کی جیب میں قلم کے علاوہ کوئی دوسری چیز موجود ہی نہیں ہے بلکہ قلم کے علاوہ دوسری چیزوں کے موجود رہتے ہوئے بھی کہہ سکتا ہے کہ میری جیب میں قلم ہے اسی طرح بنی اکرم صلعم کا انسان کے علاوہ جن کی طرف مبعوث ہوتے ہوئے بھی یہ فرمانا صحیح ہے کہ میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوں اور یہ جملہ سرگز اس کو مقتضی نہیں ہے کہ آپ انسان کے علاوہ کسی دوسری جماعت کی طرف مبعوث نہیں ہیں، ورنہ پھر یہ دعویٰ کرنا صحیح ہو جائے گا کہ آپ صرف قوم عرب کی طرف مبعوث ہیں اس کے علاوہ کسی دوسری قوم کی طرف مبعوث ہی نہیں ہیں کیونکہ سورہ حمزہ میں ہے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ اس جگہ غیر عرب کو رسالت میں شامل نہیں کیا گیا اگر آپ امین قوم عرب کے علاوہ دوسرے انسانوں کی طرف بھی مبعوث ہیں تو یوں فرمانا چاہتے تھے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْاُمَمِیْنَ وَغَیْرِ الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ آیت یا اَجْمَعُ النَّاسُ اِنِّیْ سَئُولُ اللّٰهِ اَلِیْکُمْ جَمِیْعًا میں جو عام انسانوں کا ذکر ہے تو اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ حسب تشریح قرآنی (یعنی آیت سورہ حمزہ) ناس سے صرف قوم عرب مراد ہے اور الناس پر الف لام عہد داخل ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے قوم عرب میں تمام اقوام عرب اور تمام قبائل عرب کی طرف مبعوث ہوں ————— لیجئے اب کیا ہے حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلعم کی نبوت تو عرب کے لئے مخصوص ہو گئی، ختم نبوت کا مسئلہ ہی وہم برہم ہو گیا۔

اس کے بعد مرزا صاحب اس طرح لب کشائی کرنے ہیں

ایک اور آیت اس مضمون کے بارہ میں اس سے بھی واضح ہے اور وہ سورہ سہا کی آیت وَمَا أَسْأَلُكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ كَافَّةً سے نکلا ہے جس کے اصل معنی جمع کرنے اور روکنے کے ہیں، پس آیت کے معنی یہ ہوتے کہ اے محمد صلیم ہم نے تجھے صرف اس لئے مبعوث کیا ہے کہ تو انسانوں کو جمع کرے اور کسی انسان کو اپنی تبلیغ سے باہر رہنے نہ دے۔ اب یہ کیوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تجھے صرف انسانوں کو جمع کرنے کے لئے بھیجا ہے اور بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ انسانوں کے سوا کوئی اور بھی مخلوق ہے، اور وہ بھی محمد صلیم پر ایمان لانے کی مکلف ہے اور مرزا صاحب کی اس دلیل کی اصل یہ ہے کہ نفی کے بعد استثناء قصر کا فائدہ دیتا ہے، یعنی مستثنیٰ کے لئے حکم مخصوص ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سے حکم کی نفی ہوتی ہے پس اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ مستثنیٰ یعنی انسان کے لئے حضرت محمد صلیم کی رسالت مخصوص ہے اور انسان کے علاوہ دوسری مخلوق سے آپ کی رسالت کی نفی ہے پس انسان کے سوا کوئی مخلوق بھی حضرت رسول اللہ صلیم پر ایمان لانے کی مکلف نہیں،

مرزا صاحب کی یہ دلیل بھی نادانیت کی بناء پر ہے قصر کی تین قسمیں ہیں۔ قصر افراد، قصر قلب، قصر تعین۔ قصر افراد میں مشکلم کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف مستثنیٰ کے لئے ثابت ہے مستثنیٰ کے علاوہ دوسرے افراد اس حکم میں شریک نہیں ہیں مثلاً جب کسی کا یہ خیال ہو کہ بکر کو مارنے میں زید و عمرو دونوں شریک ہیں، اور اس خیال کی تردید کی جائے اور کہا جائے ماضیاً اب الا زید یہ قصر افراد ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف زید مارنے والا ہے، عمر اس میں شریک نہیں ہے، قصر قلب میں مشکلم کا مقصود صرف مستثنیٰ کے عکس کی تردید ہوتی ہے، مثلاً جب کسی کا خیال ہو کہ زید بیٹھا ہوا ہے اور اس خیال کی تردید میں کہا جائے ماضیاً اب الا قائم یہ قصر قلب ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ زید کھڑا ہے بیٹھا ہوا نہیں ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ قیام کے علاوہ کسی دوسری صفت کے ساتھ متصف ہی نہیں کیونکہ قیام کے علاوہ کتابت عدم کتابت ظلم و جہل وغیرہ میں سے کسی صفت کے ساتھ فرد ہی متصف ہوگا، قصر تعین کی صورت یہ ہوتی ہے

کہ مثلاً مخاطب کو یہ شک ہوتا ہے کہ اس کتاب کا لکھنے والا زید ہے یا عمر، تو اس وقت مشکل
 کا یہ کہنا کہ ما کاتب الا زید یہ تصریح ہے چونکہ اس فقر کے ذریعہ کاتب کی تعیین ہو گئی ہے کہ
 زید ہے عمر نہیں ہے یہ فقر کی تین قسمیں ہوتی ہیں، اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس مقام میں فقر کی کون
 قسم ہے؟ یہاں فقر افراد نہیں، کیونکہ اگر باری عز اسمہ کا اس فقر سے یہ مقصد ہے کہ آپ کی دعوت
 و رسالت میں انسان کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں ہے، تو یہاں کا فہ کا لفظ مہل
 اذہ بے معنی ہو جاتا ہے بلکہ یہ مقصد و ما امر سناٹا اکل الناس سے حاصل ہو جاتا ہے یعنی آپ
 کو صرف انسانوں کے لئے بھیجا ہے، انسانوں کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کے طرف مبعوث نہیں
 ہیں، قرآن کریم کا ایک لفظ اور ایک نقطہ بھی مہل نہیں لہذا فقر افراد نہیں ہو سکتا۔ اور تصریح یہ بھی
 نہیں کیونکہ اگر انسان اور دوسری مخلوق کے درمیان آپ کی رسالت کو متعین کرنا ہے کہ آپ کی
 رسالت کے لئے صرف انسان ہی متعین ہے تو اس صورت میں بھی کا فہ کا لفظ مہل ہے لہذا
 اب متعین ہو گیا کہ فقر قلب ہے، یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگلے انبیاء کی طرح حضرت رسول اللہ صلیم
 کی رسالت کسی خاص جماعت اور گروہ کے ساتھ مخصوص ہو گئی اور عام انسان آپ کی دعوت
 میں شامل نہیں اس آیت میں اسی شبہ کی تردید ہے کہ آپ کی رسالت تمام ہی انسانوں کے لئے
 ہے صرف بعض انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں اس سے انسان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق
 سے آپ کی رسالت کے تردید پر دلالت نہیں ہو گی کیونکہ فقر قلب کے متعلق بیان ہو چکا ہے
 کہ اس میں صرف مستثنیٰ کے ضد کی نفی ہوتی ہے اس کے علاوہ دیگر امور کے نفی پر دلالت نہیں
 کرتا یہاں مستثنیٰ جمیع انسان ہے اس کا عکس بعض انسان ہو گا لہذا یہ آیت صرف بعض انسانوں
 کے اندر آپ کی نبوت مخصوص ہونے کی تردید ہو گی اور دوسری مخلوقات کی نفی اس کا مفہوم نہیں ہے
 لہذا اس آیت کریمہ کو اس ثبوت میں پیش کرنا کہ انسان کے علاوہ کوئی دوسری مکلف جماعت
 نہیں سراسر جہل ہے اور زبان عربی سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

مرزا صاحب نے قرآن و احادیث سے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ انسان کے علاوہ جن کوئی

اور مخلوق نہیں جو سات دلیلیں پیش کیں ان کی حقیقت واضح ہو گئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ ان کے دماغی جدوجہد کا قلعہ منہدم ہو کر رہ گیا ہے اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تائید میں جو جن و انس کے دو مخلوق ہونے پر نص صریح ہے سور کن تخریف پیش کی ہے لیکن قرآن میں تخریف یہ ممکن نہیں یہ وہ جادو ہے کہ سر پر چڑھ کر بولتا ہے قرآن کریم کی تخریف میں دلچسپ سے دلچسپ انداز بیان میں کہیں نہ اختیار کیا جائے اس کی تردید کے لئے وہ کسی غیر کا محتاج نہیں بلکہ خود ہی اس کے طلسم کو توڑ کر پھینک دیتا ہے کیونکہ دیگر وجوہ اعجاز کے علاوہ قرآن مجید کا ایک اعجاز یہ بھی ہے جو ارباب بصیرت سے مخفی نہیں، یعنی انا للہ لحاظ نظوں کی صداقت اب آئیے مرزا صاحب کی ذہنی آماجھ ملاحظہ فرمائیے

والجنان خلقتہ من قبل من ناس السموم یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جن کی خلقت انسان سے جدا ہے اور یہ کہ جن کی پیدائش انسان سے قبل ہے اور اس کا مادہ آگ سے ہے اور انسان کی پیدائش مٹی سے ہے اس سے ثابت ہوا کہ جن و انس دو الگ الگ مخلوق ہیں۔ اس کے متعلق مرزا صاحب کی تخریف یہ ہے کہ جن کو آگ سے پیدا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی طبیعت میں اشتعال و مرمہ ہے اور ”انسان کو مٹی سے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں انقیاد و اطاعت ہے، عربی کا یہ عام محاورہ ہے کہ جو شے کسی کی طبیعت میں داخل ہو اس کو خلقت سے تعبیر کیا جاتا ہے، پس جن انسان سے کوئی الگ مخلوق نہ ہوا بلکہ انسان ہی کے وہ افراد جو مرمہ و سرکش اور باغی نظام میں جن کے نام سے موسوم ہیں۔

یہ ہے ہمارے مرزا صاحب کی دماغی جدت لیکن یہ کلام الہی ہے اس میں محض دماغی جدت طرازیوں سے کام نہیں جتنا مرزا صاحب کی یہ تفسیر قرآن کریم کے سیاق و سباق کے منافی ہے قرآن مجید میں جن مقامات میں تخلیق آدم کا ذکر ہے اس سے پہلے حشر کا بھی ذکر ہے، قطعی طور پر یہ روش صاف بتاتی ہے کہ تخلیق آدم کو حشر کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے کہ بعد الموت پھر دوبارہ زندہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جب باری تعالیٰ نے پہلی مرتبہ انسان کو جو عدم محض تھا مٹی

سے پیدا کیا تو پھر دوبارہ پیدا کرنے میں کون سی دشواری ہے فلاسفہ کہ تخلیق آدم کو حشر کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے لہذا لازمی طریقہ پر یہ ان کی تخلیق جسمانی کا ذکر ہے نہ کہ ان کی حادث و قدرت کا بیان، اور مٹی ان کا مادہ جسمانی ہے اور اسی کے مقابلہ میں واللہ جان خلقہ من قبل من اللہ اس کا ہے بنا بریں متعین ہو گیا کہ یہاں جن کی آگ سے تخلیق جسدی ہی کا بیان ہے نہ کہ ان کی طبیعت و حادث کا تذکرہ

دوسرے یہ کہ مرزا صاحب کی اس تفسیر سے صاحب کلام کا مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے اور یہ توحید الکلام بالایہ متی بہ قائل ہے انہیں سے جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو وہ کہتا ہے انا خیر منہ خلقتنی من نارا و خلقتہ من طین یہاں اس نے نوعیت تخلیق کو اپنی افضلیت ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے اب اگر خلقت نارا سے مزدور سرکشی اور خلقت طین سے انقیاد و اطاعت مراد لی جائے تو پھر یہ افضلیت کی دلیل نہ ہو گی بلکہ اپنی طرف سے رذالت و حقارت کا اقرار ہو گا کیونکہ مزدور سرکشی اور باغی نظام ہونا کوئی خوبی کی بات نہیں بلکہ ناصیہ شرافت کے لئے بدنام داغ ہے اس طرح آپ کی اس خود ساختہ تفسیر سے کلام کا حقیقی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

سلسلہ تاریخ ملت

بنی عربیہ صلعم

تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں مترسطور عبد کی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت مسعود کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جدید ایجنس جس میں اخلاق مسرور کائنات کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے شہر شاہر جناب ماسٹر قادری کا سلام یہ منگوا خیر الانام بھی شامل کر دیا گیا ہے کورس میں داخل ہونے کے لئے کتاب و قیمت پر مجاہد رفیع حصص، خلافت راشدہ ہے، خلافت بنی امیہ ہے خلافت بنی عباس ہے

وزیر مامون احمد بن یوسف

(۲)

از

(ڈاکٹر خورشید احمد فاروق ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

صوفی نے لکھا ہے کہ سبھی جب سرکاری کام سے بیرون بغداد جاتا تو یوسف اس کی نیا کرتا تھا۔ سرکاری احکام نویسی و توثیق اور وزیر یا خلیفہ کی مخصوص ذمہ داری تھی وہ انجام دیتا اور دفاتر کی نگرانی اعلیٰ درجہ والوں کی ہاگ ڈو اس کے ہاتھ میں رہتی اور وہ اپنے لازمہ تارخہ اسلام میں پہلی بار ہمدی کے منیہ نے ایجاد کئے تھے انکا مقصد ہر شعبہ کی الگ الگ نگرانی تھا یہی دیون التوثیق کی طرح خلیفہ یا اس کے وزیر کے زیر نظر ہوتے تھے

صوفی نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے یوسف کی دفتری سیرت پر روشنی پڑتی ہے سبھی کے لازم جب عرضداشتوں پر سرکاری ہر لکوا کر عہداروں کے پاس لاتے تو ان سے انعام وصول کرتے تھے۔ یوسف کو اس کا علم ہوا تو اس نے سبھی سے شکایت کی۔ سبھی نے ہر کام یوسف کی نگرانی میں دے دیا، پھر کسی سے کچھ وصول نہیں کیا گیا

یوسف کی مالی حالت زیادہ اچھی نہ تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ بحیثیت سکرٹری اس کی تنخواہ اس کی ضروریات کے لئے ناکافی تھی اس کے اسباب دوسرے تھے: حکومت کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ محل و بار اودان و دوزوں سے متعلق دکنے والوں کے قبضہ میں آ جاتا تھا اور یہ لوگ بھول کھول کر داج پیش دیتے تھے، رد یہ مفت آتا اس لئے سیدردی سے خرچ بھی ہوتا چیزوں کے نرخ بڑھ گئے تھے، کنیزوں کے رکھنے کا دراج عام تھا بڑے بڑے جرم ہوتے تھے جن میں کئی کئی آزاد عورتوں کے حدود متعدد کنیزیں نفس پرستی کے لئے ہوتیں ان کی خرید و داشت بہت پر بہت خرچ آتا کہنے بڑے بڑے ہوتے تھے۔ لباس، گہرا درخشاں ٹھٹھا باٹ پر بھی

بہت زبردیا جلتا تھا اور بغیر خوش پوش خوش گھراؤ پر شکوہ بنے سرکاری ماحول میں منزلت کا حصول ممکن نہ تھا۔ پھر مدح سرائی کر کے انعام وصول کرنے والے شعراء کے طائفے چھوٹے ہوتے تھے ان کو مطمئن یا دوسرے الفاظ میں روپے سے ان کی تعریف خیمتا یا ان کی خوفناک بھوکا مزہ بند کرنا وقت کا ایک اہم اقتصادی مسئلہ تھا اس قسم کے مالی موانعوں سے صرف وہ لوگ عہدہ برآ ہوتے جن کو قرب سلطانی کی وجہ سے یا تو لگی بندگی بڑی بڑی رقمیں ملتی یا بڑی بڑی جاگیریں ملتی ہوتی تھیں۔ جیسے قائدان عباس و علی کے معزز اولاد یا شاعروں، ندیموں اور گورنروں، یا ناجائز طریقوں سے سرکاری عہدوں کے بل بوتے پر روپیہ حاصل کرتے ہوئے کو نہ تو خلیفہ سے قائدانی قربت تھی نہ خلیفہ کے ندیموں، گوہروں، شعراء وغیرہ میں شکوکہ کھوں روپے کی اس کو آمدنی ہوتی اور نہ اس قدر مافادہ اس تھا کہ ناجائز طریقے اختیار کرتا بلکہ سچی کی نگرانی میں بغداد کے دغا کر کے عمال کے لئے ایسے طریقے استعمال کرنا آسان ہی نہ تھا۔

نتیجہ یہ تھا کہ اس کی تنخواہ اس شان و شوکت اور نفیس پرستی کے معیار کے لئے کافی نہ تھی جس سے اس کا ماحول بھرا ہوا تھا مولیٰ نے کئی موقعوں کا ذکر کیا ہے جب یوسف نے اپنی فریاد سچی یا فضل کے سامنے پیش کی تھیں۔ ایک بار تو خود احمد کی شادی کا معاملہ تھا احمد کی شادی ایک شعی برکی سکرٹری (تعلق برآمدہ کے دفتر سے تھا) کی لڑکی سے ٹھہری تو اس کے بہر کی ملائی کے لیے یوسف نے سچی سے اپنی دو ماہ کی تنخواہ (واجب الاداء) کے ساتھ دواہ کی تنخواہ پیشگی طلب کی سچی نے اپنے پاس سے احمد کے بہر کی رقم ادا اسی قدر بطور عطیہ دے دی اور یوسف کو پچھلے دو ماہ کی تنخواہ اور اسی قدر عطیہ کا حکم لکھ بھیجا نیز یہ کہ پیشگی تنخواہ دینا خلاف ضابطہ ہے اس کے خط کے آخری الفاظ یہ ہیں: اور مجھے امید نہیں کہ حنفیہ سچی کا فضل سے چھوٹا لڑکا، احمد کا بار میرے ہاتھ لے اور ڈالنا گوارا کرے گا جس طرح فضل نے قاسم را احمد کا بڑا بھائی کا بار میرے ہاتھ لے اور ڈالنا گوارا نہ کیا تھا۔ غالباً خاری کے موقع پر ایک حد سے موقع پر یوسف کو زبرد کی ضرورت ہوئی تو اس نے تین خرگاہ کر فضل بن سچی کو بھیجے فضل نے تیس ہزار دینار ہم ارسال کیے۔

اور لکھا کہ تم زیادہ شعر لکھتے تو اسی حساب سے روپیہ بیچتا۔

مولیٰ نے یوسف کے چیدہ چیدہ خطوط، توثیحات اور اشعار پیش کئے ہیں اس کے ایک توفیق کا نمونہ یہ ہے: "دنیا کا ایک ظلم یہ ہے کہ وہ کسی کو بقدر حق نہیں دیتی۔ زیادہ دیتی ہے یا کم۔" اپنے لڑکے کو لکھا "اگر تمہاری سخاوت تمہارے جاننے والوں تک محدود رہی تو تمہارے گھر سے باہر نکلے گی جب رشید نے علی بن عیسیٰ بن ماہان کو خراسان کا گورنر مقرر کیا تو علی نے غالباً کئی موبوں کے الحاق کی درخواست کی رشید نے یوسف سے کہا علی کو لکھ کر خراسان کی اہمیت اور منفعت بتاؤ غالباً اس کو معلوم نہیں یوسف نے یہ الفاظ لکھے: ہم نے خراسان کا گورنر بنا کر پوری طرح تمہاری مدد کر دی ہے: خراسان جب تک تم زندہ ہو تمہاری موت کے لئے کافی ہے اپنے ایک لڑکے کو لکھا "نظر فلان کی محبت سے بچو مگر یہ وہ تمہارا قریبی رشتہ طرہ ہی کیوں نہ ہو کہ وہ تم سے بہت مختلف ہے بھی انسان کے جسم کا کوئی حصہ سڑ جاتا ہے تو اس کو کاٹنا پڑتا ہے۔ یوسف کو ایک کینز سے غیر معتدل شیفتگی ہو گئی کسی نے اس کو علامت کی تو اس نے کچھ شعر کہے جن کا ترجمہ یہ ہے اس کی صورت، دلکش باتوں اور وسیلے لگانے نے اس کو حسین بنا دیا ہے،

(۱۲) وہ رومی بادشاہ قیصر کے خاندان کی لڑکی ہے جس نے مصیبت کا مزہ نہیں چکھا اور تازہ نعمت میں پٹی بڑھی۔

(۱۳) جب سے میرے قبضہ میں آئی ہے میں اس کا غلام ہوں حالانکہ پہلے ایسا نہ تھا۔
یوسف کے کلام میں صداقت فکر اور رقت جذبات نمایاں ہے۔

یوسف جب عرض موت میں مبتلا تھا تو سخی نے اسے بلا بھیجا اس کی زبوں طبیعت دیکھ کر

۱۵۹ء مولیٰ نے یہ خبر اس کا بنایت قابل اعتماد ذی اثر فوجی انسپکٹر گورنر ہو کر اس نے خراسان کو اپنے واسطے خوب لوٹا کھسکا۔ (۱۵۹ء اخبار الفضل) نے شاید اسی توفیق کا نتیجہ تھا جو علی نے خراسان کو اپنی جگہ تصور کر لیا تھا ۱۶۲ء مولیٰ ۱۶۱ء مولیٰ۔

بیمچی نے کہا: تمہاری مالی حالت مجھے تمہارے مرض سے زیادہ سخت معلوم ہوتی ہے جب یوسف
گھوڑا تو بیماری نے چار لاکھ دیکھ بھیجے اور نقد میں لکھا کہ اس وقت میرے خزانہ میں زیادہ نہیں ہے
اس واقعہ کا رادی خود احمد ہے وہ کہتا ہے میرے والد کا انتقال ہوا تو ہم نے ان کی میراث میں
بیمچی کے اس عطیہ کے علاوہ اور روپیہ نہ پایا۔

جیسا کہ دستور تھا کہ جو لوگ دفتروں میں کلرک یا سکرٹری ہوتے تھے ان کے بڑے کے بلووم
ان کے ساتھ کلرک کی ٹرننگ حاصل کرتے تھے۔ احمد اور اس کے بھائیوں نے بھی کلرک کی
تربیت یوسف کی زیر نگرانی دفاتر میں پائی ہوگی احمد کا بڑا بھائی قاسم جو عائدہ کی شاعری کے
پے مشہور ہوا احمد کی طرح سکرٹری تھا گو اس کو اتنا عروج حاصل نہ ہوا۔ احمد کی دفتروں میں
تدریجی ترقی کے بارے میں صولی یا کسی اور نے کوئی تصریح نہیں کی جس خط میں یسینی نے یوسف
کو احمد کے ہرکارہ روپیہ اور دوسرے عالی عطیوں کی خوش خبری لکھ کر بھیجی تھی اس کے آخر میں
یہ لفظ لکھے تھے: اور مجھے امید نہیں کہ حنفی شادی کے موقع پر احمد کا بارہم پر یا مجھ پر ڈالنا گوارا
کرے جس طرح فضل (بڑا بھائی حنفی) نے قاسم (احمد کا بڑا بھائی) کی شادی کا بارہم ڈالنا گوارا
نہ کیا تھا یہ تصریح اس بات کا اشارہ ہو سکتی ہے کہ احمد حنفی کے اور قاسم فضل کے دفتروں میں
کسی ایسے سزہ عہدے پر تھے جہاں ان کا حنفی اور فضل سے براہ راست تعلق رہتا تھا یہاں
یہ کہنا مفید ہوگا کہ حنفی اور فضل دونوں کے دفتر الگ الگ تھے اور ان کو کبھی کبھی گورنر یا
فوجی انسپکشن کی حیثیت سے دور دراز مہلوں میں جانا پڑتا تھا اور ان کے ساتھ ان کے دفتر
ہونے لگے اور جب دونوں کا قیام بغداد میں ہوتا تب بھی ان کے فراتقل ایسے متنوع
ہوتے کہ پورے پورے عملے ان کے ماتحت رہتے تھے۔

احمد سے ہماری ملاقات خراسان کی راہدہانی میں فضل بن سہل دذیرامون کو
کاتب کی حیثیت سے ہوتی ہے براہ کرم جذباتی رشید کے غضب کے طوفانی جھوکے میں تباہ ہو گئے

۱۔ یقول صولی ۱۵۱ ۲۔ متوفی ۲۰۲ ۳۔ رشید نے حنفی کو جس پر وہ اور جو اس پر فدا تھا قتل کیا، یسینی اور فضل
کو قید کیا اور ان کی ساری دولت ضبط کر لی۔

ہیں اور ایسے کہ پھر کسی دبا پھر سکے، رشید کا طوس (خراسان) میں سلسلہ میں انتقال ہو جاتا ہے
 امین بعد ازاں میں ملحق ہوتا ہے۔ (۱۰۱۱ء) دھوٹا کھاتی، مرد میں دشمنوں کی سرکوبی کی ہم پر ہے۔ امین
 تاجپوشی کے بعد رنگ رلیوں میں پڑ جاتا ہے جیسا کہ تاجپوشی سے پہلے تھا اس کے مذہب اور
 انصاف من فضل بن ربیع جس کی رشتہ دوانیوں کو برائے کی تاجپوشی میں پڑا دخل تھا، اپنے مفاد کی خاطر امین
 کو اپنے بعد ماموں کی خلافت منسوخ کر کے (جیسا کہ رشید نے طے کیا تھا)، اپنے لڑکے کو ولی عہد
 بنانے کے لئے اکساتے ہیں اور وہ اس عہد نامہ کو جس پر بڑی سنگین قسمیں کھا کر اس نے دستخط
 کئے تھے اور جس کی شانِ تقدس بڑھانے کے لئے قانہ کو بی ٹانگ دیا گیا تھا توڑ دیتا ہے اور
 اپنے کس لڑکے کو ولی عہد نامہ زد کر دیتا ہے۔ امین اور ماموں میں ٹھن جاتی ہے، ماموں
 خراسان میں ہے دشمن کا ہر وقت خطرہ ہے اس کے وسائل کم ہیں امین محفوظ و مضبوط ہے
 خود ماموں کے الفاظ میں جس کا مخاطب فضل بن سہل ہے: چوٹی کے امیر امین کے ساتھ ہیں
 بیشتر افواج اس کے حکم میں ہیں حکومت کے اکثر محصولات و خزانے اس کی گرفت میں ہیں اس
 نے افادات و اکرامات سے اہل بغداد کو مسح کر لیا ہے اور لوگ روپے پیسے کے بندے ہیں
 اس کے سامنے حفظ بیعت اور پاسداری عہد کی ان کو پرواہ نہیں رہتی، بے ایمانی کے لئے
 تیار ہو جاتے ہیں ماموں ٹکڑے ہوئے ڈرتا ہے، لیکن فضل بن سہل جو ستاروں سے ماموں
 کی خلافت کی بشارت پا چکا ہے اس کو خلیفہ بنانے اور خود اس کا وزیر بننے کا غم کر لیتا ہے
 اور اس کے دل سے خوف و ہراس نکال کر عسکری اور انتظامی امور کی ذمہ داری ساری اپنے
 ہاتھ میں لے لیتا ہے پہلے تو خراسان میں امین کی دونوں کو جن میں سے پہلی کے بارے میں بغداد
 کے ہم عصر مصنفوں کی رائے ہے کہ "کثرت افواج، ظاہری شان و شوکت، تیز کام گھوڑوں اور
 ساز و سامان کے اعتبار سے بے مثال تھی شکست ہونی ہے کام و دہان اور شہوت کے حد
 سے بڑھے ہوئے تقاضے بہت بلدان پر مشکوہ فوجوں کے جوصلے سب سے بڑے کے فراہم پر مجبور کرنے
 میں اور جب شکست کی خبر آتی ہے تو امین اپنے محبوب خصی غلام کو فر کے ساتھ پہلی کے

نہ طبری (۱۰/۱۲۸)

شکار میں ہوتا ہے اور خبر رساں سے کہتا ہے: اے چل بہت، مجھے اب تک ایک پہل نہیں ملی اور کوڑو مار چکا ہے اور جب ایک خیر اندیش اس کو عہد شکنی اور قسم توڑنے سے روکنا ہے تو وہ قرآن و حدیث سے نظر بچا کر عبد الملک کی سنت میں پناہ لیتا ہے اور کہتا ہے: عبد الملک تجھے دیکھ سمجھ لے اور معاملہ فہم تھا جب اس نے کہا کہ دو سائڈ ایک گلی میں نہیں رہ سکتے دوسرے سائڈ کا اشارہ عبد الملک کے حریف عمرو بن سعید بن الاشج کی طرف ہے۔ پھر مامون کا جہیز طبرستان پر چڑھائی کرتا ہے اور بارہ ماہ تک بغداد کے بیرونی حصوں میں غارتگری ہوتی ہے اور بغداد کے بہت سے محل، نہریں اور باغات جہاں ہواد ہوس کے دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی برباد ہوتے ہیں جب امین کے سارے وسائل ختم ہو جاتے ہیں اور گرتے ہوئے اقبال کو دیکھ کر فوجیں وفادے جاتی اور وفاداریاں متزلزل ہونے لگتی ہیں اور خزانے خالی ہو جاتے ہیں تو وہ بچ کر بھاگتا ہے اور اس کا سر کاٹ کر مامون کو جو مرو میں ہے بھیج دیا جاتا ہے۔

یہ واقعہ ۱۹۸ھ کا ہے احمد سے ہماری ملاقات مرو میں ہوتی ہے گمان غالب ہے کہ جعفر اور فضل کی تباہی کے بعد اس کا تعلق مامون کے دفتر سے ہو گیا ہو گا مامون امین کی طرح ولی عہد تھا اور خراسان کے علاقے رشید کی طرف سے اس کے زیر نگین تھے۔

جب فضل بن سہل نے امین کا سر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ہوا و طاہر نے لوگوں کی تنواریں اور زبائیں ہم پر کھلوا دیں ہم نے امین کو قید کر کے بیچنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے قتل کر کے بیچا ہے۔ اس پر مامون نے کہا جو ہونا تھا ہو گیا اب طاہر کے اس فعل کی عذرا ہی کرنے کی تدبیر کرو۔ فضل نے شعبہ خط و کتابت کے ماہروں کو ایک ایسا خط طاہر کی طرف سے لکھنے کا حکم دیا جو امین کے استحقاقِ موت اور طاہر کے حق بجانب ہونے کی تصریح پر مشتمل ہو، بہت سے

نہ دھیری ۱۴۵/۱۲ دھیری۔ ۱۶۰، نہ دھیرل مصنف اخبار الطوال ۳۸۹، اس کا پرا تو بیٹے سکریری اسامیل بن ضیع تھا، نہ دھیری ۱۴۵/۱۰ نہ دھیر اخبار الطوال ۳۸۹، نہ دھیر اخبار الطوال ۱۲۲ اس کی روایت ہے کہ اس نے جہیز طاہر کے ساتھ بغداد کے محاذ پر تھا اور امین کی شکست اور قتل کا خط دیکھ کر قریب قریب قتل ہو گیا، اس نے لکھا تھا یہ دیکھ کر قریب قریب قتل ہو گیا اور خزانہ خالی ہو گیا۔

لیجے بے خط کھس گئے جو فضل اور مامون کو پسند نہ آئے ضرورت عوام کو مطمئن کرنے کی تھی چنانچہ انھوں
 سے ان کے زود اشتعال جذبات کا وہاں مقصود تھا اس ضرورت کے لئے چند پرائیڈ اور جامع
 کئے جن سے امین کا جرم ناقابل معافی ثابت ہوتا اور کارہائے اس وقت احمد بن یوسف نے محفوظ
 کلمہ کیا اس میں شک نہیں کہ مخلوع (یعنی امین) جو گرفتار ہونے سے کچھ دن پہلے اپنی مایوس کن
 حالت کے پیش نظر خلافت سے بھائی کے حق میں دست بردار ہو گیا تھا، نسب اور گوشت
 پوست میں امیر المومنین (مامون) کا شریک تھا لیکن چونکہ وہ دین کی مقدس گرفتار تھا اور جامع
 مسلمین سے باہر نکل گیا تھا اس نے خلافت و پاس عہد کے بارے میں خدا کا وہ فیصلہ توڑ دیا
 جو اس کے اور امیر المومنین کے درمیان ہوا تھا امین اور مامون نے رشید کی زیر نگرانی اور خلافت
 کے تقاضا وغیرہ کی شہادت سے پہلے امین اور پھر مامون کے خلافت کا جو عہد کیا تھا اس کی طرف
 اشارہ ہے، اللہ نے نوح سے ان کے رٹ کے بارے میں کہا تھا: "اے نوح یہ تمہارا عزیز نہیں
 ہو سکتا یہ تو نابکار آدمی ہے" اس سے ظاہر ہے کہ اللہ کی معصیت میں کوئی رشد یا قربت و دفعہ
 اعتنا نہیں ہو سکتی اور نہ کسی رشتہ کا خدا کے حکم کے خلاف توڑنا جائز ہے میں امیر المومنین کو مطلع
 کرتا ہوں کہ خدا نے مخلوع کو ٹھکانے لگا دیا اور ان کے لئے حکومت استوار کر دی اور اپنا
 وعدہ ان کے حق میں پورا کر دکھایا اب زمین اپنے دور دراز کے سارے علاقوں سمیت امیر المومنین
 کے قدموں کے نیچے سر جھکائے کھڑی ہے میں امیر المومنین کا خدمت میں مخلوع کا سر یعنی دنیا اور
 پاد و جھڑی یعنی آخرت بیچ رہا ہوں شکر اس خدا کا جس نے امیر المومنین کا حق ان کو دے دیا
 اور بد عہدی و بے وفائی کے مرتکب کو ذلیل کر کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو پھر جمع کر دیا اور
 ان کے ہاتھوں شریعت کی گرتی ہوئی عمارت کو اٹھالیا، خط و یکو کر فضل بھرک گیا اور احمد
 سے بولا: ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا" پھر اس نے اپنے منتظم دقہرمان کو بلایا
 ۱۰ عربی اور یاقوت کے الفاظ میں کچھ فرق ہے، میں نے یاقوت کی روایت کا اتباع کیا ہے ۱۱ چاند چھڑی
 اور چھڑی کی رسمی علامتیں تھیں، اہل الذکر دونوں آنحضرت سے دست بدست منتقل ہوئی تھیں، چاند
 مانیہ تھی جو آنحضرت نے شاعر کعب کو انعام میں دی تھی، بیچ ۱۲/۴۴، ۱۳/۴۴ اور شاعر الہرب ۱۴/۴۴

اور دواتِ قلم لے کر ایک رقعہ میں احمد کے لئے متعدد مکانات، فرشِ فردش، فرنیچر، سامانِ پوشش اور بار برداری کے جانور وغیرہ کا حکم لکھ کر رقعہ احمد کے سامنے ڈال دیا اور کہا: ”کل سے ہم دیوان (یعنی دیوانِ الرسائل) میں بیٹھا اور باقی کاتب تمہارے سامنے رجسٹریٹ ماسخت بیٹھیں گے۔“

مامون خلیفہ ہو گیا خراسان اور دوسرے صوبوں میں اس کی بیعت لے لی گئی اور وہ دارالسلطنت بغداد لوٹ آیا۔ احمد حکومت کا سربراہ بن کر پہلی بار اس کا باپ پوسخت بھیجی کا نائب تھا وہ فضل کا نائب ہو گیا۔

اس کے بعد احمد سے ہماری ملاقات ۴۰۵ میں ہوئی ہے اس سال مامون نے جنرل طاہر کو خراسان اور مشرقی صوبوں کا گورنر مقرر کیا۔ جس وقت طاہر بغداد سے جہانگیر گھاٹوں میں اپنے لڑکے محمد کو نصیحت کرتے ہوئے کہا، اگر بغداد میں انہم کسی کے ساتھ رہنا ضبط رکھو تو احمد بن یوسف کے ساتھ کھانا کیونکہ وہ بامروت آدمی ہے تمہارے دل کو یہ نصیحت ایسی لگی کہ باپ کو رخصت کر کے جب لوٹا تو سیدھا احمد کے گھر گیا اور بہت دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا احمد اس کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے لونڈی کو بلا کر کھانا لانے کا حکم دیا وہ ایک بڑے ٹرے میں عمدہ روٹی آدھ کٹی رنگ کے سالن اور شیرینی لے کر آئی اور اس کے بعد کئی قسم کی پینے کی چیزیں ریشہ کے عمدہ جگوں میں خوبصورت گلاسوں کے ساتھ اس کے سامنے رکھی گئیں۔ احمد نے کہا: سرورِ صاحبِ دامیر، جو چیز آپ پسند کریں شوق فرمائیں اور اگر کل میرے ساتھ کھانا تناول فرمائیں تو بہت ممنون ہوں گا محمد جب احمد کے پاس سے اٹھا تو وہ اس کی روکھی سوکھی تواضع سے کبیدہ خاطر تھا اور اس کو اپنے باپ کی نصیحت پر تعجب ہو رہا تھا اس نے ٹھان لی کہ احمد کو سوا کر کے رہے گا، چنانچہ اس نے اپنے سارے دوستوں اور شناسائی فوجی انسروں کو احمد کی دعوت میں مدعو کر دیا وہ سب دن صبح کو سب مل کر احمد کی کوٹھی پہنچے احمد نے بڑے شاندار پیمانہ پر انعامات کئے تھے

اور دل کھول کر اپنی فیاضی و دردت کا مظاہرہ کیا تھا۔ بکریوں، قالینوں، پردوں، لوٹوں اور لوٹوں کی ایسی کثرت اور آن بان اس نے دیکھی کہ سناٹے میں آگیا۔ احمد نے تین سو دسترخوان بچوائے تھے جن کے ارد گرد خدمت کے لئے تین سو لونڈیاں جمع تھیں اور ہر دسترخوان پر تین سو قسم کے کھانے سونے چاندی اور چینی کے برتنوں میں چنے گنے تھے جب کھانا ختم ہوا تو محمد نے دریافت کیا: ”کیا باہر کے لوگوں نے کھانا کھا لیا؟“ معلوم کیا گیا تو کوٹھی کے باہر جتنے لوگ تھے (محمد کے طفیلیوں میں) سب معروف طعام تھے۔ تب محمد نے حیران ہو کر کہا: ابو جعفر (احمد کی کنیت) خطاب احترام، تمہارے کل اور آج میں بڑا فرق ہے: احمد نے جواب دیا: وہ میری لڑکی تھی یہ میری فیاضی ہے۔“

فضل بن سہل مامون کی تحریک پر خلافت بنو عباس سے بنو علی کی طرف منتقل کرنے کے جرم میں ۲۰۲ میں قتل ہوا۔ اس کی موت کے بعد وزارت اس کے بھائی حسن کے سپرد ہوئی حسن کی طبیعت پر بھائی کے قتل کا بڑا اثر تھا، اس کو ہر وقت غم رہتا کہیں بھائی کی طرح کوئی اس کا خاتمہ بھی نہ کرے اس لئے وہ وزارت سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتا تھا اس کے بر خلاف مامون اس کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا اس کو عافیت و فرصت بہت کم ملتی تھی اس کا دل درباری خدمت سے اکتا گیا کچھ عرصہ بعد وہ ایک بیماری میں مبتلا ہوا اور دوبارہ دفتر آنے سے معذور ہو گیا اس کی حیثیت بس مشیر کی سی رہ گئی احمد بن ابی خالد جو سہل بھائیوں کی طرح عسکری تدبیر کی قابلیت میں پکتا تھا اس کا جانشین ہوا اور اکثر فوجی مہموں پر جایا کرتا تھا۔ یہ تصریح فخری ۹۱۰ء میں اس کا انتقال ہوا مامون نے حسن بن سہل سے اس کے جانشین کے تقرر کے بارے میں مشورہ کیا۔ حسن نے احمد ایک دوسرے سکریٹری ابو عبیدہ ثابت الرازی (رحمہ اللہ) کی سفارش کرتے ہوئے کہا ان سے زیادہ اہل المؤمنین کے مزاج، طبیعت اور خدمت سے کوئی دوسرا شخص واقف نہیں ہے مامون نے کہا ان دونوں میں سے ایک کا انتخاب کر دیا جائے حسن کا رجحان احمد کی طرف تھا اس نے

لے ارشاد لاریب ۱۹۳/۱

کہا: اگر احمد خدمت کی پابندی کے لئے تیار ہو جائے اور لذت کی کچھ قربانی گوارا کرے تو ثابت کے
 مقابلے میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ مضمون نویسی میں اس کی بنیادیں بہت گہری ہیں وہ غلطی
 کا تپ ہے۔ بلاغت تحریر اور علمیت میں وہ ثابت سے زیادہ ہے: مامون نے اس کو اپنا سرکاری
 بنالیا۔ سرکاری مراسلت اس کی نگرانی میں تھی اور سرکاری کاغذات پر احکامات اس کے قلم سے صادر
 ہوتے تھے جب وہ دارالانشاء دسکرٹریسیٹ سے کسی سرکاری کام سے غیر حاضر ہوتا تو ثابت اس
 کی نیابت کرتا جیسا کہ احمد ابن ابی خالد اپنے پیش رو کی غیر حاضری میں کیا کرتا تھا
 قزوی نے لکھا ہے کہ ابن ابی خالد کی وفات ۲۱۰ میں ہوئی اس کے بعد احمد اس کا جانشین ہوا
 احمد کی وفات صولی نے ۲۱۳ میں بتائی ہے اور یاقوت نے ارشاد دلا ربیب میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں
 کی رائے میں اس کا انتقال ۲۱۴ میں ہوا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احمد قین یا چار سال مامون کا وزیر بنا
 احمد کی موت کا واقعہ عجیب ہے، اس سے احمد اور مامون دونوں کی سیرت پر مدد شنی پتی
 ہے ایک روز احمد مامون سے ملنے آیا تو حسب معمول مامون انگلیشی کے سامنے بیٹھا ہوا عود وغیرہ کے
 دھوئیں کی دھوئی لے رہا تھا اس زمانہ میں عود وغیرہ بڑے لوگوں میں خوب استعمال ہوتا تھا اور شاید
 اس کا سب سے زیادہ مسرفانہ استعمال اس موقع پر ہوا جب مامون حسن بن سہل کی لڑکی بوران کو
 بیاہنے اس کی جاگیر گیا تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ حسن نے قریب ایک من رہند ستانی، عنبر کی پچ
 شمعیں اس کمرہ میں جلانی تھیں جس میں مامون ٹھہرا تھا اور بارات کے کھلنے پر ۲ کدو دیغیج کھانا
 اس نے انگلیشی اپنے سامنے سے ہٹوا کر جہاں نوازی اور تعظیم کے جذبہ سے احمد کے سامنے رکھوا دیا
 احمد دھوئی لینے لگا جب وہ چلا گیا تو ملازمین نے مامون سے بطور شکایت کہا کہ جب احمد کے پاس
 انگلیشی لائی گئی تو اس نے کہا: لا قاس مردود کو (یعنی ٹوٹا ہوا جوتی کو) ترے کہ اس نے لوٹنے وقت
 غلام سے کہا تھا کہ خوشبو کا ایسا بخل بھی کس کام کا میرے واسطے دوسری انگلیشی منگوا دی جاتی تو کیا
 ۱۰ احمد کے بارے میں قزوی اور صولی کے علاوہ اور کچھ مستند مورخ نے تذکرہ کیا ہے نہیں لکھا، یاقوت، طبری وغیرہ اس
 کو ہر حکم سرکاری کے خلاف سے یاد کرتے ہیں ارشاد دلا ربیب ۱۱۱/۱۲۲ خطیب ۴۲/۴

تھا اس شکایت کا محرک اعلیٰ مامون کا بھائی اور جانشین معتمد تھا۔ ۱۲۲۷ء، اس کو احمد سے
 کہتی ماورامامون کو اس کے خلاف بغاوت کا تار تہا تھا، مامون کو بہت غصہ آیا (حالانکہ مامون بنو عباس
 میں شاید سب سے زیادہ بردبار اور روشن دماغ خلیفہ تھا) اور احمد کی طرف سے اس کے دل
 میں غبار مٹ گیا۔ شکایت سن کر اس نے اس طرح غصہ اور جلال کا اظہار کیا: میرے بارے میں
 یہ الفاظ! میں ایک دن میں ایک شخص کو ساٹھ لاکھ دینار انعام دیتا ہوں (حالانکہ میرا پوہ یہ خرچ چھ
 لاکھ دینار ہے۔ ۳۰ لاکھ روپے) میں نے تو اس کی تعظیم کرنا چاہی تھی۔ پھر کسی دن احمد طے آیا تو
 مامون پہلے کی طرح دھوئی لے رہا تھا۔ جسم اور کپڑوں کو سبائے کے لئے، اس نے عنبر کے
 حکم دیا بہترین قسم کے تین تین مثقال کے تین ٹکڑے لگے اور دوسری انگلی میں ایک ایک ٹکڑا کر احمد کے
 سامنے رکھا گیا مامون نے حکم دیا کہ جب تک منبر کے ٹکڑے چلیں احمد کا منہ اس کے گریبان میں بند کر دیا جائے (دھواں
 احمد کی ناک کے علاوہ اور کسی طرف نہ جانے دیا جائے) چنانچہ ایسا کیا گیا تھوڑی دیر تک اس نے ضبط کیا، پھر اس کی
 سانس گھٹنے لگی، وہ چنچنے لگا، میں مرا میں ملو تب گریبان کھولا گیا۔ وہ بیہوش ہو گیا اس کا دماغ جل گیا تھا، سانس
 احمد کی سیرت کے بارے میں صوفی یا کسی دوسرے مورخ نے کوئی خاص تصریح نہیں
 کی اور ایسی تصریحات نہیں ملتی ہیں بہت کم ہیں۔ اس کی مروت کا نمونہ ہم اوپر دیکھتے ہیں مروت
 ایک جامع لفظ تھا، اسلام سے پہلے اس کا تصور کافی وسیع تھا، فیاضی بلکہ پراسرار فیاضی،
 شراب نوشی، ماوراس کی ترنگ میں نتائج سے بے پرواہ داد و دہش، مصائب کا خندہ پیشانی
 سے مقابلہ، مصیبت زدہ لوگوں کی دست گیری اس تصور کے نمایاں قد و خال تھے یہ تصور اور
 بہت سے عری تصورات کی طرح بذریعہ خون اسلام میں منتقل ہو گیا اس میں دوسرے جاہلی تصورات
 نے جیسا کہ صوفی نے اشارہ کیا ہے، تہ فوری مشابہت بعض لوگ کہتے ہیں تبصریح فوری، اگر کسی لغزش پر مامون ہاں
 ہے تاہم جو گیا تھا اس تم سے اس کا اصل ٹوٹ گیا اور قبل از وقت مر گیا۔ اس کی صورت و اخلاق کے متعلق
 خلیفہ ۱۸۷۰ء نے ایک نامعلوم شخص کا یہ قول جس کا طالب احمد ہے نقل کیا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا
 جسم میں کونسا شے بنا ہے زیادہ حسین ہے یا تمہارا اخلاق میں تمہارے اپنی کوشش سے چار چاند لگا دئے ہیں

کی طرح جو غیر آبادہ کمی زیادہ تھا کہنی کم یعنی اقتصادی و اخلاقی حالات کی موافقت سے یا تو امتداد
 نکھر جاتا یا معضول ہو جاتا اسلام کے بعد امتوں اور عباسیوں کے دور میں چونکہ مروت کے اس
 تصور کا پورا پورا حق ادا کرنے کے لئے ماحول سازگار تھا اس لئے یہ پوری آن بان کے ساتھ رونما
 ہوا احمد غالباً شعری تھا اس کی ایک شادی جس کا سولی نے ذکر کیا ہے برکی دفتر کے ایک شعری سہیل
 کی لڑکی سے ہوئی تھی اس کے بھائی قاسم نے اپنی شاعری میں اہل بیت کی بہت مدح سرائی کی
 تھی حقیقت یہ ہے کہ اکثر غیر عرب لوگوں کا رجحان اہل بیت کی طرف تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ
 بالعموم حکومت کے میراث ہونے کے قائل تھے جیسا کہ ایرانی بادشاہت میں قاعدہ تھا کہ باپ
 کا مورث لڑکا ہوتا تھا اور اس تصور کے زیر اثر رسول اللہ کے خاندان سے زیادہ ان کی نظر میں
 خلافت و اقتدار کا کوئی دوسرا مستحق نہ تھا احمد کی سلیک زندگی کی بدعنوانیوں کی کوئی شکایت ہم
 تک نہیں پہنچی پاس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اس کی سلیک زندگی کے اندرونی پردوں تک ہم نہیں
 پہنچے دوسری بات یہ ہے کہ رشید اور مامون کے عہد میں گو کہ سیاسی نقطہ اور خونی زبیاں خوب
 ہوئیں بغداد کے مرکزی و فائز نظم و ضابطے کے دائرہ سے باہر نہیں نکلے۔ سلیک زندگی کی بدعنوانی
 سے میری مراد خاص طور پر مالی بدعنوانیاں ہیں یعنی ذاتی مفادات کے لئے حکومت اور اقتدار کا
 استعمال جیسا کہ ہولناک شکل میں کچھ دن بعد رونما ہوا البتہ اس کی ایسی بدعنوانیاں ہیں جلی میں جن
 میں حسن ظاہری سے متاثر ہو کر احمد نے بعض کاتب لڑکوں کو تر قیاں عطا کیں اور بڑے بڑے
 عطیے دے جیسا کہ ہم عنقریب دیکھیں گے۔ یہ احمد کی کوئی انفرادی خصوصیت نہ تھی، یہ ماحول کا
 نتیجہ تھا اس ماحول میں حسن نسوانی و نیم نسوانی (خصی لڑکے)، وقت کے سب سے زیادہ طاوی
 اور شدید ترین جذباتی محرکات میں سے تھے عورتیں اور مرد سامان تجارت تھیں اور یہ تجارت
 خوب فروغ پر تھی دنیا کے اکثر ممالک اور آب و ہوا کی لڑکیاں بغداد، کوفہ، بصرہ، اور دوسرے
 بڑے بازاروں میں آداب معاشرت اور موسیقی کے ذریعہ سے آراستہ کر کے بھیجی جاتی تھیں اور
 صین لڑکوں کو خصی کر کے جو ہر مردانیت سے ان کو زبردستی محروم کر کے کچھ عیسائی تنوع کے لئے

کچھ خط و نظر کے لئے، کچھ زینت خانہ کے لئے، کچھ حسن نسوانی کو ان کی رجولیت کے خطرہ سے بچانے کے لئے کچھ شان و شوکت کے مظاہرے کے لئے رکھا جاتا تھا اس سامان تجارت کو خریدنے اور برتنے کے لئے دولت کی افراط تھی، ایک مہولی سا شاعر ایک خوش گلو گویا ہر ٹہے آدمی سے دس پانچ ہزار روپے آسانی اپنی تعریف کی قیمت یا اپنی آواز کے صلہ کے طور وصول کرتا اور خلفاء و وزراء اور بڑے عہدہ داروں یا ان کے عزیز و اقارب سے جو گھر بیٹھے محض خونی تعلق کی بناء پر لاکھوں روپے ماہوار پاتے ایک اچھے شاعر اور شائستہ گوئیے کا لاکھ دو لاکھ وصول کر لیا بڑی بات نہ تھا۔ ہادی دس لاکھ سالانہ کی دنیا میں تو اس درجہ تھی کہ ابراہیم موصلی کے چند طریقہ اشعار سن کر اس کو اپنے وکیل کے ساتھ بیت المال میں بھجوا دیا تھا کہ جو اور جس قدر چاہے لے لے اور جب ابراہیم نے ایک لاکھ دس سو روپے کی تعمیلیاں پسند کیں تو وکیل نے ۳۰ لاکھ بطور رشوت لے کر ۷۰ لاکھ ابراہیم کو لے جانے دئے۔ اس سے ملتی جلتی مثالیں جن میں سبک مالیات کو بے دریغ ہوا دہوس امانیت اور ناموری کی خاطر لٹایا جاتا تھا تاریخ و ادب میں کثرت ہیں اس غیر متوازن مالدار کی اور حسن کے بے قید تمتع کا نفسیات پر اتنا گہرا اور ہمہ گیر اثر تھا کہ اس سے دینی و اخلاقی اقدار کا پروان چڑھنا تو درکنار محض نظر رہنا بھی مشکل تھا خاص طور پر جبکہ خدا رسول صحابہ اور خاندانی عمائد کی طرف سے فرض کو مبارح اور مبارح کو فرض بنانے کی ایک پوری شہرت چل اور تادیبات کی تار و پود نفس پرستی کے روح سے وجود میں آچکی ہو اس شہرت کے پیچھے خدا ترسی اور پرہیزگاری کے بجائے نفس پرستی کے جذبے تھے۔

۱۶۲۴ء خطیب ۱۶۲۶ء طبری ۱۶۲۶ء

(باقی آئندہ)

دارالعلوم دیوبند کی

تعلیمی خصوصیات

از

(جناب سید محبوب صاحب رضوی کٹیدہ گر کتب خانہ دارالعلوم دیوبند)

تعلیم جس قدر سادہ اور مختصر سالفظ ہے اتنا ہی اہم اور روح کی گہرائی تک کو متاثر کرنے والا ہے، تعلیم محض نقوش، حروف، خطوط، آواز، بولیوں اور چھوٹی بڑی کتابوں کا نام نہیں ہے بلکہ ایک ایسی ذہنی و دماغی اور علمی تربیت کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان کی فطری قوت و صلاحیت کو ابھار کر سنوارنا اور منظم کرنا ہے اور انسانی جذبات و حسیات کو ایک عمدہ اور اعلیٰ نصب العین کے تحت لا کر مہذب اور شائستہ بنانا ہے۔ تاکہ نوع انسانی کے لئے مفید اثرات و نتائج برآوردئے کار لائے جاسکیں انسان کو اس کی اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال سکھانا بہت دشوار ہے، اور جس قدر دشوار ہے اسی قدر ضروری بھی ہے، بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ اگر تعلیم صرف نہ جانی ہوئی چیزوں کی واقفیت تک محدود ہو تو کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن اگر اسے عمل کا پابند بنادیا جائے تو پھر اس کی دشواریاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں، ہر خرد علم کی قدر دنیا کی ہر قوم کرتی ہے، لیکن علم کی نسبت مسلمانوں کا جو نظریہ ہے وہ دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، غیر مسلم علم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے دنیا میں قوت و عظمت و ستی و برتری حاصل کریں لیکن مسلمانوں کے نزدیک حصول علم ایک فرض ہے جس کو پورا کر کے مسلمان علاوہ دنیوی مفاد کے اخروی نجات بھی حاصل کرتا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ یعنی ہر مسلمان مرد و عورت پر علم

حاصل کرنا فرض ہے، یہ فرضیت عمل ہی کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے اور ہر شخص پر بعد
مزدیت واجب ہے،

ہر ترقی کرنے والی قوم کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اس کی ترقی کا راز اس قوم کے
عوام کے تعلیم یافتہ ہونے میں مضمر ہوتا ہے، اور یہ اس وقت تک آسان نہیں جب تک تعلیم
کا مفت انتظام نہ ہو صد ہا برس کے تجربہ کے بعد بیسویں صدی کے بڑے بڑے ماہرین تعلیم
بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عوام کی تعلیم مفت ہونی چاہئے اور جب تک یہ طریقہ اختیار نہ کیا
جائے گا تعلیم کا عام ہونا مشکل ہے!

مطلق تعلیم نظام لیکن ہمارے قدیم تعلیمی نظام میں ہمیشہ سے اسی اصول پر عمل درآمد ہا ہے، چنانچہ
ان مدارس میں تعلیم کا بیج اختیار کیا گیا تھا اس میں تعلیمی مصارف کو طلباء کے بجائے درس گاہوں
کے ذمہ رکھا گیا ہے اس تعلیمی نظام میں تعلیم پر کوئی فیس ماند نہ تھی اور نہ صرف یہ بلکہ طلباء کے
لئے زیر درس اور معلومات عامہ کے لئے کتابوں کا انتظام بھی مفت ہوتا تھا، پھر نہ صرف یہ کہ تعلیم
مفت تھی اور قیام گاہ دہر ڈنگ ہاؤس، کاکوئی گراہ نہیں لیا جاتا تھا بلکہ نادار اور غریب طلباء کو
درس گاہوں کی جانب سے کھانا کپڑا اور دوسری ضروریات کے لئے نقد وظائف بھی دئے جاتے تھے
اس کے علاوہ مدارس عربیہ میں حصول علم پر کبھی کوئی ایسی پابندی بھی ماند نہیں کی گئی
جس کے ذریعہ قوم کے کچھ افراد پر تعلیم و تعلم کے دروازے بند کر دئے گئے ہوں، بلکہ ان میں
ہر وہ شخص جس کو الکتاب علم کا کچھ بھی ذوق ہوتا بغیر کسی رکاوٹ کے علم حاصل کر سکتا تھا، عمر
اور پیشہ کی قید سے ہمارے مدارس ہمیشہ آزاد رہے ہیں اور ان میں رنگ و نسل، امیر و غریب
اور آزاد و غلام کے مابین کوئی امتیازی فرق روا نہیں رہا ہے، اس بنا پر ہر شخص کے لئے خواہ
وہ کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کتنا ہی کم مقدور کیوں نہ ہو ملا تکلف اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل
کرنے کی راہیں ہمیشہ کھلی رہی ہیں، مسلمانوں کی علمی تاریخ میں بے شمار ایسے علماء و فضلاء ہیں گے
جو باقی طور پر مختلف ادنیٰ و اعلیٰ پیشوں سے تعلق رکھتے تھے۔

ادنی پیشوں سے تعلیم کی پابندی اٹھانا یورپ نے در حقیقت مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے، اور جس چیز کا سہرا یورپ کے سر باندھا جا رہا ہے اگر مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مدارس عربیہ ہی کا پرتو ہے البتہ عمر کی قید اٹھا دینے کا فلسفہ ابھی دنیا کو ان مدارس سے سیکھنا باقی ہے، اور گو ”تعلیم بالغان“ کی شکل میں اس کی داغ بیل پڑ چکی ہے تاہم حصولِ سند میں ابھی تک اس پر پابندی موجود ہے، بائیں بہار وہ زمانہ نیاؤں اور نئی معلومات ہوتا جبکہ دنیا کی یونیورسٹیوں سے یہ لعنت بھی اٹھا دی جائے گی،

دارالعلوم کی تعلیم | ہمارے قدیم نظامِ تعلیم کی یہی روایات دارالعلوم کا طرہ امتیاز ہیں، یہاں بھی طلباء سے تعلیمی فیس نہیں لی جاتی، مستطیع اور ضرورت مند طلباء کو دارالعلوم کی جانب سے کھانا کپڑا اور نقد وظائف دئے جاتے ہیں، کتابیں اور قیام کے لئے ہلکے ہر مستطیع اور غیر مستطیع طالب علم کے لئے مفت ہسٹا کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دارالعلوم کی تعلیم صرف دو تہائی کے ساتھ مخصوص نہیں رہی ہے بلکہ غریب سے غریب شخص بھی اس کے فدیہ سے اپنے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر سکتا ہے اس کا فیض عام اور بقدر استعداد تام ہے۔

غربی آزادی | دارالعلوم ہی ہندوستان میں وہ سب سے پہلی درس گاہ ہے جس نے ”آزاد طریقِ تعلیم“ کو پیش کیا، اور سیاسی غلامی کی فضا میں ملت کی ذہنی آزادی کو برقرار رکھنے کی جدوجہد کی، اگرچہ یہ کام بہت مشکل تھا مگر دارالعلوم نے بوجہ تعالیٰ اس پر عمل کر کے اس مشکل کو آسان بنا دیا، دارالعلوم کی یہ وہ خصوصیت ہے جو بہت کم درس گاہوں میں پائی جاتی ہے، دارالعلوم نے برطانوی حکومت کی پیش کش کے باوجود کبھی اس کی امداد قبول نہیں کی اس لئے وہ بہت سی ایسی پابندیوں سے آزاد رہا ہے جو سرکاری ”زیر امداد“ کے ساتھ ساتھ آئی لازمی ہیں بعض لوگوں کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ جب حکومت دارالعلوم کو گرانقدر مالی امداد دینے پر آمادہ تھی تو اس کو قبول امداد میں احتراز و انکار مناسب نہ تھا، قوم خواہ کتنی ہی فیاضی دکھائے مگر پھر بھی وہ حکومت کی پیش قرار امداد (گرانٹ) کا مقابلہ نہیں کر سکتی، ان لوگوں کی نظر

فالتبا اس امر پر نہیں گئی کہ مدارس عربیہ کو حکومت کے اثر سے اس لئے آزاد رکھنا ضروری ہے کہ حکومت خواہ مسلمانوں ہی کی کیوں نہ ہو جب تک وہ خالص اسلامی طرز کی حکومت نہ ہو اس کی سیاست بے لگ اور بے غل و غش نہیں ہو سکتی، اور مدارس عربیہ کے لئے ایسی تعلیم کار ہے جو ہر قسم کے غیر اسلامی اثر اور خارجی عمل و غل سے بالکل آزاد ہو،

آج ہماری قومی بد قسمتی سے تعلیم کا مقصد یہ ہو کر رہ گیا ہے کہ اُس کے فدیہ سے کوئی اچھی اور پر منفعت ملازمت حاصل کر کے معقول روزی کمائی جائے، گویا تعلیم کا مفہوم ہی سرے سے بدل ڈالا گیا ہے، اور ”علم ہائے علم“ کے بجائے اب صرف حصولِ معاش کے دو سرے بہت سے مذاہن کی طرح یہ بھی ایک ذریعہ بن کر رہ گیا ہے مگر بحمد اللہ دارالعلوم کے طلباء کے سامنے حصولِ علم کا یہ مقصد کبھی نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ جس شخص کے سامنے یہ مقصد نہ ہوگا وہ یونیورسٹی کے بجائے دارالعلوم کا رخ ہی کیوں کرے گا، جس کی سند کی قیمت حکومت کی نظر میں کھوٹے سکے سے زائد نہیں ہے ایک مرتبہ صوبہ متحدہ کے گورنر سر جیمز سٹین نے جب کہ وہ دارالعلوم کے معائنہ کی غرض سے یہاں آئے تھے دیوبند سے دور دراز کے ایک طالب علم سے سوال کیا تھا

”اتنی دور سے تمہارے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟“

طالب علم نے بے ساختہ جواب دیا کہ

”میں یہاں اس لئے پڑھنے آیا ہوں تاکہ واپس جا کر اپنے وطن کے لوگوں کی دینی خدمت انجام دے سکوں!“

دارالعلوم کے تعاریفِ تعلیم سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ”السنۃ مشرقیہ“ کے سرکاری امتحانات ”مولوی فاضل“ وغیرہ کے معیار سے کہیں زیادہ بلند پایہ ہے، اس لئے اگر دارالعلوم چاہتا تو حکومت سے بآسانی اپنی سند کو مولوی فاضل کے مساوی تسلیم کرا سکتا تھا مگر اس نے اپنی سند کو سرکاری محکموں کی ملازمت کے لئے ”پرولنہ راہداری“ بنانے کے بجائے اس امر کو زیادہ مناسب سمجھا کہ وہ طلباء میں ایسی علمی قابلیت و نصیبت پیدا کر دے

کہ لوگ اس کے طالب علم اور اس کی سند کو دیکھتے ہی یہ باور کر لیں کہ یہ کوئی کام کی چیز ہے اور یہ شخص دین کے جس کام کو اپنے ذمہ لے گا اس کو قابلیت اور خوش اسلوبی سے انجام دے سکے گا،

کتابدار نظام تعلیم مدارس عربیہ اور بالخصوص دارالعلوم کے نظام تعلیم میں ایک خصوصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے یونیورسٹی نظام میں یا بھی تک اس کی افادیت پر توجہ نہیں کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ جماعت دار نظام تعلیم جو عام طور پر علمی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے اس کے بجائے دارالعلوم میں ”کتابدار نظام تعلیم“ اختیار کیا گیا ہے، یعنی ہمارے مدارس میں ”جماعت بندی“ و کلاس سسٹم نہیں ہے بلکہ طلباء کو تعلیمی لحاظ سے کتابوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، اگر یہ بتلانا ہو کہ طالب علم تعلیمی استعداد کے لحاظ سے کس دور سے گزر رہا ہے تو جماعت کا نام لینے کے بجائے یہ کہا جائے گا کہ وہ فلاں فلاں کتاب پڑھ چکا ہے یا پڑھ رہا ہے سالانہ تعلیمی ترقی میں بھی درجات کے بجائے کتابوں ہی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، سالانہ امتحان میں اگر طالب علم ایک یا دو کتابوں میں فیل ہو جاتا ہے اور بقیہ میں پاس تو وہ کتابیں جن میں طالب علم فیل ہوا ہے ان کتابوں کی سالانہ ترقی میں خارج نہیں ہوتیں جن میں اس نے کامیابی حاصل کر لی ہو، جن کتابوں میں طالب علم ناکام ہوتا ہے سال آئندہ میں صرف ان ہی کتابوں کا اسے اعادہ کرنا ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ ایک یا دو کتاب کی ناکامی کے باعث کامیاب شدہ کتابوں کے اعادہ پر بھی مجبور کیا جائے، جیسا کہ یونیورسٹی نظام میں بالعموم ہوتا ہے، اس نظام تعلیم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں بہت ہی کم طلباء ایسے نکلتے ہیں جو ساری کتابوں میں ناکام ہوں اس لئے طالب علم کی نفسیات پر اس کا یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ اسے اپنی جہتی ناکامی کا اس شدت سے احساس نہیں ہونے پاتا جس شدت سے جماعت دار نظام کی کلی ناکامی میں ہوتا ہے، اس کا نتیجہ جہاں ایک طرف یہ نکلتا ہے کہ طالب علم میں بددلی ہونے نہیں پاتی وہیں دوسری جانب اس کی مدت اور مصارف تعلیم میں بھی فی الجملہ وقت اور روپیہ کی کفایت ہو جاتی ہے۔

اس کے برخلاف جماعتوں اور نظام تعلیم میں اکثر چیک کیا گیا ہے کہ امتحان میں نفل ہو جانے کی وجہ سے بعض طلباء میں ایسی بے رغبتی اور بددلی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ تعلیم ہی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو امتحان کی ناکامی محنتی اور غیور طلباء میں خطرناک نتائج تک پیدا کر دینے کا باعث بن جاتی ہے، اور طالب علم اپنے آپ کو شرمندگی سے بچانے کے لئے خودکشی تک کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے،

کتاب دار تعلیمی نظام میں بالعموم ان میں سے کوئی بات پیش نہیں آتی، ذیل میں ۱۳۵۷ھ سے ۱۳۵۹ھ تک دارالعلوم کے دس سال کے امتحان کے نتائج کا گوشوارہ پیش کش ہے گوشوارہ کے تعداد طلباء کے خانہ میں طلباء کی وہ تعداد درج ہے جو شروع سال میں موجود ہوتی ہے، دارالعلوم میں داخلہ سوال میں ہوتا ہے اور امتحان سن آئندہ کے شعبان میں، درمیان میں طلباء کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ اس کے بعد کے خانہ میں جو تعداد درج کی گئی ہے وہ شعبان میں سالانہ امتحان کے زمانہ میں موجود طلباء کی ہے۔

ناکام طلباء کی تعداد میں وہ طلباء بھی شامل ہیں جو عین امتحان کے زمانہ میں بیمار ہو گئے یا امتحان کے دوران میں کسی وجہ سے غیر حاضر رہے۔ نتیجہ فی صد میں ان سب کو شامل کر لیا گیا ہے، اگر ان کو محسوب نہ کیا جائے (جیسا کہ اصولاً ضروری ہے)، تو کامیابی کا معیار اور زیادہ بڑھ جائے گا!

گوشوارہ برصغیر ہند

نتائج امتحان کا دس سالہ گوشوارہ

نمبر شا	سن	تعداد طلباء	شریک امتحان	کامیاب	ناکام	فیصد فیصد
۱	۱۳۵۰ھ	۱۹۴۲	۱۰۰۶	۸۷۳	۱۳۳	۸۷
۲	۱۳۵۱ھ	۱۱۴۰	۱۱۳۸	۱۰۶۹	۶۹	۹۴
۳	۱۳۵۲ھ	۱۰۹۰	۱۰۰۰	۹۲۶	۷۴	۹۳
۴	۱۳۵۳ھ	۱۱۴۲	۱۰۱۳	۸۶۱	۱۵۲	۸۵
۵	۱۳۵۴ھ	۱۱۱۴	۱۰۷۶	۸۶۰	۲۱۶	۷۱
۶	۱۳۵۵ھ	۱۱۹۶	۱۰۱۴	۸۵۳	۱۶۱	۸۴
۷	۱۳۵۶ھ	۱۲۲۶	۱۰۷۶	۱۰۰۴	۷۲	۹۳
۸	۱۳۵۷ھ	۱۴۱۶	۱۲۵۵	۱۱۶۶	۸۹	۹۳
۹	۱۳۵۸ھ	۱۴۹۳	۱۱۹۸	۱۱۲۱	۷۷	۹۴
۱۰	۱۳۵۹ھ	۱۴۲۲	۱۲۳۱	۱۱۴۸	۸۳	۹۳

دس سال کے ان نتائج میں کامیابی کا عام معیار ۸۴ سے ۹۴ فیصد ہے البتہ ۱۳۵۴ھ میں ۷۱ فیصد تک گر گیا ہے اس کا خاص سبب یہ ہے کہ وبائی امراض کی کثرت کی وجہ سے بیشتر طلباء امتحان میں شرکت نہیں کر سکے۔

امتحان یہ کہنا تو آسان نہیں ہے کہ مدارس عربیہ میں امتحانات کا طریقہ عموماً مروج تھا تاہم بعض مدارس کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں طلبہ کا سالانہ امتحان لیا جاتا تھا، چنانچہ بیجاپور کی تاریخ بستان السلاطین میں وہاں کے مدارس کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

”امتحان بتاریخ سلخ ذی الحجہ می شد“

یعنی ذی الحجہ کے ختم پر طلباء کا امتحان ہوتا تھا، ایک دوسری جگہ اسی کتاب میں امتحان کے سالانہ ہونے کی بھی تصریح ہے لکھا ہے :-

”ہر سال امتحان می شد“ (سوالہ نظام تعلیم و تربیت ص ۳۴۱ ج اول)

مگر قیام دارالعلوم کے قریبی زمانہ میں یہ رواج متروک ہو چکا تھا اور مدارس عربیہ میں نہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان کا طریقہ جو طالب علم کی استعداد و محنت و جانفشانی کے اندازہ کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے مروج نہیں تھا طالب علم جب استاد سے ایک کتاب پڑھ چکتا تو اس سے مافوق دوسری کتاب بغیر امتحان لئے شروع کرادی جاتی تھی، ظاہر ہے کہ اس میں طالب علم کی استعداد کے جانچنے اور پرکھنے کا کوئی موقع نہ تھا، اور بسا اوقات ناقابل طالب علم بھی ترقی کی منزل پر طے کرتا چلا جاتا تھا، دارالعلوم نے اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس طریقہ کو ختم کر کے سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان کو لازمی قرار دے دیا۔

دارالعلوم میں امتحان کے سلسلہ میں جو قواعد مروج ہیں وہ فی الجملہ یونیورسٹیوں کے امتحانات سے زیادہ سخت ہیں یونیورسٹی کے امتحان میں ایک مضمون سے متعلق متعدد سوالات ہوتے ہیں، اور ہر سوال کے نمبر متعین ہوتے ہیں، نیز طالب علم کو اس کا حق بھی ہوتا ہے کہ جواب کے لئے ان میں سے، اپنی مرضی کے مطابق سوالات کا انتخاب کرے، پورے سوالات کے جوابات دینے لازمی نہیں ہوتے، لیکن دارالعلوم کے امتحان میں ہر کتاب سے متعلق ۲ سوال ہوتے ہیں اور ہر پرچہ میں تینوں کا حل کرنا اس لئے لازمی ہوتا ہے کہ تینوں کے نمبر مشترک ہوتے ہیں اگر ایک سوال بھی چھوڑ دیا جائے تو طالب علم فیل ہو جاتا ہے، کامیابی

کے نمبروں کا معیار ۸۰ فی صد رکھا گیا ہے جو یونیورسٹیوں کے ۳۳ فی صد سے کہیں زیادہ ہے البتہ اگر کسی کتاب میں اس معیار سے کم نمبر مل سکے ہوں تو اس صورت میں طالب علم کو مافوق کتاب پڑھنے کی اس شرط کے ساتھ اجازت مل جاتی ہے کہ اس کتاب میں مکرر ساؤنڈ امتحان دے کر کامیابی حاصل کرتی ہوگی، گویا یونیورسٹی کی موجودہ اصطلاح میں اس کو کیا ٹینٹ سمجھنا چاہیے۔

اس کے علاوہ یونیورسٹی کے امتحان کے پرچوں میں بعض کتابوں کے گروپ بھی مقرر کر دئے جاتے ہیں مثلاً دو مضمون کی کتابیں ساتھ ساتھ ایک گروپ میں شامل کر دی جاتی ہیں اور دونوں میں مجموعی طور پر کامیابی کے نمبر حاصل کرنے ہوتے ہیں جو کم از کم ۳۳ فی صد ہونے چاہئیں، اب خواہ دونوں میں نمبر برابر ہوں یا کم و بیش، مثلاً ایک میں ۲۰ اور دوسری میں ۱۳ تو کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا، اس میں یہ سہولت ہے کہ طالب علم کو دونوں کتابوں میں سے اگر کسی ایک کتاب سے بھی مناسبیت ہے تو دوسری میں مہولی شدہ بد سے بھی کام نکل جاتا ہے مادری زبان میں تعلیم دارالعلوم کی ایک اور خصوصیت جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ یہاں وڈس تعلیم کی زبان اردو قرار دی گئی ہے جو پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، کتابیں عربی زبان میں ہیں، مگر اساتذہ کی تقریریں اردو میں ہوتی ہیں علوم و فنون کی تعلیم میں مادری زبان کو جو اہمیت حاصل ہے اس کو یونیورسٹی کے نظام تعلیم میں بڑی مدت کے بعد سمجھا جاسکا ہے یہ حقیقت ہے کہ علمی مسائل جس آسانی سے مادری زبان میں سمجھے جاتے ہیں اور حافظہ میں محفوظ رہتے ہیں وہ دوسری زبان میں ممکن نہیں ہے، مگر انگریزی اتذہ کے غلبے نے قوم کے دماغوں کو اس قدر متاثر اور مغلوب کر دیا تھا کہ وہ ایک عرصہ تک اس حقیقت کا سراغ نہ پاسکی ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت کو سب سے پہلے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد وکن اور جامعہ ملیہ دہلی نے محسوس کیا اور اس پر عمل درآمد شروع کر دیا جس میں غلوں کا حکم نایاں کامیابی حاصل ہوئی، اور انھوں نے دوسری یونیورسٹیوں کے لئے ایک قابل تقلید

مثال پیش کر دی ہے، اور اب تو ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی جانب سے یہ مطالبہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ ان میں ذریعہ تعلیم مادری زبان قرار دی جائے، عثمانیہ یونیورسٹی نے اس سلسلہ میں دارالترجمہ قائم کر کے انگریزی اور عربی و فارسی کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کر کر کے اردو کے علمی سرمایہ میں بیش قرار اضافہ کر دیا ہے اسی طرح جامعہ ملیہ نے بھی اس سلسلہ میں قابلِ تعریف کام انجام دیا ہے،

بہر حال اس سلسلہ میں اولیت کا سہرا دارالعلوم ہی کے سر ہے، ہمارے اکابر کی ذہنی نظروں نے جس چیز کو سو سال پہلے سمجھ لیا تھا بیسیویں صدی کے ماہرین تعلیم بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہوئے ہیں،

اردو کی اشاعت و ترقی | یہ تو اس مسئلہ کا تعلیمی پہلو تھا، لیکن اس کے علاوہ اس کا ایک لسانی پہلو بھی ہے وہ یہ کہ دارالعلوم میں اردو کے دسی زبان ہونے سے اردو کو جو عظیم الشان فائدہ پہنچا ہے گو اس پر اردو کے ترقی و اشاعت کے حلقوں کی ابھی تک نظر نہیں گئی ہے تاہم اس کے نتائج و ثمرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا، وہ یہ ہے کہ دارالعلوم چونکہ عالمِ اسلامی کے مسلمانوں کی مرکزی درسگاہ ہے اور اس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے علاوہ مختلف ممالک کے طلباء تحصیلِ علم کی غرض سے آتے ہیں جو اپنے دورانِ قیام میں غاصی اردو سیکھ جاتے ہیں، چنانچہ چند سال کی بات ہے کہ ایک صاحبِ جنہوں نے مختلف ممالک کی سیاحت کی تھی دارالعلوم میں آئے تھے وہ کہتے تھے کہ ”میں جب بنجارا پہنچا جو وسط ایشیا کا مشہور مقام ہے تو وہاں ایک ایسے شخص سے میری ملاقات ہوئی جس نے مجھے ہندوستانی سمجھ کر ہمدردانہ لہجہ میں اردو میں مجھے سے گفتگو کی، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہندوستان سے اس قدر دور اتنی صاف اردو اس کو کیوں کر آئی ہوگی، میرے دریافت کرنے پر اس نے بتلایا کہ ”یہ دارالعلوم کا فیض ہے“ اور میں ہی نہیں بلکہ یہاں کا علمی حلقہ بالعموم اردو سمجھتا اور بولتا ہے اس شخص نے نہایت اخلاق اور محبت سے مجھے اپنے یہاں مہمان ٹھہرایا اور میرے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی دی، جس کی یہ خصوصیت

میں کسی نہیں بھولوں گا کہ اُس میں جس نے بھی تقریر کی وہ میری خاطر سے اردو میں کی؟
 فرمیں کہ اس طرح دارالعلوم نے اردو کے دائرہ کو اپنے طلباء کے ذریعہ دنیا کے تقریباً
 تمام ایشیائی ممالک تک وسیع کر دیا ہے۔

ترتیب افول | دارالعلوم کی یہ خصوصیت بھی اسے دوسری درسگاہوں سے ممتاز کرتی ہے کہ وہ محض
 ایک تعلیمی ادارہ ہی نہیں ہے جس میں صرف قوتِ بوراک کو تیز کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہو، بلکہ وہ
 اسلامی آداب و اخلاق، ذہن و فکر، تہذیبِ نفس اور تعمیرِ سیرت کی ایسی تربیت گاہ بھی ہے جس
 میں رہ کر طالب علم اسلامی تہذیب و معاشرت سے قریب تر اور اس کا جوگر ہو جاتا ہے، اور نہ صرف
 دارالعلوم سے علمی ہی استفادہ نہیں کرتا بلکہ اساتذہ کے پاکیزہ اخلاق اور ان کی روحانیت سے
 بھی اثر پذیر ہوتا ہے نیز زندگی کی جدوجہد میں اثباتِ قربانی، تحمل و جفاکشی، خود اعتمادی، امانت
 دہانت کی عادت مخلوقِ الہی کی خدمت اور بڑے سے بڑے مصائب کو برداشت کرنے کا
 عادی بن جاتا ہے، تاکہ اپنی مخصوص صلاحیتوں سے اُس مفسد کو پرہیز کر سکے جو علماء کے لئے
 نہایت ضروری ہے، فقہائے دارالعلوم کی یہ وہ خصوصیت ہے جس کو دیکھنے والے دل میں گما
 میں محسوس کر سکتا ہے!

مصائبِ کامل | اس موقع پر دارالعلوم کی اس خصوصیت کا ذکر بے محل نہ ہو گا کہ دارالعلوم کے اس
 تعلیمی نظام کو چلانے کے لئے سب سے بڑا اور اہم مرحلہ اس کے مصارف کا مسئلہ تھا سلاطین
 و امراء جو دارالعلوم کے قیام سے پہلے درس گاہوں کی سرپرستی کیا کرتے تھے اُن کا دور ۱۸۵۷ء کے
 انقلاب کے بعد ختم ہو چکا تھا، اور امراء کا جو گروہ باقی رہ گیا تھا اس کا موجودہ حکومت کے زیرِ اثر
 ہونا لازمی تھا، اور دارالعلوم کو حکومت کے اثرات سے بچانا ناگزیر تھا اور امراء کی شہرت سے
 حکومت کے اثرات کے نفوذ کا قوی اندیشہ تھا، ایسے مایوس کن اور بہت شکن حالات میں کابر
 دارالعلوم کی دور بین و دور رس نگاہوں نے بروقت اس نزاکت کا احساس اچھیر جاتے ہوئے
 انھوں نے امراء کے بجائے جن پر اب تک ایسے کاموں کا مدار تھا عوام کی جانب سے بڑھاپا اور

”قطرہ قطرہ ہی شود دیا“ کی علمی مثال قائم کر دی، اس سے قبل ”اجتماعی اصول پر مدارس و انجمن قائم کرنے، چند جمع کرنے، سالانہ رسد اور شائع کرتے اور عوام کو بصورت طلبہ جمع کر کے علمی نتائج دکھانے کے طریقہ سے لوگ واقف نہ تھے، دارالعلوم نے یہ مثالیں پیش کر کے ملک اور قوم کے لئے ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا،

واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم کی اس مثال نے ملک کے لئے مشعل ہدایہ کا کام دیا، حصول سرمایہ کے لئے ہندوستان میں یہ پہلا تخیل تھا جو عملاً کامیاب ثابت ہوا، اس نسخہ کی کیا کامیابی آتا تھا کہ جا بجا اس کے اتباع و تقلید میں مدارس جاری ہونے شروع ہو گئے چنانچہ قیام دارالعلوم ^{۱۲۸۳ھ} ۱۸۶۶ء کے چھ سو سات ماہ بعد سہارنپور میں مظاہر علوم اسی اصول پر قائم ہوا، اور پورے رفتہ رفتہ جگہ جگہ مدارس جاری ہو گئے، عام قومی چندے کی یہ کامیاب ترکیب ایسی عمدہ اور سہل تھی کہ ہر جگہ اس پر عمل کرنا جاسکتا تھا چنانچہ آگے چل کر یہ طریقہ اس قدر کامیاب اور مقبول ثابت ہوا کہ چند ہی سالوں میں مدارس عربیہ سے متجاوز ہو کر اسکولوں، کالجوں، انجمنوں اور دوسرے اداروں تک عام ہو گیا دارالعلوم کے قیام کے آٹھ نو سال بعد ^{۱۲۹۵ھ} ۱۸۷۹ء میں علی گڑھ کالج بھی اسی اصول پر قائم ہوا، اور پھر جوں جوں اس نظریہ کا تجربہ عام ہوتا گیا، لوگوں کی سمجھ بڑھتی گئی، اور آج بے شمار قومی اداروں کی اساس اسی نظریہ پر قائم ہے، حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم کے اس تخیل کی کامیابی آج قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دیا ہے، اس بارے میں تمام ادارے جو عام چندوں پر قائم ہیں دارالعلوم ہی کے مرہون احسان ہیں،

دارالعلوم نے چندہ کا جو نظام قائم کیا وہ نہایت آسان اور سہل تھا، چنانچہ سال اول جو رسد و شائع کی گئی اس میں چندہ کے بارے میں یہ تصریح کر دی گئی تھی کہ ”چندہ کی کوئی حد نہیں ہے“ (یعنی ایک پیسہ کا بھی چندہ دیا جاسکتا ہے)، اور نہ چندہ میں مذہب و ملت کی کوئی خصوصیت ہے۔ ”چندہ کے لئے نقد ہونا بھی ضروری نہ تھا بلکہ غیر مفقود اشیاء، کھانا، کپڑا، کتابیں وغیرہ دوسری چیزیں بھی دی جاسکتی تھیں، چندہ میں یہ توسع بہت مفید، کارآمد

نڈازہ سے بڑھ کر خیر خیر ثابت ہوئی، اس سہولت کے ماتحت جو لوگ نقد چندہ دینے کی گنجائش رکھتے تھے ان کو بھی کسی نہ کسی طرح شرکت کا موقع مل گیا، جو دارالعلوم کے لئے بہر حال مفید ثابت ہوا۔

چندہ دہندگان کے اس اطمینان کے لئے کہ ان کے چندہ کا مصروف کیا ہے اور اس سے یا عملی نتائج برآمد ہو رہے ہیں اس امر کے اظہار و اطلاع کے لئے دارالعلوم نے ابتداء قیام سے سالانہ روداد کی اشاعت کو ضروری قرار دیا ہے، جو پورے التزام کے ساتھ ہر سال خراج کی جاتی ہے۔ ابن شاہانہ خواجہ لطاف حسین صاحب عالی نے حیات جاوید میں مدارس عربیہ کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”میں جوں جوں تہذیب الاخلاق مدرسۃ العلوم دلی گڑھ کالج کی طرف لوگوں کو بلاتا تھا اور جس قدر وہ انگریزی تعلیم کی ضرورتیں ان کے ذہن نشین کرتا تھا اسی قدر مدارس اسلامیہ قائم کرنے کا جوش مسلمانوں میں بڑھتا جاتا تھا چنانچہ اسی کی تحریک سے بے شمار اسلامی مدرسے ہندوستان میں قائم ہو گئے بعد برابر ہوتے چلے جاتے ہیں۔“

خواجہ صاحب نے مدارس عربیہ کے قیام کا یہ ذکر ”تہذیب الاخلاق“ کے نتائج کے عنوان کے تحت لکھا اس انداز سے کیا ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ مدارس عربیہ کے قیام کا باعث ”تہذیب الاخلاق“ ان دعوت کا رد عمل تھا، وہ جوں جوں قوم کو انگریزی تعلیم کی طرف بلاتا تھا، لوگوں میں مدارس عربیہ کے قیام کرنے کا جوش بڑھتا جاتا تھا، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ اس کے لئے مدارس عربیہ کے قیام ”اور تہذیب الاخلاق“ کے جاری ہونے کی تاریخ کا جان لیا کافی ہوگا، سیات جاوید میں خود خواجہ صاحب ہی لکھا ہے:

یکم شوال ۱۲۸۵ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۸۶۸ء کو اس کا تہذیب الاخلاق، نذر بول شائع ہوا، اور اسی سال سوال ۱۲۸۵ سے رمضان ۱۲۹۲ء تک یعنی پورے چھ سال برابر نکلتا رہا، حیات جاوید ص ۱۳۳ (حد بول)

دارالعلوم ۱۵ محرم ۱۲۸۵ء مطابق ۲۰ مئی ۱۸۶۸ء میں قائم ہوا اس کے متعلق ہی چھ ماہ کے بعد سہارنپور میں مظاہر علوم کا قیام عمل میں آیا، اور جلد ہی رائل میں دیوبند اور سہارنپور کے علاوہ مظاہرین نے سہارنپور، امیہ، مراد آباد، لکھنؤ اور گلاوگی وغیرہ مقامات میں مدارس عربیہ قائم ہو گئے اور پھر چندہ تقویٰ سارے ہندوستان میں دیوبند کی تقلید میں عربی کے مدارس جاری ہو گئے۔

ادبیت

”انسان اور فزائنے“

(ایک مشاہدہ)

(جناب شمس قدس صاحب)

مہر کی کرنوں نے جہانکا مدخل دیو سے
 مدثنیٰ کی لٹ پڑھنے لگی ذروں کی جنگ
 ایک اک افتان و خیزاں وحشیانہ جنت میں
 کر رہا تھا دسری کی وسعت پرواز تنگ
 سب کی خواہش تھی کہ ان کروں کلرزدیکھیں
 راستوں کے فرق سے لیکن ملاحظہ کروں کو تنگ
 ایک بڑھتا تھا تو نیچے پھینک دیتا تھا کوئی
 یک جہت ہونے کا پہلو بن گیا میدان جنگ
 کوشش منزل رسی تھی مائل منزل رسی
 ایسی گمراہی کہ خود گمراہیوں کی عقل تنگ
 کاش میں کہتا کہ نادانو! خبر ہی ہے نہیں؟
 خود تہارا خواب منزل کھا گئی اندھی تنگ!
 دیکھتے تو ہو کے روشندان آب گل کے پار
 سامنے منزل ہے۔۔۔ سوچ سوچ کر محمد نونگ

کس طرح کہتا گمراہ کل یونہی انسان بھی
 پڑے ہیں جب ”انوی نور“ پرفزوں کی جنگ!

تبصرہ

تجدید تصوف و سلوک | از مولانا عبدالباری صاحب ندوی تقطیع متوسط ضخامت ۹۶ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت جلد ص ۱۰ ملنے کا پتہ :- مولوی سعید الباری شبستان قدم رسول ہارڈنگ روڈ لکھنؤ۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ دیوبند کے اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے۔ مولانا کی ذات شریعت و طریقت کی جامع علوم ظاہریہ و باطنیہ کی حامل اور شریعت و تصوف کے اسرار و رموز اور حکم و مصالح کی مبصر تھی اور اس حیثیت سے جہاں تک اصل دین کی ترویج و ترویج اور مسلمانوں کی فکری و عملی اصلاح کا تعلق ہے جتنا مقین آپ سے پہنچا قلاً بآس عہد میں اتنا کسی سے نہیں پہنچ سکا حضرت مرحوم کے قلم سے شریعت و طریقت کے خواص و اسرار اور دینی مسائل و احکام پر سنیکردوں کتابیں نکلیں اور گھر گھر پھیلیں علاوہ مستقل تصنیفات کے آپ کے طفوقات وارشادات بھی خود ایک مستقل درس حکمت و اخلاق ہوتے تھے غرض کہ مسلمانوں کی دنیا و اخلاقی و عملی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو حضرت مرحوم کی بنا صنی و حکمت اندوزی کے فیض سے محروم رہ گیا ہو۔ ان کتابوں کو پڑھ کر اور حضرت کے فیض صحبت سے مستفید ہو کر ہزاروں مسلمان مرد و عورت ہدایت و رسوم سے تائب ہو گئے سیکڑوں نے تصفیہ قلب و تذکیۃ باطن کی دولت پائی اور ایک کثیر تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو فلسفہ جدیدہ اور دوسرے مغربی علوم کی تعلیم اقدان میں غلو کے باعث سرے سے خدا و مذہب سے ہی منکر تھے وہ بھی مولانا رحمہ اللہ کے دامن سے وابستہ ہو کر فاضل اہل سنت و الجماعت کے عقاید کے پابند ہو گئے ان خصوصیات کے باعث امت مرحومہ نے آپ کو حکیم الامت کا لقب دیا تھا اور مولانا پورے طور پر اس کے مستحق تھے جیسا کہ عرض کیا گیا۔ دینی عقائد و افکار۔ اخلاق و معاشرت، تعلیم و ارشاد، سلوک و تصوف ان میں سے اسلامی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر مفسران تحقیق و تنقید کے ساتھ مولانا

نے گنگوہ فرمائی ہو۔ اور رسوم و بدعات کے جو ثوبہ تو مجاہدات ان کی اصل حقیقت پر پڑ گئے تھے ان کو اٹھا کر مرحق کی نقاب کشائی نہ کی ہو لیکن چونکہ مولانا کا انداز بیان ایک بڑی حد تک منطقیانہ اور تعلیم اسلوب تحریر کے مطابق تھا اور پھر یہ سب چیزیں غلو ط و مزوج نہیں اس لئے ضرورت تھی کہ مذاقِ حال کا کوئی صاحبِ قلم ان کو مہذب و مرتب کر کے مختلف عنوانات کے ماتحت ان کی بجا کے شائع کرنا بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس اہم دینی اور علمی کام کے لئے مولانا کے ہی ایک مرید با صفا جناب مولانا عبدالباری ندوی نے کمر ہمت باندھی اور محنت شاقہ کے بعد اس سلسلہ میں موصوف نے چار کتابیں مرتب کر ڈالیں حقیقت یہ ہے کہ اس کا رِ بزرگ و اہم کے لئے موصوف سے بڑھ کر کوئی دوسرا شخص موزوں و مناسب نہیں ہو سکتا تھا۔

زیر تبصرہ کتاب اس سلسلہ تصنیفات کی دوسری کڑی ہے جو بوجہ چند اشاعت میں پہلی کتاب سے مقدم ہو گئی ہے۔ کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تصوف کی تعریف اس کی اصل حقیقت اور اہمیت و ضرورت اور اس کے تمام نظری اور عملی پہلوؤں پر نہایت بسط و تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ مختلف خارجی اسباب و علل اور غیر اسلامی اثرات کے باعث اصل اسلامی تصوف میں کہاں کہاں رخنے پڑ گئے تھے اور حضرت مولانا نے کس طرح ان رخسوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح و تجدید کی ہے اس کتاب کو پڑھ کر اصل اسلامی تصوف جس کو محدثین میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی شکل و صورت منقح ہو کر سامنے آ جاتی ہے واقعہ یہ ہے کہ جامعیت، مباحث، معلومات اور پیر گنگوہی بیان و دلائل کے اعتبار سے اردو میں تصوف و سلوک پر اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی تھی تعلیمی فاضل مرتب کو ان کی سعی کا اجر جزیل عطا فرمائے کہ واقعی اس دورِ مصلحت میں انھوں نے ایک اہم دینی خدمت اس کامیابی کے ساتھ انجام دی۔

فاضل مرتب کا مولانا مرحوم کے متعلق مجدد بلکہ جامع الہدیین ہونے کا بھی دعویٰ ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ صرف ایک لفظی اور عزائی بحث ہے کیونکہ مولانا کی جو دینی حضرات ہیں وہ پہلا مسلم ہیں جو چونکہ اس حصہ میں مجدد کی تعریف کیا ہے؟ تجدید کا کیا مقام ہے؟ مجدد کے لئے کن

صفات کی ضرورت ہے ان چیزوں میں سے کسی پر کوئی گفتگو نہیں ہے اس لئے اس کتاب کے
تبصرہ میں ہم بھی اس پر کوئی کلام کرنا نہیں چاہتے البتہ "جامع المجددین" نامی حصہ کے مطالعہ کے بعد
اس پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ بہر حال یہ کتاب اسلامی تقویٰ و سلوک کی انسائیکلو پیڈیا ہے اور
عوام و خواص ہر ایک کے مطالعہ کے لائق ہے۔

تقطیع متوسط ضخامت ۱۰۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت جلد
نور الرحمن | تین روپے پتہ :- اردو بک ڈپو بھراویں ضلع مراد آباد

مولانا شاہ عبدالرحمن صاحب موملہ کھنوی تیرہویں صدی ہجری کے مشہور صاحبِ حال
دقل بزرگ تھے آپ کا خاندان عرب سے منتقل ہو کر سندھ میں آباد ہو گیا تھا مولانا شاہ عبدالرحمن صاحب
طلبِ علم اور مزاراتِ اولیائے کرام کی زیارت اور ان سے اکتسابِ فیض کے شوق میں وطن سے
ردائے ہوئے اور آخر کار ہندوستان کے طول و عرض میں عرصہ دراز تک سیاحت کرنے کے بعد
لکھنؤ میں آکر مقیم ہو گئے اور باطنی ارشاد و ہدایت کا فیضان عام کر دیا جس سے مسلمانوں کو عموماً اور
بعض ہندوؤں کو بھی بڑا فائدہ پہنچا حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد آپ کے مرید خاص مولانا
نور اللہ صاحب نے حضرت کے سوانح و حالات اور ملفوظات و ارشادات پر انوار الرحمن کے نام سے
ایک کتاب فارسی زبان میں لکھی تھی لیکن چونکہ اب فارسی کا مذاق مفقود ہوتا جاتا ہے اور پھر اصل
فارسی نسخہ عام طور پر دستیاب بھی نہیں ہوتا تھا اس لئے مولوی نور الرحمن صاحب بی۔ اے (ہیک)
نے جو غالباً اسی خاندان سے وابستہ ہیں افادہ عام کی غرض سے انوار الرحمن کا مخلص اردو ترجمہ خود
اپنے نام سے بطور براعت استعمال کے شائع کر دیا ہے حضرت شاہ صاحب کے حالات و سوانح
ایک مستقل درس اخلاق و حکمت ہیں جن کے مطالعہ سے آنکھوں میں نور اور قلب میں سرور پیدا
ہوتا ہے۔ البتہ کلمہ طیب کی تشریح اور وحدت الوجود کی حقیقت کے متعلق حضرت شاہ صاحب کا
بیان اس میں درج ہے وہ عوام کے کام کا ہرگز نہیں اور خواص میں بھی چند خاص اہل فن ہی اس
کی ہکے آرائی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ترجمہ اس قدر صاف سلیس اور گفتگو و محسوس ہے

کہ کتاب شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر اسے ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا امید ہے کہ مسلمان
معموماً اودا باب ذوق خصوصاً اس کتاب کے مطالعہ سے جو ہم خرماد ہم نواب کا مصداق ہے فائدہ
اٹھائیں گے۔

مضامین سید سلیمان ندوی مرتبہ مولانا ابوسلمہ شفیع احمد ہساری | مولانا سید سلیمان ندوی

ہندوستان کے نامور محقق اور عالم اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جو اسلامیات کے علمی ذخیرہ
میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہیں مولانا کا قلم تقریباً نصف صدی سے علم و ادب کی خدمت میں
مصرف ہے اس طویل مدت میں مستقل تصنیفات کے علاوہ آپ کے قلم سے سینکڑوں متفرق
مقالات و مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں جو مختلف رسالوں میں بکھرے پڑے ہیں ان مضامین
کی علمی و ادبی اہمیت کا تقاضا تھا کہ ان کو بھی جمع کر کے یک جا شائع کیا جاتا۔ زیر ترتیب کتاب
اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے جو بہر حال مستحسن ہے لیکن مولانا کے مقالات کی گونا گونی اور
اہمیت اس امر کی مقتضی تھی کہ مقالات تسلی کی طرح ان مقالات کو بھی کتابت و طباعت
کے زیادہ اہتمام کے ساتھ مختلف عنوانات کے ماتحت تقسیم کر کے شائع کیا جاتا اور مولانا
کی مدت تصنیف کو چند ادوار پر تقسیم کر کے ہر دور کے مضامین کو الگ الگ حصوں میں چھاپا
جاتا جس سے ایک ناقد کو یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ عماد تجربہ کی ترقی کے ساتھ خود صاحب تصنیف
کے مذاقِ تحریر اور دوسرے تصنیفی مضامین میں کیا کیا ترقی ہوتی گئی ہے علاوہ مقالات کے
خود معارف کے شذرات ہی اگر مرتب کر کے شائع کئے جائیں تو کئی ضخیم جلدوں میں آئیں گے
لیکن یہ بہت فریب طلب اور اطمینان سے کرنے کا کام ہے موجودہ حالات میں یہ جو کچھ ہو گیا
باعتینت ہے۔

کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان
قیمت ۱۰ روپے

قصص القرآن جلد ہفتم حضرت
عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات
اور متعلقہ واقعات کا بیان۔ دوسرا ایڈیشن جس میں
مجموع نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا

گیا ہے۔ قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم
اسلام کا اقتصادی نظام قیمت
۱۰ روپے کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی
کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھا ایڈیشن قیمت

۱۰ روپے جلد ہفتم
مسلمانوں کا عروج و زوال جلد
ایڈیشن قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم
مکمل لغات القرآن مع درستی الفاظ
لغت قرآن پہلے مثل کتاب۔ جلد اول طبع دوم
قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم جلد ثانی۔ ۱۰ روپے جلد ہفتم

جلد ثالث ۱۰ روپے جلد ہفتم
مسلمانوں کا منظم مملکت معرکے مشہور
مصنف علامہ ابن کثیر کے بیان پر مبنی ایک ڈی کی
عقائد کتاب انظم الاسلامیہ کا ترجمہ قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم
ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم
و تربیت جلد اول اپنے موضوع میں بالکل نیا
کتاب قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم

نظام تعلیم و تربیت جلد ثانی قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم

فیہر مندرجہ المصنفین اردو بازار جامع مسجد علی

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف

اور مباحث تصوف پر جدید اور مفقائد کتاب

قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم

ترجمان السنۃ بآراء اہل مذاہبات ہجری

جامع اور مستند ذخیرہ صفحات ۱۰۰۰ تقطیع ۱۹۸۳ء

قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم

ترجمان السنۃ جلد دوم اس جلد میں چھ سو کے

قریب حدیثیں آگئی ہیں قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم

تحفۃ النظائر یعنی خلاصہ فرمانہ اس بطور

مستفید و تحقیق از مترجم و نقشبانی سفر ہے

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی

خدمات۔ قرون وسطیٰ میں علمائے اسلام

کے شاندار علمی کارنامے۔ جلد اول جلد ہفتم

جلد دوم جلد ہفتم

وحی الہی مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں

کے بیان پر پہلی مفقائد کتاب جس میں اس مسئلہ

پر ایسے دل پذیر انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی

اور اس کی صداقت کا ایمان اور نقشہ آنکھوں

کو روشن کرتا ہوا دل کی گہرائیوں میں سما جاتا

ہے۔ جدید ایڈیشن قیمت ۱۰ روپے جلد ہفتم

نمبر (دوسرا)

REGISTERED NO. Q148.

مختصر قواعد زندہ المصنفین ملی

۱۔ محسن خاص جو حضور میں حضرات کہے کہ پانچ سو روپے یکشت مرحمت فرمائیں وہ زندہ المصنفین کے دائرہ فہمین خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم و ارا صاحب کی خدمت میں ادارے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات تذکر کی جانی رہی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہونے لگیں۔

۲۔ محسنین: جو حضرات ہمیں روپے سال مرحمت فرمائیں گے وہ زندہ المصنفین کے دائرہ فہمین میں شامل ہونگے ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہو نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کار سالہ برہان ہکسی معاوضہ کے پیشکش کیا جائیگا۔ ۳۔ معاونین: جو حضرات اٹھارہ روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار زندہ المصنفین کے علاوہ معاونین میں ہوگا۔ ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور سالہ برہان (جس کا سالانہ چند چھ روپے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائیگا۔

۴۔ احماء: جو روپے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار زندہ المصنفین کے احماء میں ہوگا۔ ان کو سالانہ بلا قیمت دیا جائیگا۔ اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔ یہ طبقہ فنان طور پر علماء اور طلباء کے لیے ہے۔

(۱) برہان ہرگز نہیں ہینہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

قواعد سالہ برہان

- (۱) مذہبی، علمی، تعلیمی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کیے جاتے ہیں۔
- (۲) باوجود اہتمام کے بہت سے رسائل و کتابوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس سالانہ پنچے سے زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دلائر کو اطلاع دیں ان کی خدمت میں یہ رسائل بلا قیمت بھیج دیا جائیگا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنائیں نہیں جائیں گی۔
- (۳) جواب طلب امور کے لیے ہرگز کے ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا ضروری ہے۔
- (۴) قیمت سالانہ روپے پانچ شش ماہی تین روپے چار آنے درج وصول ہوگی اگر کسی نے اس سے زیادہ دیا تو اسے شکر ہے۔
- (۵) نئی آمد و آمد کرنے وقت کہیں ہر پانچ ماہ کے بعد ضرور کیجیے۔

مولیٰ محمد امجدی پرنٹرز نے پشاور میں طبع کیا اگر کوئی نسخہ منگوانا چاہے تو منجانب سے شائع

مصدقین دینی کا علمی و دینی کامیابی

چشمہ علم و تحقیق
پشاور

19 AUG 1969

برکات

مرتب
سعید احمد کسٹریل آبادی

مطبوعات ندوۃ الدین لمصنفین دہلی

محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں حک و فنک کے بعد
اصناف کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب کو زیادہ دلچسپ
بنایا گیا ہے۔ قیمت صیر مجلد پچھ

مسکب۔ قصص القرآن حصہ اول۔ جدید ایڈیشن حضرت
سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات تک صیر مجلد پچھ
وحی الہی۔ مسئلہ وحی پر پہلی محققانہ کتاب۔ علم مجلد پچھ

بین الاقوامی سیاسی معلومات۔ یہ کتاب ہر لائبریری میں رہ
کے لائق ہے جدید ایڈیشن جس میں نہایت اہم تازہ ترین
کئے گئے ہیں حجم پہلے سے بہت بڑھ گیا ہے اور شش ماہ تک
تمام بین الاقوامی معلومات آگئی ہیں۔ پانچ روپے۔

تاریخ انقلاب روس۔ ٹرائسکی کی کتاب کا مستند اور
مکمل خلاصہ جدید ایڈیشن دو روپے

مسکب۔ قصص القرآن حصہ دوم، حضرت یوشع سے حضرت
یحییٰ کے حالات تک۔ ستر مجلد للہ

اسلام کا اقتصادی نظام، وقت کی اہم ترین کتاب
جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش

کیا گیا ہے۔ تیسرا ایڈیشن للہ مجلد پچھ
مسلمانوں کا عروج اور زوال۔ جدید ایڈیشن للہ مجلد پچھ

مسکب۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ جدید ایڈیشن
جس میں ضروری اضافے کئے گئے ہیں۔ ستر مجلد للہ

تعلیمات اسلام اور سچی اقوام۔ اسلام کے اخلاقی اور
روحانی نظام کا دلچسپ خاکہ قیمت پچھ مجلد پچھ
سوشلزم کی بنیادی حقیقت، اشتراکیت کے متعلق پچھ

کارل ڈیل کی آٹھ تقریروں کا ترجمہ۔ ستر مجلد للہ
ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ پچھ
شک و نبی عربی مسلم، تاریخ ملت کا حصہ اول جس
میں سیرت سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک
خاص ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے جدید ایڈیشن جس میں

اخلاق نبوی کے اہم باب کا اضافہ ہے۔ غیر
قیم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے
کئے گئے ہیں اور بحث کتاب کا زبردست مرتب کیا گیا ہر اس

موضوع پر اپنے رنگ کی بے مثل کتاب۔ علم مجلد پچھ
غللہ ان اسلام۔ اٹھنی سے زیادہ غلہ ان اسلام کے

کمالات و فضائل اور شاندار کائناتوں کا تفصیلی
بیان جدید ایڈیشن۔ قیمت صیر مجلد پچھ

اخلاق اور فلسفہ اخلاق۔ علم الاخلاق پر ایک مبسوط

شہادت

بُرْهَان

شمارہ (۲)

جلالت و نجم

۱۹۵۰ء مطابق شوال المکرم ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

۱۔ نظرات

سعید احمد

۲۔ تدوین حدیث

حضرت مولانا سید مناظر حسین صاحب گیلانی

۳۔ دلائل القرآن

جناب مولوی نجم الدین صاحب امپلی

۴۔ وزیر مامون احمد بن یوسف

ڈاکٹر غفور شید احمد فاضل دارالعلوم اسلامیہ

۵۔ ادب المفرد امام بخاری کی ایک گراں قدر شرح

مولانا ابو حفصہ لکھنوی صاحب معصومی استاذ

۶۔ ادبیات

مدرسہ عالیہ کتب و رسائل دارالعلوم اسلامیہ

نغمہ فطرت

مولانا سید سعید الدین صاحب دارالعلوم اسلامیہ

۷۔ نغمہ فطرت

مولانا سید سعید الدین صاحب دارالعلوم اسلامیہ

نَظَرِ

ہندو لیاقت معاہدہ کے بعد سے اب تک اگرچہ بھارت اور پاکستان میں کہیں کوئی بڑا واقعہ
سننے میں نہیں آیا اور اس معاہدے کے بہت سے خوشگوار نتائج کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ کہنا
کے چکنے سوچ سے انکار کرنا ہوگا کہ اس سے دونوں ملکوں کی اقلیت میں اطمینان و اعتماد پیدا ہو گیا ہے
اور اب ان میں خون و ہراس یا مستقبل کی طرف سے بے چینی و مایوسی کا احساس نہیں رہا ہے جیسا کہ
اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے دونوں ملکوں میں آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری ہے کسی دن آنے والے
کم ہونے میں یورپی کسی دن جانے والے اور یہ تعداد سنیکڑوں کی نہیں بلکہ دہانہ ہزاروں تک کی ہوتی ہے پھر
اس بات کو بھی فراموش نہ کیجئے کہ اب جو ایک ملک کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں باطنی حرکتیں کر رہے ہیں
وہ ہیں وہ ہنگامی حالات کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہے ہیں کیونکہ اب یہ ہنگامی حالات ہیں ہی نہیں بلکہ
سوچ سمجھ کر اور آخری فیصلہ کر کے بلکہ ان میں بہت سے وہ ہوں گے جنہوں نے دوسرے ملک میں جہاں
وہ آئے ہیں پہلے سے اپنی رہائش اور معاش کا انتظام کر لیا ہوگا اس بنا پر زمانہ امن میں اقلیت کی ایک
ملک سے دوسرے ملک میں حرکت زمانہ فساد کی نقل و حرکت سے بھی کہیں زیادہ خطرناک اور تشویش انگیز
ہے اور اگر دن رات یہی رہے تو دونوں حکومتیں مائیں بازو مائیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ علاوہ خود بخود آبادی
کا تبادلہ ہو جائے گا۔ اور دونوں ملک دور مستقبل دشمن کمیوں میں منتقل ہو جائیں گے۔

خدا نہ کرے کہ کبھی ایسا ہو لیکن اگر ایسا ہوا تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس چھوٹے سے براعظم کا حشر
ہی نہ ہو گا جو آج کو رہا ہو رہا ہے۔ یہ ملک بھی ایک ہی تھا جنگ عظیم دوم کے اثرات نے اس کو
جنوبی کوریا اور شمالی کوریا کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ تقسیم کا طبعی نتیجہ منافرت و عداوت باہمی
ہوتا ہے چنانچہ ملک کے دونوں متقسم حصوں کے لوگوں میں بد مزگی، نفی اور دشمنی پیدا ہو جانے

کی دھڑ سے آئے دن جھڑپیں ہونے لگیں اور شدہ شدہ ہن کا یہ انجام ہوا کہ دونوں فرقے ایک دوسرے سے میدان جنگ میں دست و گریباں ہو گئے اب سوچئے کہ بھلا کس کا ہوا تو واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے بھلا کسی کا بھی نہیں ہوا بلکہ دونوں نے اپنے اوپر تباہی اور بربادی کو مسلط کر لیا ہے۔ جیت اگر ہوگی تو روس کی بااثر بیکچی ہوگی۔ گوربا کا حال تو یہ ہے کہ ایک مہینہ کے اندر اندر پچاس لاکھ سے زائد انسان گھر سے بے گھر ہو کر ایک وقت کی روٹی تک کو محتاج ہو گئے ہیں ہزاروں خاندان بے ختم و چراغ ہو گئے۔ صنعتی و حرفتی ادارے دم کے دم میں کھنڈر بن گئے اور ہری بھری آبادیاں چشم زون میں ویرانوں میں تبدیل ہو گئیں بس جو اسباب گوربا کی تباہی کے تھے وہ ہی ہندوستان میں پیدا ہو رہے ہیں اور جن باتوں کے لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی جھگڑاؤں کو ہوا دے کر ایک دوسرے کو تباہ و برباد دہی ہاتھ بیاں بھی مصروف عمل ہیں۔

نہرو لیاقت معاہدہ جس جذبہ خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے اس کے اچھا ہونے میں کلام نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اگر بھارت اور پاکستان کی حکومتیں فرض شناس اور ساتھ ساتھ مطالبات فرض کی عملی تکمیل و تعمیل میں جری و بیانیہ ہوتیں تو اس معاہدہ کی چند ضروریات ہی دینی کیونکہ اعلان و دستور کے مطابق ہندو پاکستان کا اور مسلمان بھارت کا شہری ہے اور اس بنا پر ہر حکومت کا فرض ہے کہ قطع نظر اس سے کہ دوسرے ملک میں کیا ہو رہا ہے وہ اپنے ملک کے شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے اگر ذرا باریک نگاہی سے غور کیے تو صاف معلوم ہو گا یہ معاہدہ ذلی اس بات کی نشانی اور اس حقیقت کا کھل ہوا اقرار ہے کہ دونوں حکومتیں بحیثیت حکومت کے اپنا فرض ادا کرنے میں قاصر رہی ہیں اور اس لئے معاہدہ کی آڑ کے گندھڑا بنے اپنے گناہوں کو چھپانا چاہتی ہیں دو شخص ایک گناہ میں شریک ہو کر جس طرح ایک دوسرے کو ہتھیار لگاتے ہیں یا کسی طرح ان دونوں حکومتوں نے باہر اسطرح اقرار جرم کر کے اپنے جرم کے لئے ایک دوسرے پر تھپکا دیا ہے۔

اس طرح دونوں اعلیٰ کاتیزنگ دونوں حکومتوں کے دامن پر چھکرا رہا ہے ہر طرف کی طرف

جائے گی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دونوں ملکوں کی اقلیتوں کی بے اعتدالی و بے چینی کے اسباب قطعاً تقییداتی ہیں بلکہ جب تک ان کا تدارک نہیں کیا جائے گا اعتدال بحال نہیں ہو سکتا ان اسباب کا تدارک ہی طرح ہو سکتا ہے کہ جو کچھ کیا گیا اور جن کا بار بار اعلان کیا گیا ہے ایسا تدارک اور پوری سچائی کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا جائے اور دونوں کو صاف اور دماغ کو پاک کر کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو بھرے جوڑنے کی مخلصانہ جدوجہد کی جائے جہاں تک اس عمل اور اس کی ضرورت کا تعلق ہے دونوں حکومتوں کا فرض یکساں اور برابر ہے لیکن ہمارے نزدیک پاکستان کا فرض اور اس معاملہ میں اس کی ذمہ داریاں بہ نسبت بھارت کے اندر بھی کہیں زیادہ ہیں اور اس کے وجہ یہ ہیں۔

۱۔ ہندوستان کی تقسیم اور باب پاکستان کے مطالبہ اور ان کے اصرار پر ہوئی ہے اس لئے تقسیم سے جو خرابیاں بدترگیاں اور تباہیاں پیدا ہو گئی ہیں پاکستان کا فرض اولین ہے کہ وہ ان کا تدارک اور ان کی اصلاح کرے (۲) پاکستان میں ہندو صرف ایک گروہ ہیں لیکن بھارت میں مسلمانوں کی تعداد ۱۲ کروڑ ہے ان کا ایک کروڑ ہیں یہ وہ تو ہیں ان سے سلسلے میں گنا زیادہ برادر ہو جائیں گے۔

(۳) بھارت ایک وسیع اور زرخیز و آباد ملک ہے اس لئے ہندوؤں کو بھارت میں آباد کرنا اور ان کو اپنا وطن بنانا اس کے لیے بہت زیادہ آسان ہے جتنا کہ بھارت کے مسلمانوں کا پاکستان میں پھرتا ہوا مسئلہ۔

۲۔ پاکستان کو اسلامی حکومت کا کیا ہے اس لئے ہندوؤں کا اس سے پہلے ہونا اور خصوصاً مغربی تباہی و فساد کے مقابلہ کے بعد ایک بالکل نفسیاتی چیز ہے۔ اسلام بے شبہ ایک مکمل نظام عمل و انصاف ہے لیکن ایک غیر مسلم کے دل میں اس حقیقت کا اعتراف آپ اپنے دل سے ہی مانگیں کہ سچا ہے۔

۳۔ پاکستان کی تعمیر و قیام میں بھارت کے مسلمانوں کا بہت بڑا دخل ہے اس لئے پاکستان کا وجود ہی انسانی اور انسانی فرض ہے کہ اگر کچھ اور نہیں تو کم از کم اس حق کی منت شناسی کے طور پر یہ اپنے دلوں کے ہندوؤں کی سربط و دلجوئی کرے۔

۴۔ پاکستان نے اپنے آپ کو اسلامی حکومت کہا ہے اس لئے اب اگر پاکستان میں کوئی غیر مسلم یا ان انصافی کا واقعہ پیش آتا ہے تو اس سے اللہ اللہ کے رسول، دین حق کی بدنامی اور رسوائی ہوئی ہے اور یہ انتہائی گناہ ہے جس کی پاداش کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

کہتے ہیں یہی سے بدی پیدا ہوتی ہے اگر یہ سچ ہے تو اس سے کہیں زیادہ سچ یہ ہے کہ نئی سے نئی پیدا ہوتی ہے یہی چیز کا تجربہ کرتے ہوئے میں سال بیت گئے تو کیا اب ایک عظیم نشان اور نہایت ہولناک مائیکروفون نقشب کی آمد سے چھٹائی کی بجائی مخالفت کے لئے یہ مناسب نہ ہوگا کہ دونوں حکومتیں مل کر اس کا بھی تجربہ کر دیکھیں۔

تذوین حدیث

(۷)

محاضرة چہارم

حضرت علامہ سید منظر احسن صاحب گیلانی صمد شیعہ دینیات جامعہ خانیہ جدیدہ یامدکن
 پیر حال میں سیکھنا چاہتا ہوں کہ قرآن مجاز سے کھل کر جب عرب کے دوسرے علاقے اور قبائل میں
 پہنچا تو تلفظ و لہجہ اور اسی قسم کے لسانی اختلافات جن کا پیدا ہونا ناگزیر تھا، نمودار ہوئے۔ اس قسم کے
 غیر اصولی اختلافات میں ہر ایک دوسرے کے اختلاف کو برداشت کرنے کی اپنے اندر صلاحیت اور
 گنجائش پیدا کرے اس مسئلہ میں مسلمانوں کی عملی تربیت کا موقعاً حضرت علی رضی اللہ عنہ وسلم کو ہی عطا
 کی جس سے مل گیا جو قرآنی الفاظ کے تلفظ و فہم میں پیدا ہو گئے تھے، اچھے عجیب و غریب اور دلچسپ
 واقعات اس سلسلے میں پیش آئے قدسی ناگزیر اختلافات کو ارادی مخالفت و مخالفت لفظ و معنی
 کا ذریعہ بنالیا اس پر عادت کے حامل عرب میں عموماً عادی تھے معمولی ناقابل لحاظ اسی قسم کے غیر اہم
 اختلافات کی بدولت خدا جانے کتنی غور زبیاں ان میں ہو چکی تھیں، کسی قسم کا اختلاف ہوا ان کے لئے
 ناقابل برداشت تھا، بلکہ ان میں جو زیادہ ذکی اہل صاحب عزم و ارادہ ہوتے تھے وہی ان اختلافات
 کے قصوں کو آگے بڑھاتے اور ان کی آگ کو ہوا دینے میں سب سے آگے آگے نظر آتے تھے آج
 کل بھی جیسے دیکھا جاتا ہے کہ اسی قسم کے قدسی اختلافات شکارِ رنگ و نسل کے اختلافات کا ہی
 ملزوم بنیادوں پر اختلافات معنی میں شکارِ لہجہ اور زبان کے اختلافات ملن میں سب سے زیادہ
 شکار ہے کہ چروں پر لہجہ ہوتی کمال کارکنین بے رنگ ہوتا کسی شخص کا بھائے نہی کے خلاف کے
 قاعدوں میں پیدا ہو جائے اس کے اختیار کی بات نہیں ہوتی اس کا طہت زمین کا کہ جو واقع میں ایک ہے
 اس کی ملکوں اور انھیں میں تقسیم مرتب یک زمینی اور دینی تقسیم ہے، کسی عداوت پر ہوا یا اسی قسم کے چکر
 دھبہ یا خیر و شر کا

حسب لفظ و لے اور فتنہ و فساد کی آگ کا ایندھن ان ہی محصوم اختلافات کی لکڑیوں کو بنانے والے
زیادہ تر وہی ہونے میں جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ان کے قومی احساسات زیادہ بیدار اور زندہ
ہیں۔ وہی قوم کے لیڈرین کہ قوم کو جنگ و جدال قتل و قتل کی جہنم میں جھونکے رہتے ہیں۔

غیر ہوا یہ کہ جب قرآن کے پڑھنے میں اس قسم کے اختلافات عہد نبوت میں رونما ہوتے تو سربراہ
میں بڑی گڑبڑ پیدا ہوئی۔ اسی سلسلہ میں خود حضرت عمرؓ کو اپنا یہ فقرہ سنایا کرنے کے لئے کہ

ہشام بن حکیم نماز میں سورۃ فرقان پڑھ رہے تھے میں نے جو کان بگایا تو دیکھا کہ بہت سے حروف

کو وہ اس طریقہ سے ادا کر رہے ہیں جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا

تھا، اس حال کو دیکھ کر میرا جی تو جا بجا کہ نماز ہی میں اچھل کر اس شخص کو دو پوچھ لوں، لیکن پھر ٹھہر گیا

یعنی نماز میں مشغولیت کی وجہ سے اتنی دیر کے لئے کٹہہ لگیا، جب ہشام نے سلام پھیرا تو میں

نے معافی چاہی چاہا اس کے گلے میں ڈالی اور پوچھنے لگا کہ تجھے اس طریقہ سے قرآن کس نے پڑھایا ہے جو اس

وقت تک کو میں نے پڑھتے سنا ہشام نے جواب میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

پڑھایا ہے۔

میں نے ہشام سے کہا کہ تم جھوٹ بولنے ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے

میں یہی سورہ پڑھی ہے آپ نے قطعاً اس طریقہ سے مجھے نہیں پڑھایا جس طرح تم پڑھ رہے

تھے۔ یہ گفتگو تو ان دونوں کے درمیان ہوئی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد

واقعی حاشیہ صحت کے لئے سرحد قرار دے کر فرما کر دیا جاتا ہے کہ زمین کا جو حصہ اس پہاڑ یا دریا کے اس پار ہے وہ

اس حصہ سے جدا ہو گیا اور جو اس پار ہے پہاڑ یا دریا کا وجود تو واقعی ہوتا ہے لیکن یہ کہتا کہ اسی پر نقل

کتاب ختم ہو جاتا ہے ایک دوسری بات کے سوا اور کیا ہے اسی طرح الفاظ اور معانی میں کھلی ہوئی بات ہے

کہ کوئی واقعی تعلق نہیں ہوتا یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ پانی کو پانی کہا جائے گا فرض کیجئے کہ اسی پانی کا نام کوئی آگ

رکھ دے تو واقعی اس کا کیا اثر پڑتا ہے بلکہ بہت سے لوگ ٹھنڈک پہنچانے والے پانی کو آگ ہی کہتے ہیں

مگر لوگوں نے من ہی مفرد اصطلاحات کو اس زمانہ میں شیعہ قومی کینوں اور عداوتوں کی بنیاد بنا کر جو کو کیا

وہ ہمارے اور آپ کے سامنے ہی ہوا

میں نے نے ترجمہ حضرت عمرؓ کے الفاظ نکالتے ہیں ان اسلوب کا کیا ہے۔ دیکھو جمع الفوائد ص ۲۱

میں نے اسی حال میں کہتے ہوئے اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کیا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ میں نے سورہ فرقان پڑھتے ہوئے اس شخص کو پایا، ایسے وقت کے ساتھ یہ پڑھ رہا تھا جن کے ساتھ آپ نے یہی سورہ مجھے نہیں پڑھائی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گفتگو سن کر پہلے تو مجھے حکم دیا کہ اس سلسلہ تم اس کو معنی ہشام کو چھوڑ دو، اس کے بعد ہشام کی طرف خطاب کر کے فرمانے لگے کہ

”ہشام تم سناؤ کیا پڑھ رہے تھے“

حضرت عمر کا بیان ہے کہ جس طریقہ سے نماز میں ہشام اس سورہ کو پڑھ رہے تھے، ان ہی حروف کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا تا شروع کیا جب ان کا پڑھنا ختم ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہشام کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔
 ہکذا انزلت
 اسی طرح یہ سورہ نازل ہوئی ہے۔

پھر میری طرف دینی حضرت عمرؓ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ
 ”عمر اب تم پڑھو“

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حسب ارشاد میں نے بھی ان ہی حروف کے ساتھ جن کے ساتھ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا تھا پڑھنا شروع کیا جب میرا پڑھنا ختم ہو گیا تو دیکھا کہ میری قراءت کی طرف بھی اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔

ہکذا انزلت
 اسی طرح یہ سورہ نازل ہوئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا کہ

ان هذا القرآن انزل علی سبعة

احرف فافروا ما تیسرون

یہ روایت مملوح سنکی کل کتابوں میں پائی جاتی ہے، شارحین حدیث نے ”سبعہ احرف“ کی شرح میں یہ

کہہ رکھا ہے علامہ میرے خیال میں بات وہی تھی کہ ایک ہی زبان کے پورے ولے اس زبان کے الفاظ کو مختلف

لہجوں میں ادا کرتے ہیں اور یہی اسی قسم کے اختلافات ہر زبان میں ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

منصوبہ تھا کہ جن کی زبان جس لفظ اور جس طریق کی عادی ہے اسی کے ساتھ قرآن کو پڑھے مگر یہ نزدیک ان زبانوں

کی لئے اس باب میں بالکل صحیح ہے کہ ”سبعہ“ سات کے عربی لفظ سے خاص سات کا لفظ مشتق نہیں ہے بلکہ عربی مادہ

میں متحدہ کے اظہار کا یہ نام طریقہ تھا، جیسے اردو میں "میسوں" وغیرہ کے الفاظ سے جس کا خاص مدد بخونے والے کا مقصد نہیں ہوتا، بلکہ کثرت کا اظہار اس سے کیا جاتا ہے۔ عمار عربی زبان کا یہ ایک عام مادہ ہے۔ خیر اس وقت میرے سامنے اس حدیث کی شرح ہے بھی نہیں بلکہ کلام پابنا تھا کہ عرب جو اس قسم کے اختلافات کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

اکی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس برداشت کی صلاحیت پیدا کرنے کا موقعہ قرآن کے ان ہی قرآنی اختلافات کی وجہ سے مل گیا۔ کبھی کبھی یہ دکھانے کے لئے کہ قریشی لہجہ کے سوا دوسرے لہجہ اور اختلاف کے تلفظ کے دوسرے طریقے اسی طرح صحیح ہیں جیسے قریشی لہجہ تلفظ صحیح ہے، باوجود قریشی ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن کو دوسرے قبائل کے لہجہ میں پڑھ دیا کرتے تھے خدا روایتوں میں آیا ہے کہ سورہ رحمن کی آیت صلی رحمن خضوع عبقری حسان کی جو آیت ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا گیا اسی کو "علی رہناہن خضوع عبقری حسان" کی شکل میں ادا کر رہے ہیں، یہ وہی صورت ہے کہ "عمیا" کو کعب احبار "عموا" اور "عمما" کو "عمہما" "خلفا" کو "مخلفوا" کے لہجہ میں ادا کرتے تھے۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر وہ بالا کا قصہ اگرچہ ایک شخصی واقعہ ہے لیکن قدوسی غیر راوی، اختلافات کو راوی و افتخاری مخالفت و مخالفت کے طالب میں ڈھال دینے کی عادت عربوں میں کتنی راسخ تھی، اسی عام عادت کی یہ کتنی اچھی مثال ہے خیال تو کیجئے کہ نماز ہی میں اچھل کر دو بج لیتے کا ارادہ کرنا، نماز کے بعد گروں میں ہشام پیارے کے چادر ڈال کر کہتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لانا اور سب سے زیادہ اور بڑی بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کو محض اس اختلاف کی وجہ سے بے دھڑک گنڈ بٹ دتم چھوٹ جوتے ہیں۔

شیخ محمد طہر بن عبد البر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہشام کے والد حکیم بن حزم کی خطی چھٹی میں اس کے ہیں ان کا صاحب خاص مقام تھا، سوا اس کے قریش کے بھی مشاہیر نے سے ان کا تعلق تھا لیکن حضرت عمرؓ میں اس وقت تک اختلافات کے رد و اظہار کرنے کی اتنی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی تھی کہ اتنے بڑے عزم و قہر کے ساتھ کسی قسم کی رد و عایت رد کر سکیں۔

کہ دنیا اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ ان اختلافات کے باب میں عرب کے جذبات کس حد تک تھے، مگر پیغمبر کی تربیت نے ان ہی عربوں میں کس رنگ کو پیدا کیا؛ یہی حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں، کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی ناگوار اور بے بات کی خبر آپ کو ملتی تو فرماتے کہ

ما بقیت انا و ہشام فلا یكون ذلک جب تک میں اور ہشام دونوں آدمی باقی نہیں رہتا

اسالقاہ ج ۵ ص ۶۱ میں اس وقت تک تو ایسا نہ ہوگا،

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس طریقہ کار کا اعلان ہوا کہ باوجود اختلاف رہنے کے آپس میں ایک کا دوسرے سے جدا ہونا یا مخالف ہو جانا ضروری ہے بلکہ اختلاف کے ساتھ اتفاق کو بہر حال باقی رکھنا چاہئے جب قرآنی قرات کے ذریعہ آپ نے صحابہ کی عملی تربیت اس سلسلہ میں شروع کی تو ابتداء میں بعض خطرناک واقعات بھی پیش آئے جن میں سب سے زیادہ اہم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے صحابہ میں ان کی سب سے بڑی خصوصیت سمجھی جاتی تھی کہ ان میں وہ اقرع تھے یعنی قرآن کے پڑھنے والوں میں یہ سب سے اچھے تھے، اس اقرع ہونے کی یعنی سب سے اچھا قرآن پڑھنے والے اس کی سند بارگاہ نبوت سے ان کو ملی تھی، قرآن کے ساتھ ان کی خصوصیت کا ذکر مختلف طریقوں سے کتابوں میں کیا گیا ہے، بہر حال ان کے ساتھ ہی ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی کہ مسجد نبوی میں دو صاحبوں کو نماز میں قرآن کو اس طریقے سے پڑھتے ہوئے انھوں نے سنا جو ان کی قرات کے مطابق نہ تھا اور خود ان دونوں کی قرات میں بھی اختلاف تھا حضرت ابی بن عدنان کو ساتھ لے کر دو بار سالٹ پناہی میں حاضر ہوئے اور جو واقعہ تھا اس کا اظہار حضرت ابی نے کیا، ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو حکم دیا کہ جو کچھ تم نے پڑھا تھا مجھے سناؤ جب دونوں سنا چکے تو حضرت ابی کہتے ہیں کہ بخشن شاہد دونوں ہی کی قراۃ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سراہا اور کہا کہ خوب پڑھتے ہیں حضرت ابی بن کعب خیاں تھا کہ قراۃ قرآن میں تمام صحابہ میں میں سب سے بڑا جانا ہوں اپنے نزدیک خیال رکھتے تھے کہ جس قراۃ کو میں

ہے تاہم کیا ہے اہل حضرت علیؑ علیہ السلام بھی اس کو ناپسند کریں گے، لیکن ناپسند کیا کرتے
تعریف کی اور پھر ایسی دو قرآنوں کو آپ نے سراہا جن میں خود بھی ہر ایک کی قرأت دوسرے کی
قرأت سے مختلف تھی یہ حالات ایسے تھے کہ آپ جیسے راسخ و متقادمومین کا بیان ہے کہ علیہ السلام

تسقط فی نفسی من التکذیب ولا اذکنت فی الجاہلیت

سہا آپ نے کیا مطلب؟ حضرت آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کے ان قدر فی اختلافات میں سے
ہر ایک کے لئے گنجائش پیدا کرنا بلکہ دو مختلف باتوں کی تحسین و تعریف ان کی اس فطرت کے
لئے جس میں سرے سے اختلاف ہی کی برداشت کی صلاحیت نہ تھی، اسی فطرت کو قرآن کے متعلق
تمہیں احنونی شکوں کے برداشت کر لینے پر آمادہ کر لیا ایک ایسی بات تھی کہ مسلمان ہونے کے
باوجود کہتے ہیں کہ العباد باللہ یغیر کی ثبوت اور رسالت ہی کے متعلق شک نہیں بلکہ جیسا کہ وہی کہتے
ہیں تکذیب کا شعلہ بزرگ اٹھا، اور کیسا شعلہ کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت یعنی اسلام لانے سے
پہلے تکذیب کی جو کیفیت قلب میں تھی اس کو اس تکذیب سے کیا نسبت؟ گویا ایمان و اسلام
کا سارا سرمایہ اس حسی و کماوت پر قریب تھا کہ فرمان ہو جائے جو موردی طور پر ان میں بنیبر علیؑ علیہ السلام کی تربیت
سے پہلے موجود تھا اور قریب تھا کیا معنی؟ وہ نو کہتے ہیں کہ سب کچھ کھو چکا تھا سارا سرمایہ ایمان کا اسی آگ کے شعلوں
میں بھسم ہو چکا تھا وہ تو خدا کی مہربانی تھی کہ یہ فوری کیفیت ان میں اس وقت پیدا ہوئی جب العالمین کی رحمت علی
اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ کھڑے ہوئے تھے حقیقت یہ ہے کہ حضرت آپؐ کی آفتہ گویا یوں سمجھئے کہ اسی وقت ختم
ہو چکا تھا، ان حضرت علیؑ علیہ السلام نے ان کی اس کیفیت کو ناریا یا کشفاً آپؐ پر ان کے قلب کی حالت
کھل گئی۔ حضور علیؑ علیہ السلام نے بجائے کسی فہمائش کے جو آپؐ کا علم قاعدہ تھا عنوس فرمایا کہ اس وقت
کہ یہ مطلب کھلے معانی حدیث کے سب سے بڑے مستند شائع علوم دینی کے خیال کے مطابق بیان کیا ہے
محل ہو کہ عربی کا سند سے واقف ہیں نہ ہندوستانی، ان کا کہ معانی کو تو نے عربی کے کوشش نہیں
کے جس نے چکی ہے تاکہ حضرت الی کا دامن ایسے سخت ہر دم سے پاک رہے اور وہ عربی کا دامن کی رو سے
دست نہیں ہے نیز اس فقرے سے جو نتیجہ پیدا ہوئے اس کو بھی ان کا مطلب مفصل کر دیتا ہے حضرت آپؐ
کا جب وہ حال ہوتی نہ رہا تو اب ان پر ہر دم ہی کیا رہ جاتا ہے کتنے معانی ہیں جو کفر کی بدترین حالتوں سے نجات
باب ہوئے کیا اس نے کہ وہ معانی ہیں ان واقعات کا انکار کر دیا جائے؟

اس سچے چارے کا کام فہمائش سے نہ چلے گا اور آخری اقتداری تدبیر جو پیغمبروں کو قدرت کی طرف سے مرحمت ہوتی ہے اسی اقتداری تدبیر سے آپ نے کام لیا ضروری خیال کیا، حضرت آپ کہتے ہیں کہ میرے اس حل کو محسوس کر کے

ضرب فی صدری مدبر شہرے سینہ پناں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۷۵۲

یہ روحانی تربیت کے سلسلہ میں توجہ کی ایک شکل ہے توجہ آوردہ بھی قائم لا بیار صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کار گزرنے ہوئی توجہ آوردہ ہو تا کیا۔ لکھی جکتے ہیں

خفت عرقا و کا نما انظر الی اللہ میں اس توجہ کے بعد پسینے سے شر ہو رہا ہو گیا

تعالیٰ فرقا (مشکوۃ سواد مسلم وغیرہ) ایسا معلوم ہو کہ خوف سے میں خدا کو دیکھ رہا ہوں

ایک شرتھا جس سے حضرت نبی کے لئے ایک ایسا خیر پیدا ہوا کہ شاید اگر یہ حالت ان پر طاری نہ ہوتی تو اس کا موقع ان کو مشکل ہی سے مل سکتا تھا، پیغمبر کی توجہ نے خدا کو ان کے سامنے بے حجاب کر دیا، عاتلے مقامات طے ہو گئے۔

کچھ بھی ہو میں تو یہ دکھاتا چاہتا تھا کہ قرآن میں مسلمانوں کو ایسی اختلافات سے جو منع کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب سمجھ لیتا کہ جو اختلافات قدرتی واقعات کے لازمی نتائج ہیں ان اختلافات سے مسلمانوں کو روکا گیا تھا صحیح نہیں ہے بلکہ میں جہاں تک سمجھتا ہوں ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کا اندیشہ

۱۔ تو حاکم کے میں شیخ مکر رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ کی مختلف قسموں کو بتاتے ہوئے "توجہ بالذہن" یعنی اپنے نفس توجہ کیا اس کو بھی توجہ کی ایک قسم قرار دی ہے ابی بن کعب کی اس روایت کے سوا حضرت جریر بن عبد اللہ ابی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کا جو مدنیوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر وہ بیٹھ نہیں سکتے تھے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس کمزوری کا اظہار کیا کہتے ہیں کہ اس وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فراموش بلیدی سے کام لیا یعنی ان کی پیٹھ کو دونوں ہاتھوں سے آپ نے ٹھونک کر فرمایا کہ اب بیٹھیں چلیں تو ان کو اگلا ہے کہ اس نبوی توجہ کے بعد گھوڑے پر سوار ہونے کے ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی پیٹھ پر کوئی بیٹھ سکتا تھا

ان اختلافات کا بننا اس کا انداز مقصود تھا اور اسی کا مطالبہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ یہی آدم کے اختیار میں ہے ورنہ غیر اختیاری امور کے مطالبہ کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں اور اگر یہ مطلب نہیں ہے تو قرآن کی ان آیتوں کے پڑھنے والے اس کا کیا جواب سوچا کرتے ہیں جب ان کے سامنے ابتداء سے آخر تک مسلمانوں کی ساری تاریخ جس میں ہمد صحابہ بھی شریک ہے اور اختلافات سے معمور اور بھری نظر آتی ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اول سے آخر تک بہرے اور اندھے بن کر سارے مسلمان قرآن کے ایک ایسے قانون کو مسلسل انتہائی لاپرواہیوں کے ساتھ توڑتے رہے جس کا بار بار مختلف الفاظ میں اس کتاب میں اعادہ کیا گیا ہے۔ مالک کہ کیف تحکمون۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآنی قرأت کے اختلافات کی ایک ایسی قدسی صورت پیدا ہو گئی کہ مسئلہ اختلاف میں جو مطلوب تھا اس کو غیر مطلوب سے الگ کر کے دکھانے کا موقع ملا آپ کو مل گیا اور اس کا عملی ردس مختلف شکلوں میں صحابہ کو دیتے رہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کہتے ہیں کہ میرے ساتھ بھی ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی کہ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ قرآن کو کچھ ایسے طریقے سے پڑھ رہا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے پڑھتے ہوئے نہیں سنا تھا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے جو کچھ اس نے کیا تھا بیان کیا، ابن مسعود کہتے ہیں کہ جس وقت اس شخص کو خدمت مبارک میں عرض کر رہا تھا، میں نے اس حضرت کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار محسوس کئے اسی مکدر چہرے کے ساتھ آپ نے ہم دونوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ

افرا افلا کہما احسن دونوں جس طرح پڑھتے ہو پڑھتے رہو، تم دونوں

ٹھیک پڑھتے ہو

ابن مسعود کی اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ

اپس میں ایک دوسرے سے اختلاف مت کیا

ولا تخلقوا فتن من کان قبلکم

کر نہ سے پہلے ہی لوگوں نے اختلاف کیا تب تک

مختلفوا فخلقوا رحمہم اللہ

آپ دیکھ رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ دونوں کی قرآنوں میں جو اختلافات تھے ان کو باقی رکھتے ہوئے، دونوں کو سراہتے ہوئے ہر ایک کی تحسین کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ ”آپس میں اختلاف نہ کیا کرو“ کیا یہ سوچنے کی بات نہ تھی کہ اختلاف کو باقی رکھتے ہوئے اس علم کی تعمیل کی یعنی مختلف افراد آپس میں اختلاف نہ کیا کرو، کی تعمیل کی ممکنہ شکل کیا ہو سکتی ہے؟ ممکن ہے کہ لکھنے والوں نے نہ لکھا ہو لیکن مجدد اللہ علاء الدین علیہ السلام کے منشاء مبارک کو مسلمان ہمیشہ سمجھتے چلے آتے ہیں اور سمجھانے والے مسلمانوں کو اس سلسلہ میں جو اصل واقعہ ہے اس کو سمجھاتے رہے ہیں۔

میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ ذکر کر رہا تھا کہ ”تدوین حدیث“ کی تاریخ میں ان کی تیسری اہم خدمت یہی تھی کہ اختصاصی راہوں سے حدیثوں کا جو ذخیرہ مختلف افراد میں پھیلا ہوا تھا، ان کی وجہ سے علم و عدم علم کی اختلاف کا جو ایک بڑا خطرناک پہلو پیدا ہو سکتا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جہاں تک میرا خیال ہے قرآنی اختلافات کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو عملی نمونے ان کے سامنے پیش ہوتے تھے ان ہی کو پیش نظر رکھ کر اختلاف کے اس خطرے کے انسداد کی پوری کوشش کی۔

ہوایہ جیسا کہ ہونا چاہیے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دونوں راہوں سے یعنی خبرِ آحاد کے معلومات میں کمی و بیشی یا ان کے متعلق علم و عدم علم کی وجہ سے نیز رہتی دنیا تک عقلی راہ دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جو کھولی گئی تھی اس راہ میں نتائج و نظریات کے اختلاف کی وجہ سے قدرتی اختلافات کی جن شکلوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا ان کی پیدائش کا سلسلہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے زمانے میں شروع ہو گیا میں تو سمجھتا ہوں کہ ابن ابی علیہ کے حوالے سے طرز ہی نے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ

حضرت ابو بکر صدیق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

انما الصديق جمع الناس بعد وفات

و سلم کی عبادت کے بعد ان کو جمع کیا اور ان کو

افقہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل

اَلَمْ تَجِدْ لِنُوحٍ مِّنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلٰى اللّٰهُ عَلٰى نُوْحٍ
 عَلَيْهِ وَاٰلِهٖٓ وَسَلَّمَ اٰحَادِيْثَ تَفْتَاوٰهُنَّ فِيْهَا
 وَالنَّاسُ بَعْدَ كَھَا شَدَّ اِخْتِلَافًا فَلَا
 تَجِدُ لِنُوحٍ مِّنْ رَّسُولِ اللّٰهِ شَيْئًا مِّنْ
 مَا لَكَمْ فَعَلُوْا اٰمِيْنَ اَوْبَيِّنْ لَكَ كِتَابَ اللّٰهِ
 فَاَسْمَعُوْا اِحْلَالَهٗ وَحَرْمَ مَوَاحِرِ اَمْرِهٖ
 (تحریر: الفضل اللہ سیاح)

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں
 روایت کیا کرتے جو جن میں باہم اختلاف کرتے ہو
 اور تمہارے بعد کے لوگ اختلاف میں زیادہ سخت
 ہو جائیں گے پس چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کیا
 کرے، پھر تم سے اگر کوئی پوچھے تو کہہ دیا کرو کہ ہمارے
 اندر تمہارے درمیان مشترک کا نقطہ اللہ کی کتاب
 ہے پس چاہئے کہ اس کتاب نے جن چیزوں کو حلال
 کیا ان کو حلال قرار دے اور جن باتوں کو حرام ٹھہرایا

ان کو حرام ٹھہراؤ،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متدوین حدیث کی تاریخ میں عہد صدیقی کا یہ دقیقہ بہت زیادہ اہمیت
 رکھتا ہے خصوصاً اس کی اہمیت اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ یہ حکم کسی وقتی تاثر کا نتیجہ نہیں معلوم
 ہوتا بلکہ روایت کے الفاظ سے جیسا کہ معلوم ہو رہا ہے صدیق اکبر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 صحابہوں کی باقاعدہ ایک مجلس منعقد کی اور اس مجلس میں انھوں نے اپنی اس تجویز کو پیش کیا ہے
 لیکن اس کا کیا مطلب ہے؟

مجھے اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ تجویز کے واقعی اگر یہی الفاظ تھے جو اس وقت ہمارے سامنے
 ہیں تو ہر پڑھنے والے سے اسی نتیجہ تک پہنچے گا کہ حدیثوں کی روایت کے سلسلے کو حضرت ابو بکر چاہئے
 تھے کہ آئندہ ہمیشہ کے لئے روک دیا جائے۔

فَوَجَدُ نُوَاعِنَ مِّنْ رَّسُولِ اللّٰهِ شَيْئًا
 رَّسُولَ اللّٰهِ صَلٰى اللّٰهُ عَلٰى سَلَمٍ كِيْلَ طَرَفٍ مَّسْبُوكٍ كَيْسِي
 قسم کی کوئی بات نہ بیان کیا کرو

سے زیادہ واضح تغیر اس مفہوم کی اور کیا ہو سکتی ہے؟

مگر سوال یہ ہے کہ واقعی ان کا اگر یہی مطلب تھا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کی اس تجویز کو مسلمانوں نے قطعی طور پر مسترد کر دیا نہ صرف کچھ ہی زمانہ میں بلکہ صحابہ بھی ہمیشہ حدیثوں کی روایت میں مشغول رہے اور دوسروں کو کیا کیا جاتے اس تجویز کا علم تو ہم تک ایک ہی روایت اور سند کی راہ سے پہنچا ہے لیکن بیسیوں روایتیں دولت کرتی ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ خود اپنی تجویز کی مخالفت کرتے رہے از لہ انفا میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تخمینہ ہے کہ

تقریباً ایک سو پچاس حدیثیں حضرت ابو بکرؓ
تھیں ایک تہہ پچادھ بیست حدیثیں اور دوسری
حدیثیں مانی مانہ است ۲۸۰۰
روایت کی جو غرض حدیثیں کے ہاتھوں میں باقی
رہ گئی ہے۔

ابن جوزی نے (۱۱۴۲) حدیثوں کا ذکر لقی بن محمد کی سند کے حوالہ سے کیا ہے رد یکو تلخیص صفحہ ۱۸۰ کچھ بھی ہو مذکورہ بالا تجویز والی ایک روایت کے مقابلہ میں سوڈیٹر حدیثیں اس پر ولایت کرتی ہیں کہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔
بلکہ متعدد روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں سے صدیق اکبرؓ پوچھتے تھے کہ کوئی حدیث

۱۔ شاہ صاحب قدس سرہ نے یہ سوال اٹھا کر کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل صحبت پیغمبر کے ساتھ ان کے گونا گوں تعلقات وغیرہ امور کے لحاظ سے مذکورہ بالا تعداد حدیثوں کی بہت تھوڑی معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ خود ہی جواب دیا ہے کہ حدیثوں کی روایت کا زیادہ تر موقع صحابہوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہے۔ بے چارے حضرت ابو بکرؓ کو چون کہ ان حضرت کے بعد دنیا میں رہنے ہی کا زیادہ موقع نہ ملا اور جو بھی سوخاوت اور اس زمانہ کی سیاسی پیچیدگیوں کے اندھونگیاں تیرن کے زمانہ میں ایسے لوگ جن کو اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سبک میں ماضی کی سعادت میسر نہیں رہی تھی بہت کم مدینہ پہنچے تھے، صحابہ بیان کرتے ان ہی لوگوں سے حدیثوں کو بیان کرتے تھے اور جو خود شرف صحبت سے فیض یاب تھے تھوڑے تھوڑے تھے۔
از احوال حدیث تو سطورے بلکہ اکثر اہل حدیث از زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شنیدہ ہوئے۔ ملاحظہ فرمائیے ایک
نمونہ یہ بھی ہوئی کہ حدیثوں کے بیان کرنے کی ضرورت واقعات و حوادث کے پیش آنے کے وقت ہوتی تھی
ابو بکر صدیقؓ کو اتنی تھوڑی مدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تھی کہ وہ ان کے سامنے کم پیش آتے،

پیش آنے والے واقعے کے متعلق ان کو معلوم ہوتا ہے کہ یہی ہے جو دیر چلے یہ سن چکے کہ میرا شجرہ میں حضرت ابو بکرؓ نے صحابیوں سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا حکم ہی کے پاس ہو تو بیان کرے۔

سوال ہی ہے کہ پھر آفریقہ کی اس تجویز کا واقعی مقصد کیا تھا قطع نظر ان باتوں کے کہ عام مسلمانوں نے ان کی تجویز سنی، اور نہ صحابیوں نے اور خود ان کا طرز عمل اس تجویز کے مخالف ہے اصولی سوال یہ ہوتا ہے کہ جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع نہیں کیا تھا بلکہ گزر چکا کہ کثیر سے روکتے ہوئے لوگوں کو اس پر آمادہ فرمایا تھا یعنی کثرت اشاعت سے روکتے ہوئے حدیثوں کی روایت کرنے والوں کی ہمت افزائیاں کی گئی ہیں جن پر تفصیلی بحث گندھکی

بہر حال میرا مطلب یہ ہے کہ کسی روایت کے چند الفاظ کو لے کر اس پر اس سے تفسیر کرنا کہ اپنی خواہش کی ان سے تائید ہوتی ہے، نہ یہ دین ہی کا اقتضا ہے، اور نہ علمی دیانت داری میں اس قسم کی خیانتوں کی گنجائش ہے حقیقت جوئی یا واقعہ کی تحقیق کا طریقہ یہ نہیں ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے خود تراشیدہ ادھام یا من مانے خیالات کو دوسروں پر خواہ مخواہ مسلط کرنے کی یہ ایک غلط اور مجرمانہ تدبیر ہے۔

آئیے اب اس روایت کے سارے الفاظ کا مطالعہ دوسرے واقعات کی روشنی میں کیجئے
پچاس کو دیکھئے کہ مجلس میں اپنی تجویز کو رکھنے سے پہلے تہیدی تقریر حضرت ابو بکرؓ نے جو فرمائی تھی اس کے الفاظ کیا تھے

تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں	آنکھوں میں رسول اللہ
روایت کیا کرتے ہو جن میں ایسا اختلافت کرنے کا	صلی اللہ علیہ وسلم احادیث
اور تبارے بعد لوگ اختلافت میں زیادہ سخت	مختلفون بینہما والناس بعدکم
ہو جاتے گے۔	اللہ اختلافنا

(باقی آئندہ)

دلائل القرآن

اسنا

(جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی)

مستشرقین یورپ کی اندھی تقلید میں بعض دوسرے لوگوں نے قرآن مجید کے متعلق یہ خیال بڑی قطعیت سے ظاہر کیا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ بنی کے الفاظ ہیں کیونکہ نبی اور خدا کے اسلوب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سطور ذیل میں اس مسئلہ پر ہم کسی قدر بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ غلط فہمی دور ہو جائے اور تصویر کا صحیح رخ سامنے آجائے۔ اصل بحث سے پہلے چند باتیں پیش ہیں۔

دلیل ثلث قرآن قرآن حکیم خدا کا ایسا کلام ہے جس کو نہایت کھلا اور آسان بھی کہہ سکتے ہیں اور نہایت چھپا اور مشکل بھی۔ اگر وہ ایک طرف معانی اور حکمتوں کا بے پایاں سمندر ہے تو دوسری طرف اس کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ عرب کے ان بڑے عہد تک اس کو سن کر سیدھا سادا مطلب سمجھ جاتے تھے، خواص صحابہ جو اعلیٰ فہم و فراست اور گہرے علم کے مالک تھے اور جن کی زبان دانی مسلم اور عبرتنا ہوا تھا اور جو اسلام کے ذمہ نوئے کو دن رات دیکھتے رہتے تھے ان کو بھی ایک ایک سورہ کے مطالب پر برسوں فکر کرنے کے بعد اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ وہ اس بجز ناپیدا کنار کے احاطے سے عاجز ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ چھڑاتے ہوئے امور جو اولیٰ فہم انسانی تھے ان سے کنارہ کشی اختیار فرمائی اور صرف آیات حکامات جو روح قرآنی ہی جاسکتی ہیں ان کے علم فہم تفہم اور تدبیر قیامت کی اندازہ سے بغیر فرقہ سے لیا سارے دنیا کو نابینا کی طرح چھوڑ دی کیونکہ اگر قرآن عزیز کو سچ سے دیکھا جائے تو ایک نظر میں سب دیکھ سکتے ہیں اور اگر اس کی گہرائیوں کو تنقیس کے ساتھ تاجا میں تو جس حد گہرائی میں جاتے اس سے آگے ادھر باتیں ملتی جاتیں گی ”دنیاء بچیاں بانی“

قرآن مجید کی عظمت و بلندی، الفاظ و معانی اور فصاحت و بلاغت پر نزول قرآن کے وقت فیروز کی شہادت بڑا وزن رکھتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر یہ شہادتیں نہ ہوتیں تو خدا نخواستہ قرآن کی افادیت یا عظمت پر کوئی حرج آجاتا ایسا ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے۔

(۱) در قدیم نزل حضرت خدیجہ کے ابن عم جو بہت بوڑھے نصرانی تھے اور جاہلیت میں شرک سے تائب ہو چکے تھے جب قرآن کی پہلی پہل آیات سنیں تو کہا یہ کلام اسی طرز کا کلام ہے جیسے موسیٰ پر اتر ا تھا۔ (بخاری)

(۲) ولید بن مغیرہ گو کا فر رہا اور کفری پر مکتب ادب و تفاسیر میں اس کے یہ الفاظ منقول ہیں ان اعلیٰ لمورک و ان اسفلہ لمعلوق اس کا اوپر کا حصہ پتہ والا سر سبز ہے اور حصہ زیریں دان للطلاوة و ان علیہ لحدادۃ پھل والا ہے۔ اس میں ایک ردق پائی جاتی ہے اور اس پر ایک شیرینی ہے۔

مکہ کی ۱۳ سالہ زندگی میں قرآن عزیز ہی سب سے بڑا ہتھیار تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقابلہ کر رہے تھے اور مجبوراً معاندین کو سپردال دینی پڑتی تھی۔ یہی ولید متفقہ رائے سے کہہ سکتا تھا کہ جاگہ قرآن اور صاحب قرآن کے اثر کو کم کرے مگر باوجود ان کوششوں کے قرآن کی سیادت اور کلام کی جاگہ گیری ٹک نہ سکی۔ ولید قرآن کی حقیقت جانتے کے باوجود آخر تک منہ پر قائم رہا چنانچہ اسی کے رد میں قرآن کی آیات ذیل نازل ہوئیں۔

”ذکرہ فی یوم من خلقت جیداً“ (الآخر السورۃ)

حواشی حضرت شیخ الہند میں ہے کہ ولید ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے قرآن پڑھ کر سنایا جس سے کسی قدر متاثر ہوا مگر ابو جہل نے اس کو مدغایا اور قریش میں چڑھا دیے کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی ہوگی غرض سب جمع ہوئے اور آپ کے بارے میں گفتگو ہوئی کسی نے شاعر کو کسی نے کاہن بتلایا۔ ولید بولا کہ میں شعر میں خود پڑا ماسر ہوں اور کامنوں کی باتیں بھی سنی ہیں قرآن نہ شعر ہے نہ کہا نت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر میری کیا رائے ہے کہنے لگا کہ خدا سوچتا

لے صبح البیان

خزینہ بدل اور نہ بنا کر کہا کہ نہیں جلد ہے جو اہل دلوں سے نفل ہونا چاہتا ہے۔ علامہ شہر قزوین سن کر کہہ چکا تھا کہ یہ سحر بھی نہیں نہ دلوں کی بڑ معلوم ہوتی ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے مگر محض ہر آدمی کو ریش کرنے کے لئے اب یہ بات بناوی سورۃ مدثر میں اسی کی جانب اشارہ ہے۔

در ۴، اسی طرح قریش نے عقبہ بن ربیعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ جا کر صاحب قرین مشورہ دے کہ دعوت قرآن ترک کر دی جائے۔ ہم لوگ اس کے صلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کو قریش کا سب سے بڑا مالدار وغیرہ بنا دیں گے چنانچہ عقبہ نے بہابت عیب و غریب انداز میں گھٹکوں کی اور آپؐ سے سنے رہے اس کے بعد آپؐ نے فرمایا میں بھی کچھ بڑھ رہا ہوں اسے بھی سن لے پھر آپؐ نے

حَمَّ تَنْزِيلٍ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ كِتَابٌ فُصِّلَتْ

آيَاتُهُ قُلْ نَاعَزِيكَم بِالنَّعِيمِ تَخْتَمُونَ تَبْشِيرًا وَنَذِيرًا اَلَمْ سَجِدْ لَكُمْ لِبَاسٍ سَجْدَةً فَرَمَا
اس کے بعد سر اٹھایا تو دیکھا کہ عقبہ کا رنگ فق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے جو کچھ کہا میں نے سنا درجوں میں نے تلاوت کیا تو نے سن لیا بتا اب کیا راستے ہے؟

عقبہ خاموشی کے ساتھ چل پڑا۔ حیرت زدہ اور فکر میں ڈوبا ہوا۔ قریش نے دیکھ کر مڑا لیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے ”مخلف باللہ لقد جاءكوا الوليد بن عبد المطلب الذي ذهب به“ قسم خدا کی ولید تمہارے پاس آ رہا ہے مگر وہ چہرہ مہرہ نہیں ہے جو لے کر گیا تھا چنانچہ آتے ہی بول اٹھے کہ حق کیا بات ہے؟ قال در ائی مانی سمعت قولاً والله ما سمعت مثله قطعه والله ما هو بالشعر، ولا بالسحر، ولا بالكهانة الخ..... اور یہ مشورہ دیا کہ اسے قریشیوں کی بات مان لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ مت روکو میں نے خدا کی قسم ایک ایسی چیز سنی ہے جو بہت بڑی خبر دے رہی ہے اگر اس پر عرب غالب آگئے تو تمہارا کام ہو گیا اور اگر وہ خود عرب پر غالب ہو گیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہو گا اور اس کی عزت میں تمہاری عزت متصور ہو گی اور تم اس کی نظروں میں بہترین انسان بن جاؤ گے۔ یہ تقریریں کر قریش برہم ہو گئے اور انھوں نے اس کا اظہار کیا

اور بھڑک دیا اللہ یا ابا الولید بلسانہ کہتے ہوئے ہٹ گئے۔ غصہ نے کہا۔

ہذا سرا فی فیکر فاصنعوا ما بدا لکم یہ میری دلت ہے تمہارے ہی میں جوئے کر گزرو
(۴) نضر بن عمارت مقیم حیرہ بڑا ذہین و فہیم شخص تھا۔ سیاحی کرتے ہوئے بلاد فارس میں
پہنچا اور فارسی زبان میں مہارت پیدا کی قریش نے اس کو اپنا یا ابد دعوت اسلام و تاثیر قرآن کے
کم کرنے کے لئے یہ دوسرا قدم اٹھایا گیا چنانچہ نضر بن عمارت نے معیار حسن کلام داستان گوئی قرار
دے کر قہر و کسریٰ اور رستم و اسفندیار کے قصوں کو کعبہ میں سنانا شروع کیا اور یہاں تک بول اٹھا
کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا مجھ سے عمدہ بات دیتے ہیں؟

جواباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ دن کی آیات ذیل تلاوت فرماتیں
لَا تَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَمَا یَسْطُرُ مِنْ دُونِہِ اِلَّا اَنْزَلْنَاهُ عَلَیْکَ فَتَقْرَءُ لَہِمْ

عجیب بات کہ نضر لوگوں کو اپنے قصوں میں پھنسائے ہوئے تھا مگر لوگوں کے دل قرآن مجید میں
لینے کے بعد اسی طرف متوجہ ہو گئے اور روزِ ذر قرآن دلوں کی بستی آباد کرتا جا رہا تھا حسب تصریح
حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو آیتیں اسی نضر بن عمارت کے بارے میں اتری ہیں اور جہاں کہیں قرآن
میں "اساطیر الاولین" آیا ہے اس سے اسی کے قصوں کی جانب اشارہ ہے اسی طرح ایک
اور طریقہ قرآن کے اثر کم کرنے اور نبی کی دعوت کو ناکامیاب بنانے کے لئے اختیار کیا گیا اور ایسے
سواہت حسب تصریح اور باب سیرکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے کئے جو حد درجہ مشکل تھے
اور ظاہر الفہم یا کج و معاندین کے لئے تو اللہ سبحان روح ہو سکتے ہیں مگر ایک نبی کے لئے جس کو
ہر طرح کی تائید و تادی حاصل ہو کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتے تھے، صحیحین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود
مدینہ نے اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا تھا اسی بناء پر آیت کے مکی اور مدنی ہونے
میں اختلاف ہے۔

قرآن عزیز نے سورہ بنی اسرائیل میں یہود و حیرہ کے سوال کا جواب ایسی صفائی سے دیا
چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَسَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

نہج سے پوچھنے میں روح کو کہہ دے روح ہے
میرے رب کے حکم سے اودھم کو نفوذی سی
خبر دی ہے۔

ان مختصر اور جامع الفاظ کی ذمہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارفِ کامل کی راہِ طلب و تحقیق میں چراغِ ہدایت ہیں۔ یہود میں اس کی حقیقت و ماہیت کے سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے کھول کر نہیں بتایا اور نہ پیغمبروں نے کبھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں کہیں بس اتنا جانتا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں اُڑی، وہ جی اٹھا، جب نکل گئی وہ مر گیا۔

روح کے سلسلہ میں اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق بھی سوالات تھے سورۃ الکہف میں بڑی تفصیل سے ان کا جواب دیا گیا اور قریش کا رد کیا گیا کہ پھر تردید اور جواب کی جرأت نہ ہو سکی اور سب متحیر ہو کر رہ گئے۔

اور ان تمام تدبیروں کے بعد قریش نے زبردستی لوگوں کو قرآن پڑھنے سے روکنا شروع کیا مگر چپکے سے پھر بھی سننے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ ابنِ اسحق نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک رات یوسفیاء، ابویہل اور اخنس چپکے سے نکلے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جو قرآن تلاوت فرماتے ہیں اس کو سنا جائے غرض ہٹے پایا کہ ہر شخص الگ الگ سنے۔ اور پھر پوری رات قرآن مجید کے سننے میں گذر دی جب صبح ہوئے نائی شک دئے۔ جب تمام اکٹھا ہوئے تو علامت کرنے لگے کہ اب ایسا نہ کرنا چاہئے مگر عام لوگ دیکھ لیں گے تو نہ جانے کیا کیا خیالات اپنے دل میں قائم کر لیں گے۔ یہ قصہ تین راتیں مسلسل ہوا صبح کو اخنس چھڑی لئے یوسفیان کے گھر پہنچا اور پوچھا۔

اخیرین یا ابا حنظلہ عنہ ما یلیک عینا
معتصم من محمد بن مسلم، فقال یا ابا
ثعلبہ ما لک لقد سمعت اشیاء

اے ابو حنظلہ بتاؤ محمد سے جو تم نے سنا ہے اس
کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے
ابو ثعلبہ خدا کی قسم میں نے ایسی چیزیں سنی ہیں جن

۱۲ عرفہ ماہ عرفہ ماہ اور احیاء جمعہ
۱۳ اشیا ماہ عرفہ ماہ و لا ما
۱۴ یزید ماہ غلالہ الاخنس وانا
والذی حلفت بہ کذلک
اس سے کہا کہ میں بھی ایسا ہی طغیہ کہتا ہوں۔

اس کے بعد ابو جہل کے پاس آئے اور یہی سوالات کئے اس نے لمبی تقریر کے بعد کہا۔
واللہ لا نؤمن بہ ابدًا ولا نصلیٰ
نقام عنہ الاخنس وقرکہ
قسم خدا کی میں کہی اس پر ایمان نہ دوں گلاسنا اس
کا قصد حق ہی کروں گا۔

یہ بات سن کر اقص کو برا معلوم ہوا اٹھا اور اس کو چھوڑ کر چل دیا۔

غرضیکہ قریش جس قدر قرین کے اثر کم کرنے کی سعی کرتے اسی قدر قرآن لوگوں کے دلوں میں گہرا کرنا چاہتا تھا۔ یہو عصبیت جا ملیہ اور اقتدار پرستی کے زعم باطل میں کہاں سے یہ طاقت آسکتی تھی جو قرین کی دعوت و پکار کو دبا دیتی۔ قرآن تو ایک موثر اور دلربا طرز بیان اور دیا کا ساتھ توجہ سے کرتا تھا ساتھ ہی اس لیے کلام کا لفظ اور شہنشاہانہ شان و شکوہ کا مالک تعالذت و علالت کا یہ عالم تھا کہ بدترین دشمن اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سپردال دیتے تھے واقعات بلا شاہدین صحابہ میں جو لوگ سلیم لفظ طرت تھے ان میں سے اکثر کا حلقہ گروش اسلام ہونے کا واحد سبب صرف اس کلام مقدس کی آیات کا سننا اور اس سے مدورہ متاثر ہونا کتب احادیث و سیر میں ایک سے زاید واقعات موجود ہیں۔ مثلاً ابوذر غفاری، عثمان بن مظعون، ابو سلمہ، ارقم بن ارقم، فضیل بن عیاض، ابو عبیدہ، خالد لدوی، سحاشی اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں خلیفہ دوم نے اپنا واقعہ خود بیان فرمایا ہے کہ میں تمام لوگوں میں آنحضرت صلیم کا سب سے بڑا اور شدید دشمن تھا آخر میں میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سارا قصہ ہی کہوں نہ پاک کر دیتا جا چنانچہ میں ایک روز اسی ارادہ سے شمشیر ربینہ نکلا راستہ میں بعض لوگوں سے ملے کہا کہ تم کو کچھ اپنے گھر کی فکر

لے اٹھو قرآن مجید صبح پڑھو

بھی بے تباری بہن دین آباد و اجداد سے بھر گئی ہے چنانچہ میں لوٹ پڑا اور دروازہ پر دستک دی نہ
سے آواز آئی کون۔ جواب دیا عمر۔ یہ لوگ ایک صحیفہ پڑھ رہے تھے فوراً دھر دھر بھاگنے لگے
اندھا جاکر پوری ادھم مچائی بہن اور بہنوں کو خوب زد و کوب کیا جب ذرا طبیعت سنبھل گیا کیا پڑھا
جا رہا تھا سورۃ طہ کی ابتدائی آیات ایک صحیفہ پر لکھی ہوئی تھیں جو موٹے حروف میں لکھا جایا کرتا
تھا آج کل کی طرح حروف چھوٹے اور شائیت نہ تھے۔ ساتی گئیں اللہ پھر خود ہی فرماتے ہیں تو فرم
لاسلام فی قلبی کل موضح۔ اس کے بعد اسلام میرے دل کے اندر پورے پورے طور پر اتر گیا
یہ کون سی چیز تھی جس نے عمر جیسے ماہر کلام عرب اور عرب کے عکاظ کے میل کی اکاڈمی کے ممبر ناقد
اور بصیر اشعار عرب پر اثر کر گئی؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جذبان و حیال ہی
نے اختیار کی ہے ایسی ہی زبان اور ایسا ہی کلام تمام شعراء عرب و بلغار عثمان کے مخاطب کرنے
کے لئے ضروری تھی جس وقت سے قرآن کے جلال جہاں اُڑانے غیب کی نقاب الٹی اور لولا دھوم
کو اپنے سے روشناس کیا اس کا ہر بار یہی دھوئے رہا کہ میں خدا کے قدوس کا کلام ہوں اور میں طرح
خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے
دنیا عاجز ہے ٹھیک اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی قرآن میں
وہول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیت خلاق کے وہ تمام قوانین و طرق موجود ہیں جن سے آفرینش عالم
کی غرض پوری ہوتی ہے اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے امی فرد سے کمی امید نہیں
کی جاسکتی ہے۔ اور تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

دس سال کا زمانہ گزر گیا مگر فریش اپنی خداوندی ہمت پر سختی سے برابر قائم تھے بلکہ مستہزاء
اور مذاق پر اتر آئے اور ہر ممکن طریقہ سے قرآن کے اثر کو ختم کر رہے تھے۔ اس مصیبت جالبہ سے
آپ تنگ آ گئے اور طائف ہجرت فرمائی وہاں بھی اشرار نے کوئی دقیقہ اٹھا کر رکھا۔ واپس تشریف
لے کر قیام کر رہی ہیں اور دھرم سے بہت سے دھوڑا لے رہے ہیں آپ ان کے سامنے قرآن پیش
فرماتے۔ انھیں لوگوں میں سے ایک شخص سوید بن العاصمت تھا جو ظلم اور غفلت میں کامل گناہاں کرتا

قرآن سننے کے بعد کہا کہ میرے پاس بھی اسی طرح کی چیز ہے جو آپ کے پاس ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کون سی چیز میرے پاس ہے؟ سوید نے کہا نقان کی حکیمانہ باتیں کہیں فرمایا کہ پیش کرو

قال لہ النبی اعرضہا علی عرضہا
علیہ فقال النبی ان ہذا الکلام
حسن والذی معی افضل من
ہذا قرآن انزلہ اللہ تعالیٰ

اس نے پیش کیا آپ نے فرمایا یہ کلام بھی اچھا ہے
لیکن میرے پاس اس سے بہتر اور افضل کلام
موجود ہے وہ قرآن کریم ہے جس کو خدا نے تعالیٰ
نے مجھ پر اتارا ہے وہ سراپا ہدایت اور نور ہے

علی ہو ہدی و نور

اس کے بعد چند آیات تلاوت فرماتیں جس کو سوید نے پورے دھیان اور توجہ سے سنا اور پھر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ ”یہ کلام بہت خوب ہے“

فرض و فود اگر متاثر واپس جاتے اور قرآن کی دعوت روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس اثر کو اور زیادہ ترقی دینے کے لئے آنحضرت ﷺ نے مسعوب بن عمیر کو قرآن کا پہلا معلم قرار دیا چنانچہ لوگوں میں آپ قرآن اور تعلیم اسلام پھیلانے اور سکھانے تھے اور بطور علم ”المقری“ کے نام سے موسوم ہوئے

قرآن مجید کا پہلا مدرسہ آنحضرت ﷺ سے پہلے مبنی آسمانی کتابیں آئیں ان کی حفاظت ان کے علماء کے ذمہ تھی، اور وہ کتابت کا سلسلہ تھا قرآن عزیز کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہونہ رکھی اور اس کی صورت پیغمبر اسلام نے حفظ اور زبانی یاد بخیز فرمائی حالانکہ قرأت اور کتابت جاننے والوں کی فہرست میں اولین نام حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ و حضرت زبیرؓ کا موجود ہے۔ اور کتاب الاسلام والحفارة العربیہ سے ۲۴ اسماء کا تبین کا پتہ چل سکا ہے

اسی طرح قرآن حکیم سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ حضرت ﷺ کے قلب پر قرآن نازل ہوا اور آپ اس کے حفاظ کے مکلف تھے اور ساتھ ہی آپ کا یہ بھی فریضہ تھا کہ آپ قرآن لوگوں کو یاد کرائیں، اس کے معانی و مطالب کی شرح و تفسیر فرماتیں ذیل کے بعض کتابت، قرآن میں ہے، **وَمَا تَنْزِيلُهُ عَلَى طَائِفَةٍ بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَصْدِقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ** (بقدرہ)

۴۴، نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ . (الشعراء)

۴۵، هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ (المجاد)

اس موقع پر ہم ایک بات صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ قرآن میں لفظ ”صحیفہ“ اور دوسرا لفظ ”قرطاس“ آیا ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی بہن کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا اور قریش نے اقتصادی و اجتماعی کاروبار کے لئے جو تحریر کیا تھا وہ بھی صحیفہ ہی کہا جاتا تھا اس لیے شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن صحف اور قرطاس کی صورت میں نازل ہوا ہو۔ اصل یہ ہے کہ صحف جمع ہے صحیفہ کی جس کے معنی لکھے ہوئے اوراق کے بھی آتے ہیں اور اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو پھیل ہوئی، اٹھانے میں ہلکی اور جس پر آسانی سے لکھا جاسکے یعنی آج کل کی کتابوں کی طرح نہ ہو اس قرآن کی جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ قرآن نہ تو قرطاس میں نازل ہوا جیسے توریت اور نہ بطور حصہ کے کہا جاسکتا ہے کہ تمام قرآن صحف اور قرطاس میں لکھا گیا تھا بلکہ قرآن تو صاف صاف اپنا بیان دے رہا ہے۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُذْكُوا الْعِلْمَ نَسْرَحِ اس کی یہ ہے کہ محمد صلعم نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں بلکہ یہ وحی جو ان پر آئی ہمیشہ کون لکھے سینہ بسینہ جاری رہی اور رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ و قرار کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے کیونکہ یہ صرف قرآن کا امتیازی وصف ہے اور کتابیں حفظ نہیں ہوتیں تحریف کا موقع مل گیا۔ یہ آیت کچھ صاف دلالت کر رہی ہے کہ حفظ ہی اصل و اساس تھا اور ہے قرآن کے بقا و تحفظ کا۔ ولیست التلاوة من صحف مسطورہ۔

خط قرن ہمد نویں | قرآن مجید کے حفظ اور تعلیم کا جو طریقہ آج جاری پایا جاتا ہے آنحضرت صلعم کے زمانہ باسعادت میں یہ نقشہ نہیں تھا حضرت ابو عبد الرحمنؓ صحابہ کرام کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلعم سے قرآن مجید کی دس دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ الفاظ کے ساتھ عمل کا طریقہ بھی سیکھتے جاتے تھے جب ہم قرآن کا ایک حصہ ختم کرنے تو الفاظ و معانی کے ساتھ اس کے

طریق عمل سے بھی واقف ہوتے جاتے (ابن جریر) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم قرآن کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں اتری اور کس کے متعلق۔ اگر مجھ کو یہ علم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن کا علم ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکے تو یقیناً اس کے پاس جا کر علم قرآن حاصل کر دوں تمام صحابہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ میں سب سے قرآن کی بابت زیادہ واقف ہوں حالانکہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ (صحاح، ابوالفجاری عبادہ بن الصامتؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابو زیدؓ۔ سالمؓ۔ ابو درداءؓ) آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں قرآن حفظ کر لیا تھا موطا امام مالکؒ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قصہ ہے کہ آپؐ نے بارگاہ رسالت میں ۷ سال تک سورہ بقرہ حفظ کی اور جب تک ایک ایک آیت کو خوب نہیں سمجھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے مسند احمد میں حضرت انسؓ کا یہ قول موجود ہے "کان الرجل اذا قرع البقرة وال عمران جلد فی اعیننا" جب کوئی سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نظروں میں اس کا مرتبہ زیادہ ہو جاتا۔ آنحضرتؐ صلعم نے جس طرح مردوں کے لئے تعلیم قرآن کا اہتمام فرمایا اسی طرح عورتوں کی تعلیم کے لئے حضرت سیدہؓ کو مخصوص کر دیا تھا۔ کیونکہ کلمات قرآنی و احادیث نبویؐ قرآن کی تلاوت اور حفظ پر کثرت سے وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی بلا معنی سمجھے بھی تلاوت کرتا ہے اس کو کبھی ثواب ہوتا ہے باقی یہ غلط منطق ہے کہ بلا سمجھے پڑھنا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس خیال خام کی تردید کے لئے قرآن مجید کی ایک آیت میں کاترجمہ یہ ہے "جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی تاکہ ان کی اجر میں کمی پوری پوری دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں بے شک وہ بڑے بخشش والے قہدان ہیں (سورہ فاطر)

اور ایک حدیث بخیر کومن تعلم القرآن وعلیہ (بخاری) "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے پڑھے اور پڑھائے۔ درج کر دی گئی ہے۔ قتال

انہیں آیات و احادیث کی بنیاد پر سلف اور خلف نے حفظِ قرآن پر کافی توجہ فرمائی چنانچہ کتبِ نعت و متونِ حدیث سے حفظِ قرآن کو لفظ جمع، محل، دعی، ایجاز، احکام، اظہار، استنباط اور حفاظِ قرآن کو آلِ القرآن، اہل القرآن، صاحب القرآن، جامع القرآن، داعی القرآن، ماہر، تباری و سفرہ سے تعبیر و موسوم کرتے رہے ہیں۔

قرآن کے لغوی و اہل نعت نے حسبِ مادت لفظ ”القرآن“ پر مفصل کلام کیا ہے چند کو ذیل میں اصطلاحی معنی ہم درج کرتے ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ لفظ ”القرآن“ نہ تو مہوز ہے اور نہ مشتق ہے بلکہ قلم ہے اور نام ہے اس کلام کا جو آنحضرتؐ پر نازل ہوا۔

(۲) قراء کا خیال ہے کہ یہ قرأتیں سے مشتق ہے کیونکہ بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں (۳) زجاج کا قول ہے کہ فعلان کے وزن پر یہ صفت ہے مہوز اور مشتق ہے لفظ قراء سے اہل عرب بولتے ہیں قرأت الماء فی الخوض اذا جمعتہ ”اس لئے قرآن اس کلام کا نام ہوگا جو آنحضرتؐ صلعم پر اترتا اور تمام کتبِ سادہ کا جامع ہے۔

(۴) لہجائی کہتا ہے کہ یہ لفظ مصدر ہے اور مہوز ہے فقران کے وزن پر پڑھنے کے معنی میں مگر بعضی مفعول مستعمل ہو کر خدا کی کتاب کا نام ہو گیا ہے۔ اکثر لوگ اسی تحقیق پر ہیں۔ اب ہم ذیل میں چند آیات ایسی پیش کرتے ہیں جس سے قرآن کے معنی کی تعیین ہوتی ہے۔

وَلَا تَجْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجَلَ
بِهِ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَاِذَا
قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ

نہ جلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان تاکہ جلدی اس
کو سیکھ لے وہ تو ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع کر دینا ہے
سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے پھر جب ہم پڑھتے ہیں
تو لگے فرشتے کی زبانی تو ساتھ اس کے پڑھنے کے

آیت مذکور سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے ظاہر معنی اس موقع پر تلاوت اور قرأت کے ہیں اس آیت کے رو سے قرآن وہ کلام الہی ہے جو لوگ بار بار پڑھتے رہتے ہیں آیت سورہ قیامہ کے

بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى تَلْبِطِكَ لَكُونُ
مِنَ الْمُنْذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ
مُبِينٍ (الشعراء)

لفظ امین سے مراد اس کے نفوی معنی نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ بطور علم کے ہے۔ کیونکہ عَرَبِيٍّ مُبِينٌ اسی زبان کو کہا گیا ہے جو فصیح ترین اور شیریں ترین زبان ظہور اسلام کے وقت اہل عرب کی تھی اسی طرح لفظ کلام کا اطلاق بھی عرف عام میں لفظ و معنی اور نظم و ترتیب سب پر ہوتا ہے۔

وَأَنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ
فَاجْرَاهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ (التوبہ)

اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کا

چنانچہ اسی لفظ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں سے قرآن کا تعارف کرایا ہے حدیث میں مقرر ہے کہ آپ موقع میں کھڑے ہو کر فرمایا کرتے۔

الْأَجْرُ لِيَجْمَعَنِي إِلَىٰ قَوْمِهِ لَا يُلَاحِظُ كَلَامَ
رَبِّي فَإِنْ قَرَأْتُ شَيْئًا مِّنْهُ فَيَنْبَغِي أَنْ أُلَاحِظَ
كَلَامَ رَبِّي

کیا ایسا کوئی شخص ہے جو اپنی قوم کی طرف بھوکوٹے چلے تاکہ میں اپنے رب کا کلام پہنچا دوں کیوں کہ قریش نے تو مجھے اپنے رب کا کلام پہنچانے سے روک دیا ہے

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب ”الْمَغْلَبَاتِ الرَّهْمُ“ سنائی تو کفار قریش نے پوچھا یہ تمہارا کلام ہے یا تمہارے صاحب کا؟ آپ نے فرمایا اور جواب دیا۔

لَيْسَ بِلَاكُمِي وَلَا بِلَاكُمِ صَاحِبِي وَلَكِنْ
كَلَامُ اللَّهِ

نہ میرا کلام ہے نہ میرے صاحب کا بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

سورۃ طہ میں آتا ہے۔

لَا تَجْعَلْ يَاقُوتَ ابْنِ مَرْثَدٍ قَبْلَ أَنْ تَقْفِي
إِلَيْكَ رَحِيَّةً لِّم

اور قوطی ذکر قریش کے لینے میں جب تک ہوتا ہو چکے اس کا اتنا۔

غور کر دیہ آیت نو دلالت کر رہی ہے کہ قرآن ان الفاظ و معنی ہی کا نام ہے جو وحی کی صورت میں اترا

ہے اور قلب نبوی ہی اس کا نشیمن ہے۔ قرآن ہی وحی ہے اور الفنار وحی قرآن ہی کو کہا گیا ہے۔
 لہذا وحی کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے محمد صلعم کی روح اور
 قلب پر ایک ایسے مخفی طریقہ سے طاری کر دیا تھا جو تحصیل علم کے مشہور کسی طریقوں سے مختلف
 اہل انہاموں سے بھی جدا ہے جو بعض خواص پر نازل ہو جایا کرتے ہیں۔

اب ہم سورہ طہ اور سورہ قیامہ کی مذکورہ بالا آیات کی کچھ اور وضاحت کر رہے ہیں تاکہ قرآن مجید
 کے دلائل خود قرآن ہی سے ہو جائیں۔

ابتداءً نبوت میں قرآن مجید کھڑا کھڑا کر کے نازل ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ قرآن مجید
 کے مخاطب تھے اور ان کی استعداد عام تھی و بیش رہ نہایت بد شوق بلکہ قرآن سے بیزار تھے
 ایسی حالت میں حکمت الہی کا تعاضد بھی ہوا کہ ان کی تعلیم آہستگی اندر سچ اور نرمی کے ساتھ ہو۔ لیکن کبھی
 کبھی جب نعرہ وحی کا زمانہ طویل ہو جاتا۔ آنحضرت صلعم کے لئے موجب تشویش ہوتا کیونکہ آپ کا
 تمام تر سرمایہ تسکین و اطمینان قرآن ہی تھا۔ اور آپ اپنی قوم کے ایمان کی بے پایاں آرزو رکھتے تھے
 اور اس کا تمام تر ذریعہ وحی الہی تھی آپ کو تکمیل دین کی تمنا تھی اور تمنا قدرتا مستعمل ہوتی ہے۔ ان
 تمام باتوں کی وجہ سے نزول وحی کے وقت آپ کا جذبہ شوق و طلب بے اندازہ ہوتا یہاں تک کہ آپ
 وحی کو زبان سے دہراتے کہ کوئی بات یاد سے رہ نہ جائے۔ اں حضرت صلعم کی اس حالت پر لسانِ غیب
 نے بار بار ٹوکا اور خداوندی امور میں مہلت اور تدریج کا جو معاملہ ہے اس کی حکمتیں بیان فرماتیں پس
 سورہ طہ کی آیت ”وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ“ میں اجمال کے ساتھ
 کی حکمت بیان فرمادی کہ یہ انسان کے صغیر غم ادنا استواری عہد کی وجہ سے ہے اگر یہ بات نہ ہوتی
 تو وہ ایک ہی دفعہ میں سب کچھ پالیتا۔

اسی حقیقت کو سورہ قیامہ کی آیت ”لَا تُخْرِكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَقُولَ بِهِ الْخَمْسُ“ میں بیان فرمایا گیا ہے
 اس سورہ کی تفسیر میں ترجمان القرآن حضرت مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے جن حقائق و معارف کا
 اظہار فرمایا ہے اس کے استقصا کا یہ موقع نہیں نظام القرآن سورہ قیامہ ملاحظہ کر لی جائے۔

البتہ استاد امام کی خاص تحقیق ہم یہاں پر درج کرتے ہیں جس سے تین باتیں نہایت واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔

الاول بان القرآن مجمع فی عہد
النبی وقرء علیہ نسق ولاحد فائدہ
لوانجز هذا العهد بعد عہد النبی
لما امرہ باتباعہ۔

والثانی ان النبی مامور بالقراءة
حسب هذا القراءة الثانية التي
تكون بعد الجمع وليس للنبي ان يلقى
عليه شيء من الرحي ولا يبلغه
الامة عقلا ولما امره الله تعالى
في قوله

”يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك
من ربك وان لم تفعل فما بلغت
رسالتك“ اهل علما فلا بد ان علم
النبي الامة قراءة الاخيرة التي
عليه القرآن في اللوح المحفوظ
فلان العروة الاخيرة لا بد ان
تكون مطابقه بالاصل والثالث
ان بعد هذا الجمع والترتيب
بين ما شاء الله ياتيه من التعميم

”ان قرآن آنحضرت صلعم کے عہد میں جمع ہو کر ایک خاص
ترتیب سے آپ کو سنایا جائے گا۔ اگر یہ وعدہ آپ
کی وفات کے بعد پورا ہوئے والا ہوتا تو آپ کو اس
قراءت کی پیروی کا حکم نہ دیا جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے
اس آپ کو حکم تھا کہ جمع قرآن کے بعد دوبارہ میں طرح
آپ کو قرآن سنایا جائے اس طرح آپ پڑھیں اور
یہ بات عقلاً و نقلاً دونوں کا ذریعہ سے غلط معلوم ہوتی ہے
کہ آپ پر کوئی بات بطریق وحی آئے اور آپ اس کو
امت کو پہنچائیں عقلاً تو اس کی فطری بالیدہتہ واضح ہے
نقل قرآن مجید میں فرمایا ہے یا ایھا الرسول بلغ
یہ ایک عام حکم ہے اس حکم عام کا تقاضا ہے کہ آنحضرت
صلعم نے امت کو اس ترتیب کے مطابق قرآن سنایا
ہو جس ترتیب پر اس کی آخری قرات ہوئی اور جو فیضان
روح محفوظ کی ترتیب ہے کیونکہ آخری قراءت کا اہل
کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہونا ضروری ہے۔ نہ ہر بات
پہنچاتی ہے کہ اس جمع و ترتیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے
وہ باتیں بھی بیان فرمادیں جو تعمیم و تقصیم و تخصیص
و تکمیل سے تعلق رکھتی تھیں۔

والتفصیل والتکلیل والتخصیص

پھر فرماتے ہیں:۔ یہ باتیں قرآن مجید سے ثابت ہیں اور ان کی تائید روایات سے ہوتی ہے کہ تمام باتیں ٹھیک ٹھیک پوری ہوئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی پوری پوری سورتیں لوگوں کو سناتے تھے اور یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ آپ کو وہ اس خاص ترتیب پر سنائی گئی ہوں اور صحابہ اسی ترتیب کے مطابق قرآن مجید کو سننے اور محفوظ کرتے تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ آپ خاص خاص آیتوں کو سورتوں میں خاص خاص مقامات میں کھواتے تھے اور صحابہ اس کی پابندی بھی فرماتے تھے اور پھر خب کوئی تشریح لےنے والی آیت اترتی تو آپ اس کو بھی قرآن مجید میں کھواتے اور ان کے لکھوانے میں وہ طریقہ ملحوظ رکھتے یا تو وہ ان آیات کے ساتھ عادی باتیں جن کی تشریح کرتیں یا سورہ کے آخر میں رکھ دی جاتیں اگر ان کا تعلق سورہ کے مجموعی مفہوم سے ہوتا۔

ان تشریحات کرنے والی آیتوں کی ایک اور نمایاں علامت بھی قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں خود اس طرح کے الفاظ موجود ہوتے ہیں جو واضح کرتے ہیں کہ یہ تشریح و بیان کے لئے نازل ہوئی ہیں مثلاً اس طرح کی آیات کے ساتھ اکثر درمایا گیا ہے "کذلک یبین اللہ آیاتہ للناس"

اس طرح جب قرآن نازل ہو چکا تو آخر میں حضرت جبریلؑ نے آپ کو پورا قرآن اس کی اصلی ترتیب کے مطابق سنا دیا یہ بات صحیح اور متفق علیہ روایات سے ثابت ہے اور اس سے نظام قرآن کی بے شمار مشکلات آپ سے آپ حل ہوتی جا رہی ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت "کِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ" اور دوسری آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب الہی میں کسی کی بخشی اور تبدیلی کا امکان نکت نہیں ہے۔ اور حضرت مولانا حمید الدین قراری کی تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن عسکر مجید نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مدون و مرتب ہو چکا تھا اور صحابہ نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مستند

۱۔ تفسیر سورۃ البقرہ من نظام القرآن ص ۱۰

بار پڑھا اور سنایا تھا یہ وہی قرآن مجید ہے جو کچھ آج ہمارے پاس محفوظ موجود ہے۔ علامہ طبرسی جو امامیہ کے مسلم الثبوت امام ہیں مجمع البیان جلد اول میں لکھتے ہیں ”ان القرآن کان علی عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجموعاً موافقاً علی ما ہو علیہ الان وان جماعۃ من الصحابۃ ختموا القرآن علیہ عدۃ اختتام“ سید مرتضیٰ، شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی نے بھی اس کی تفسیر کی ہے۔ محمد بن علی بن بابویہ قمی کہتے ہیں ”ہمارا اعتقاد ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا وہ وہی ہے جو ما بین الدفتین امت کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ قرآن مجید اس سے زیادہ ایک حرف نہیں تھا جو شخص ہماری طرف منسوب کرتا ہے کہ ہم قرآن مجید کے اس سے زیادہ ہونے کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے“

اسی بنا پر علامہ ابن حزم کی مثل و نقل جلد دوم میں یہاں تک موجود ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی وفات ہو جانے پر ایک لاکھ قرآن مجید مصر، عراق، شام، یمن وغیرہ میں پھیل چکے تھے۔ لوگ اس کی تلاوت، تعلیم، تفسیر وغیرہ میں مصروف تھے۔

قرآن کریم اللہ کی و قیوم کا کلام ہے جس سے روح القدس جبریل امین علیہ السلام کا اس کے سوا کوئی تعلق نہیں کہ انہوں نے اسے عربی لفظوں کے ساتھ افق اعلیٰ کے آسمان سے لاکر اس زمین پر پہنچا دیا اور جس سے محمد رسول اللہ و خاتم النبیین صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علی آلہ کا تعلق اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ نے اسے لوگوں تک پہنچا دیا کہ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ پس یہ قرآن اپنے لفظ ترتیب، اسلوب، علوم، ہدایت ہر لحاظ سے تمام مخلوق کے لئے معجزہ ہے خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت سے باہر تھا کہ اپنی کوشش، معلومات، فصاحت، بلاغت کے زور سے اس قرآن کی جیسی کوئی سورت پیش کر سکیں۔

صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن تلاوت فرماتے یا آپ پر قرآن پڑھا جاتا تو گریٹاری ہو جاتا۔ صحاح میں حضرت ابن مسعودؓ کا سورۃ النسا کی آیت تَکَلِّفُ اِذَا جِئْتُمُو مِنْ کُلِّ

محکم دلائل سے مزین و متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امیدِ شہیدِ الم کا بڑھنا جانا ہے کہ آپ کی آنکھیں بہہ پڑیں اور آپ نے فرمایا ”محبیبک اہل“ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں آپ کے الفاظ کو دخل نہیں اور نہ کہیں آپ اپنے الفاظ سے اس درجہ متاثر ہوئے یہ اللہ ہی کے کلام اور اس کے الفاظ و معنی کی خوبی و برکت ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کا یہ جاوداد اثر تھا کہ قریش نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منع کر دیا تھا کہ وہ مسجد حرام میں قرآن کو نہ پڑھا کریں کیونکہ اس سے لوگوں کے دل خود بخود مائل ہوتے اور کھینچے جاتے ہیں۔ کلامِ الہی کی جہانگیری ہی کا تو یہ عالم تھا کہ ولید بن مغیرہ کو یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی کہ قرآن ایک الباقی ہے جو غالب رہنے والا ہے اور اس پر کوئی اور چیز غالب نہیں ہو سکتی ہے اور قرآن ہر دوسری چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دینے والا ہے۔

یہ اثر اور نفوذ الفاظ و معنی خداوندی کے خصائص میں سے ہے اور منجملہ بہت سی آیات کے اَلَمْ نَخْلُقْ لِّلْقُرْآنِ سَبْعًا سے بڑا فریضہ ہے کہ قرآن کا اصلی معلم اللہ تعالیٰ ہے گو فرشتہ کے توسط سے ہو اور آں حضرت صلعم نے الفاظ و معنی کو یقین فرما کر اسی کی تعلیم بھی دی کیونکہ یہ قرآن بلاشبہ وہی قرآن ہے جو ایک پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا تھا اور جو خدا کی طرف سے رمضان المبارک کی راتوں میں نازل ہوا تھا۔ قرآن خود شہادت دیتا ہے۔ اِنَّہٗ لَقَوْلُکُمْ رَیْحَہٗ فِیْ کِتَابٍ مَّکْنُوْنٍ۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ الْقَدْرِ چنانچہ آنحضرت صلعم کی زبان سے اعلان کرایا جا رہا ہے اَوْحِیْ اِلَیْہِذَا الْقُرْآنُ یعنی یہ قرآن اپنے الفاظ و معنی کے ساتھ مجھ پر اترا ہے۔ تلاوت اور تبلیغ آیات جس طرح میرے فرشتوں میں ہے اسی طرح تعلیم اور تبیین آیات بھی ہے میں قرآن کو جسبہ پہنچانے پر مامور اور مکلف ہوں اور جہاں کہیں ضرورت ہوتی ہے اس کی شرح و تفسیر بھی کر دیتا ہوں یہ شرح و تفسیر وحی غیر منلوہ ہے نہ کہ میں وحی الہی۔ اگر ایسا ہوتا کہ میں نے خداوندی مفہوم کو اپنے الفاظ میں پیش کر دیا ہے تو کیا انصائے عرب و عدنان ایک بات بھی جواباً پیش کرنے میں قاصر ہوتے اور قرآنی تفسیر و تبلیغ کے سامنے سیر ڈھل دیتے؟

وزیر مامون احمد بن یوسف

از

ڈاکٹر مخدوم شہداء احمد قاری ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

(۳)

احمد کس طرح ان ماحول میں رچی ہوئی عیش پرستیوں سے بچ سکتا تھا پھر بھی ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اپنی انفرادی زندگی میں وہ عام سطح سے کافی بلند تھا اور اس کا خاص سبب اس کی تربیت احمد اس کے گھر کے روایات تھے اس کا باپ یوسف اور اس کا دادا قاسم اپنی اپنی زندگیوں میں کافی مقید تھے اس کے دادا کی بابت تو یہ تصریح موجود ہے کہ اس نے اپنی ماں کی فہمائش پر شراب پی چھوڑ دی تھی اور مرتے وقت تک پھر کسی نہ پی اس ترک میں زیادہ تر خاندانی و اقتصادی مصلحتیں پوشیدہ تھیں اس قسم کا راوی اس کا پوتا ہے وہ کہتا ہے: ”میرا دادا جب (عباسی دفتر کے ساتھ کوفہ سے) بغداد آیا تو وہ صحت احباب کی صحبت میں خوب پیئے پلنے لگا ایک دن اس کی ماں نے کہا: بیٹے تمہیں معلوم ہے ہمارا کنبہ کتنا بڑا ہے اور تمہارے اوپر کتنا بار ہے۔ اگر تم نے شراب (مہینہ) چھوڑی تو ہم برباد ہو جاتیں گے اور دنیا میں تمہاری جو رسوائی اور آخرت میں تم کو جو سزا ملے گی وہ الگ ہے۔ وہ شاعر تھے لیکن انہوں نے جو نہیں کی جس سے شاید ہی کوئی شرگوشیا تھا اور ان کے جو حالات ہم کو معلوم ہوئے ہیں ان سے ان کی سنجیدگی اور سہمت روی کا پتہ چلتا ہے لیکن جس طرح تمدن کے جلوے اور عشرت کی رنگینیاں ترقی کرتی گئیں اسی طرح خاندان کے ہر موسس کی امت بھی خویاں کھوتی اور خرابیاں اختیار کرتی گئی قاسم کے مقابلہ میں یوسف اور یوسف کے مقابلہ میں احمد اور احمد کے مقابلہ میں اس کا لڑکا عبداللہ اس کا ایک اسی نقطہ ہے اس دود کی شراب نوشی کی مبالغہ آمیز داستان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے فی الحقیقت اس کا لڑکا میں بلند نوشی اور شراب خوری میں بہت زیادت فعلی تھانہ معنوی رہبر خان ۲۴ ص ۱۲۱

سلامت رومی میں گرتے گئے جن کے لئے قاسم ممتاز تھا۔

خطیب بغدادی ۱۱۶ھ نے احمد کی ذہنی، ادبی اور فنی قابلیت کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے
”احمد مامون کے قابل ترین، خوش فہم ترین، فنی ترین اور زیادہ سے زیادہ خوبیوں والے سکرٹریوں
میں تھا، اس کی گفتگو عمدہ ہوتی، اس کی زبان روان تھی، اس کے الفاظ خوبصورت ہوتے، اس کا خط
دیکھ کر زیب تھا، غزل، مدح، ہجو میں شعر کہتا تھا، اس کے قہقہے ابراہیم بن محمدی، ابوالعتاہر، محمد بن
دغیرہ کے ساتھ مشہور ہیں۔“

سابق سکرٹریوں کی ادبی لیاقت کے بارے میں عباسی سکرٹریوں کی ایک مجلس میں جب گفتگو
ہوئی تو سب نے متفقہ طور پر شہادت دی کہ عباسی دور میں احمد اور ابراہیم بن عباس سے زیادہ دینی
اور بیخ کاتب (سکرٹری) کوئی نہیں ہوا۔ نیز یہ کہ شعر گوئی میں اس عہد کے سکرٹری شرامی، احمد کانبر
جو تھا ہے (شروع کے تین ابراہیم بن عباس، عبدالملک زیات، اور حسن بن وہب ہیں) عباسی
دور کے ایک ناقد نے کہا: ”ہم کہا کرتے تھے کہ محمد بن عبدالملک زیات دمنوکل کا وزیر جس کو اس نے
قتل کیا، سے پہلے کوئی وزیر احمد سے اچھا شاعر نہیں ہوا“ کتاب الادب والرقاق کے مصنف صولی کے دادا
نے جو نہایت عمدہ شعرو سخن کا ذوق رکھتا تھا، یہ رائے دی: ”شعر و نظم بوسف کے لڑکوں میں بٹ گئی
احمد نثر میں اور قاسم اس کا بڑا بھائی جو جانوروں پر نہایت عمدہ شعر کہتا تھا، نظم میں سب سکرٹریوں سے
بازی لے گئے“ کہا گیا ہے کہ اس شخص بلاغت میں بے مثال گذرے ہیں ان میں سے ایک احمد تھا۔
صولی نے احمد کے دو سچے کچھ اوپر شروع دیے ہیں، یہ چیدہ شعر ہیں اور میں کے قریب ان کی توثیق
(تو قیغ اس الفاظ میں مختصر معنی میں مفصل یعنی بیخ) حکم کو کہتے تھے جو وزیر یا خلیفہ سرکاری کا خطاب
پر ثبت کرتا تھا خطوط اور بات چیت کے نمونے دئے ہیں ان میں سے چاس شروع دیتے تھے
ابراہیم غلام محمدی کا اردو کا تھا، گانے بجانے کا ماہر تھا، شعر گوئی، موسیقی اور تفریح اس کے خاص مشاغل تھے جب
مامون نے حضرت علی کے خاندان کے ایک فرد کو خلافت کے لئے نامزد کیا تو عباسی مائدہ بزم گئے انداموں کی بیعت شروع
کرنے ابراہیم کو خلیفہ باغیاد مامون اس وقت خراسان میں تھا اور مامون کے وزیر فضل کو قتل کرادیا۔ علی صولی نے
مناصرتی ممتا نے صولی نے وقت و وقاس اور متعدد رسائل مینا،

اور صنف نازک کے حسن جسمانی کے بلجے میں ہیں، ہائیں جو بلج یا پھٹیوں پر مشتمل ہیں یہ بڑی رائج الوقت صنف تھی اور بڑا موثر حربہ، پچیس فراق یا رادرا سی قدر دوست کی کج ادائیگوں پر ناراضی سے متعلق چند شعروں میں محبوب کے دے ہوئے پھول کی صحبت میں شب باشی کا دل کش نقشہ پیش کیا ہے کچھ میں ان نفسیاتی و عینوی تاثرات کی عکاسی ہے جو اختیار کے سامنے محبوب کی ملاقات سے پیدا ہوتے ہیں، متحد اشعار گانے بجانے سے دلچسپی، امر و کامیوں سے دلچسپی کے مشعر ہیں۔

توئیات چونکہ سرکاری احکامات ہیں، خطوط و کلام بھی چونکہ ایک ذمہ دار اور بادشاہ آدمی کے قلم اور زبان سے نکلے ہیں اس لئے وہ متانت و راستبازی کے مظہر ہیں۔

ہم یہاں ایسے اشعار کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جن سے اس کی سیرت و ماحول پر روشنی پڑتی ہے
۱۔ جب مامون نے احمد کو وزیر مقرر کیا تو ایرانی عید نوروز کے موقع پر احمد نے اس لاکھ دہم یعنی پانچ لاکھ روپے کا ایک تحفہ اس کو بھیجا اور چند شریکے جن کا ترجمہ ذیل میں ہے نوروز یا ہر جان ان کسروی تہواروں میں ایک تھا جن کو عباسی حکومت نے اختیار کر لیا تھا۔ تحفہ دینے کی رسم بھی ایران سے آئی تھی اور اس رسم سے بڑے بڑے ناجائز کام نکالے جاتے تھے۔ درحقیقت یہ ایک ہندو رشوت بھتی جو بڑے لوگوں کو دی جاتی تھی۔ جو لوگ تحفے قبول کرنے ایک طرف تو ان کی حسن برتری اور انانیت کو لطف آتا دوسری طرف اخلاقاً تحفے دینے والے کے ساتھ محابات و نرمی برتنے پر مجبور ہوتے۔ تحفہ دینے والا اگر اسے ہوتا تو سرخروئی اور خود غرضی کے نشہ میں تحفہ کی قیمت، اکسیت اور کیفیت بڑھانے کے لئے مانتوں کو خوب کھسکاتا اور یہ مانت ٹیکس دینے والوں کو ظلم، بے ایمانی، زلف سے بے توجہی اس کے نتائج تھے جس میں لونڈیاں بھگانے بجائے اور عشوہ طر ایک ایک ہرختی ہار کے خاص طور پر تحفے میں دئے جاتے خراسان کے گورنر نے بقول مصنف عروج الذہب راقب اس از منی و اسلام ۱۱/۱) خلیفہ متوکل کو ایک سونادر غلام اور سولونڈیاں تحفہ میں بھیجی تھیں۔

غلام پر ایک حق ہے جو وہ ادا کر کے رہے گا چاہے آتا کتا ہی ذی جلال اور پر عظمت کیوں نہ ہو

(۲) کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم اللہ کو اس کا دیا جو مال تحفہ میں دیتے ہیں اگرچہ وہ بے نیاز ہے بلکہ

نبول کر لیتا ہے مگر شاہ کو اس کی تندہ کے مطابق ہدیہ دینے کی کوشش کی جائے تو

سمند پنی وسعت و ظرف کے باوجود اس کا حق نہیں ادا کر سکے گا۔

۱۱) ایک بڑے آدمی اسحاق بن سعید کی بھو۔

میرے قطع محبت کر کے مجھ سے دور ہو کر اور اس خرافت برت کر مجھ پر احسان کرو اور جب

اپنے محبوب کو تنہائی میں دیکھ کر دو خوب خوب میری برائی کرنا اور زانی کے نقطہ سے کم

میرے لئے استعمال نہ کرنا، میں نے حد زنا سے تم کو امان دی۔

۱۲) محبوب کے ہاتھ کا بھول۔

کل تم نے اپنے ہاتھ سے زنگس کا بھول دیا مات بھروہ میرا ہم سب راہ مولس رہا۔ اللہ

نے مات کی تاریکی میں میرے لئے ایک مجلس نشاط فراہم کر دی جب اس کی ہلک آتی

میں کہتا میرے محبوب کی سانس ہے۔

۱۳) ایک امرو کا نب محمد بن سعید کے بارے میں۔

۱۱) محمد بن سعید جو گردن موڑنے وقت سارے جہان سے زیادہ حسین ہو جاتا ہے مجھ

سے روٹھ گیا ہے۔ (۲) بغیر کسی قصور کے مجھ سے مخوف ہو گیا، اس کا سبب پند احسن

کے طواغوت اور کچھ نہیں۔

۱۲) محمد بن سعید کو رات محمد کے سامنے بیٹھ کر دفتر میں لکھا کرتا تھا ایک دن احمد نے دیکھا کہ اس کے چہرہ

پر دھن نمودار ہو گیا ہے اس نے ایک پرچہ پر یہ شعر لکھ کر محمد کے سامنے ڈال دیا۔

اے ہالو، خدا تمہارا برا کرے تم نے اس کے چہرہ کو مانتی لباس پہنا دیا۔

(۲) تم نے اس کے رخسار کی سرخی پر حکر کر کے کالا کر دیا۔

لڑکے نے پرچہ کے نیچے لکھ دیا، جناب کو خدا مجھ سے بہتر بدل چکا کرے۔

۱۳) فراق کا ایک سینہ

طہ صولی ۱۳۱۰ شاد ۱۴۰۰/۱ محمد بن حمید، گتہ صولی ۱۳۱۰

جہاں سے پہلے جہاں آسمان قتل آتی تھی پھر وہ زیرِ فاکل بن گئی۔

۱۴۔ جہاں کے وقت آنسو اس کے رخسار پر اس طرح نچے جیسے اوس سورج گلاب پر

گڑبڑی ہو

دعا احمد مامون کی بوٹھی مولیٰ سے التفات برتنا تھا۔ مامون کسی بات پر اس سے روک دیا اور بارہ
سفر مکہ سے شمسہ چو گیا اور مولیٰ کو ساتھ لیا۔ مولیٰ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اس نے احمد کے پاس
بارہ جہتی کے لئے قاصد بھیجا۔ احمد کو جب حقیقت کا علم ہوا تو گھوڑے پر سوار ہو کر شمسہ چو گیا اور مامون
کے داروغہ دور سے کہلوا بھیجا کہ میں بحیثیت پیامبر آیا ہوں مامون نے اندر بلا کر پوچھا کیا پیغام ہے؟ اس
نے اپنے یہ شعر مولیٰ کی طرف سے پڑھ سنائے مامون کی ناراضی دور ہو گئی اور مولیٰ کو اس نے شمسہ
بولا:۔

۱۱، آپ کی غفلت پہلے پوشیدہ تھی آج (جب کہ آپ مجھے چھوڑ کر شام سیدہ چلے گئے، صاف صاف کھل گئی۔

(۳) دشمنوں کے دل کی آرزو پوری ہوتی یہ دیکھ کر کہ میں رہ گئی آپ بے گئے

(۳) مان لیجئے محمد سے بھی زیادتی ہوئی لیکن آپ تو ہمیشہ زیادتی سمجھنے، درگزر کرنے اور مہربانی سے پیش آنے کے حامی رہے ہیں۔

(۸) اچھا لڑنے و فتر کے ایک حسین کاتب سے محبت تھی؛ کسی دوست نے اس کو طومت کی تو اس نے یہ شو کیا۔۔

وہ اگر میرا جیسا ہے تو علامت دکرو، کیونکہ علامت دوست کے شایانِ شان نہیں

اس لڑکے کو احمد نے کئی دفعہ میں دوس لاکھ مدہم یعنی تقریباً پانچ لاکھ روپے انعام دئے تھے۔

ہر وہی کو مستند سنت کی حیثیت و شہید کے جانشین امین نے عطا کی تھی اس کے بارے

اصل خطی که در شاهنامه و مثنوی است که در شاهنامه و مثنوی است که

اس طرح کے عزوات سے غیر معمولی شغف کا اظہار کرتے۔ (پہاں)

میں طبری نے یہ الفاظ کہے ہیں: جب محمد بن امین خلیفہ ہوا ۱۹۳ھ اور اپنے بھائی مامون کو اپنی خلافت تسلیم کرنے کے لئے لکھا اور اس نے تسلیم کر لی تو اس نے حسین خفصی لڑکوں کے کھوج میں لگا دیے اور ان کو بڑی بڑی قمیصیں دے کر خریدوا اور کھانے پینے اور دینی معاملات حکومت کے سارے امور ان کے سپرد کر دیئے اور ان کی ایک مثنیا تیار کی جس کا نام حمیرا دیا رکھا، دوسری مثنیا حبشی غلام کی بنائی اور اس کا نام غرابیہ رکھا اور آزاد عورتوں اور لونڈیوں کو نظر انداز کر دیا حتیٰ کہ ان کی عصمت مٹوانی ہو گئی یہ سنت بمصادق الناس علی دین ملوکہم زلوگ اپنے بادشاہوں کے طور طریق پر چلتے ہیں حرم خلافت سے نکل کر فروغ پانے لگی اور اس کا ایک فلسفہ تیار ہوا احمد بھی اس سنت کا مقتول تھا اور شاید اپنی خواہش کے علی الرغم ماحول کی ہوا میں جو زیر سرایت کر گیا تھا اس کے اثر سے وہ کیونکر بچ سکتا تھا۔

خلافت عباسیہ

جلد اول

تاریخ ملت کا پانچواں حصہ جس میں نو عباسی خلفاء سفاوح، منصور، مہدی، ہادی، ہارون امین، مامون، معتصم، اور واثق باللہ کے سوانح حیات ایک خاص اسلوب سے جمع کئے گئے ہیں خلافت عباسیہ کا یہی دور حقیقت میں دور عروج تھا اور اس دور میں عباسی خاندان کی قوت و اقتدار کا رعب تمام ہمسایہ سلطنتوں پر چھایا ہوا تھا کتاب کے اس حصہ میں آپ کو نہ صرف ان عظیم الشان خلافتوں کے جامع و مستند حالات و واقعات ملیں گے بلکہ ہر خلیفہ کے عہد حکومت اور اس کے علمی، مذہبی، تمدنی، اور اصلاحی کارناموں پر دلپذیر تبصرہ بھی ملے گا جس سے مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کے مرکز بغداد کی عظمت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے صفحات ۳۴۴ قیمت غیر ملکہ

جلد دوم

ادب المفرد امام بخاری کی ایک گراں قدر شرح

از

(مولانا ابو محفوظ الکریم صاحب مہتممی استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

امام الامام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن مغیرہ حنفی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فہرست و برکات سے امت مسلمہ تاقیامت فیض یاب ہوتی رہے گی، دنیائے اسلام میں امام صاحب کی تصنیفات کو فائدہ اہمیت و عزیت حاصل ہے، الجامع الصحیح نے علاوہ آپ کی مختلف تصانیف میں جن میں سے بعض شائع ہو چکی ہیں اور اکثر و بیشتر غیر مطبوع یا مفقود ہیں۔

لہ تصانیف کی فہرست مع اسماء و رواۃ حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ الادب المفرد : راوی احمد بن محمد الجلیل (بلجیم) البزار
- ۲۔ بر الوالدین : ہر روایت محمد بن ولید الدقاق
- ۳۔ التاسیخ الکبیر : یہ کتاب اٹھارہ برس کی عمر میں مزین نبوی کے پاس چاندنی شب میں تصنیف کی گئی، اس کے دو راوی ابو احمد محمد بن سلیمان اور ابو الحسن محمد بن سہل نسوی قابل ذکر ہیں (دائرۃ المعارف جدیدہ) سے شائع ہوئی ہے۔
- ۴۔ التاسیخ الاوسط : ہر روایت عبد اللہ بن احمد بن عبد السلام الخفاف و زین العابدین (اس کا علمی نسخہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ جدیدہ آباد میں موجود ہے۔
- ۵۔ التاسیخ الصغیر : راوی عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمن الاشقر (الآباد میں بھی ہے)
- ۶۔ خلق أفعال العباد : امام بخاری اور محمد بن یحییٰ ذہبی التوفی حنفی علی الصحاح قول، کعبہ بینک مباحث سے متعلق یہ سالہ راوی یوسف بن ریحان بن عبد الصمد اور فریری ردی میں طبع ہوئی ہے)
- ۷۔ کتاب الضعفاء : راوی ابو بشر محمد بن احمد بن حاد و ولید، ابو حنیفہ بن سیدہ اور آدم بن حنیفہ
- ۸۔ کتاب البیہ کی علامہ ابن حجر عسقلانی کے روایات سے ہیں و دوسری تصانیف کے نام اللہ و اہل ان کے ذکر ہے۔
- ۹۔ الجامع الکبیر : ابن طاہر نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(تبعاً برفیقہ)

۱۰۔ المسند الکبیر

امام صاحب کی وہ تصانیف جن کی طباعت ہو چکی ہے ان میں سے ایک ادب المفرد ہے جس کا نام ابن النذیم نے کتاب ادب اور حاجی خلیفہ نے ادب المفرد بتایا ہے، امام سیوطی نے اسی کتاب کے منتخب ادب المفرد من ادب المفرد کہا تھا۔

ادب المفرد مقرر ہے چھپ کر نکلے ہے لیکن اس کی تصحیح و تفسیر میں بہت کم اہتمام کیا گیا ہے بتایا و سخت عزت ملی کہ اس کی صحیح علی خدمت کی جائے، الحمد للہ کہ اس خدمت کا بارگراں ملک کے گرامی قندناضل مولانا شاہ فضل اللہ نزہی حیدر آباد کن بنے اپنے سر لیا اور ایک مدت کی بہیم سرگرمی کے بعد اس کی ایک محقق و متین شرح پیش کی ہے، کتاب کا نام فضل اللہ الصمدی توضیح الادب المفرد ہے۔

شرح کی عزیزی، محنت شاقہ، اہل طمانہ تحقیقات کا اندازہ اہل ذوق حضرات ہی کر سکتے

۱۰، تفسیر الکبیر : اس کا ذکر فری نے کیا ہے۔
 ۱۱، کتاب الإشارة : دار قطنی نے المؤلف و المصنف میں ذکر کیا ہے۔
 ۱۲، کتاب العبد : اس کا ذکر امام بخاری کے مدق محمد بن ابی حاتم نے کیا ہے
 ۱۳، اسامی الصحابة : ابو القاسم ابن منذ نے اس کا ذکر کیا ہے ابن منذ نے اس کی روایت بخاری
 ابن خاری کی ہے، ابو القاسم بخاری نے معجم الصحابة میں ابن منذ نے کتاب المعرفة اور کتاب الوجہ میں اس کا ذکر کیا ہے
 ۱۴، کتاب المبسوط : خطیب نے کتاب الارشاد میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا کہ اس کے راوی حبیب بن سلیم ہیں۔

۱۵، کتاب العلل : ابن منذ نے اس کی روایت بطریق محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی محمد عبد اللہ بن اشری من ائمہ کی ہے

۱۶، کتاب الکفی : ابو احمد الحاکم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۷، کتاب الغراء و خلف الامام : راوی محمد بن اسحق الطوسی

۱۸، کتاب الخواص : امام ترمذی نے کتاب اللقب میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۱۹، فتح البدر فی الصلاة : راوی الخزامی ذکر۔

۲۰، کتاب السنن فی الفقه : فہرست ابن الخلیفہ مصری۔

۲۱، کتاب الغراء و خلف الامام : راوی محمد بن اسحق الطوسی

۲۲، کتاب الغراء و خلف الامام : راوی محمد بن اسحق الطوسی

ہیں، یہ شرح ہند اور بیرون ہند کے اکابر طاعین شہ مولانا سید یوسف ہندی صاحب مدنی و مولانا
علامہ عبدالغزیز مبین، سید سلیمان مدنی، سید مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر ایت، اکو کو اور دیگر شخصیات
بارزہ سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔

کتاب شروع سے اخیر تک یکساں طور پر مسبوہ تحقیقات سے آراستہ ہے، شائع نے
تفصیح، تخریج احادیث، اور ایضاً مطالب کے ساتھ ہر حدیث کی سند اور متن پر حسب ضرورت
محققانہ کلام کیا ہے جس سے معانی و مطالب کا ہر پہلو جھلک اٹھا ہے، رجال و سنن اور دیگر علوم و
فن کی مستند مطبوعہ و غیر مطبوعہ نادر کتابوں کے حوالے بکثرت دیتے ہیں ذیل میں شرح کے بعض
اقتباسات بطور نمونہ ہدیہ ناظرین میں کان کو بھی اس کی اہمیت و خصوصیت کا اندازہ ہو جائے۔

(الف) بحث قبیل الایدی والاحمل: امام بخاریؒ نے الادب المفرد کے متفرق مقامات

میں اس بحث سے متعلق احادیث بیان کی ہیں شارح نے ان سب کو اور اس مضمون کی دوسری
احادیث و آثار کو جو مختلف کتابوں میں مذکور ہیں یکجا کر دیا ہے، اور ہر حدیث و اثر پر ملا و ما علیہ
نقادانہ کلام کیا ہے اس طرح اس مسئلہ کی پوری تیق و توضیح ہو گئی ہے۔ پوری بحث فل اسکیپ سائیکس
اٹھائیس صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے، یہ قصداً مختصار اس طویل بحث کا صرف ایک پیرا گراف پیش کیا جاتا ہے۔

سعد ثنائیس بن حفص قال حدثنا طالب بن عجل العبدی قال حدثنی

ہود بن عبد اللہ بن سعد سمع جده مزیدۃ العبدی قال جاء ابا عبد اللہ

مثنیٰ بن حنفی اخذ بید النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقبلها "الادب المفرد"

اس حدیث کی تخریج امام بخاریؒ نے کتاب التاریخ (۲/۲/۳۱) میں بھی کی ہے کتاب التاریخ

میں یہ الفاظ ہیں۔

ابو ہریرہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا

انیتا انفی صلی اللہ علیہ وسلم

تو میں حضور کے قریب پہنچا انا آپ کے دوست

فقلت الیہ فقبلت بیدہ

میں آپ کو بوسہ دیا۔

سند جبج | ابن الفطان کا بیان ہے کہ مورد ابن عبد اللہ (مجهول الحال ہے، اسی طرح طالب ابن محمد بھی مجهول ہے، گویا ابن الفطان نے ابن عبد البر کی توثیق کی طرف دھیان نہیں دیا،
حدیث فیہ | امام ترمذی نے یزید بن الاسود کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مختلف طرق سے مستند امام احمد ۱۱۶۰۴ میں موجود ہے، لیکن اس میں تفصیل کا ذکر نہیں ہے البتہ ایک روایت کے الفاظ ہیں :-

تَعَاثُرَ النَّاسِ يَأْخُذُونَ بِيَدِهِ
 دیکھو لوگ حضور کا دست مبارک تھامنے لگے اور
 دیکھو بھاد جو ہلے۔۔۔
 اس کو اپنے چہروں پر ملنے لگے،

ایک اور روایت میں اسی کے ہم معنی الفاظ ہیں، ان دو کے علاوہ روایتیں اس مضمون سے خالی ہیں
ابن الاسود کی روایت صرف ان کے لڑکے جابر سے مروی ہے، پھر جابر سے یعقوب بن عطاء کے
 سوا کسی نے اس کی روایت نہیں کی، جابر کی توثیق امام نسائی، ابن خزمیہ اور ابن حبان نے کی ہے
 اسی طرح امام ترمذی نے جابر کی بعض روایات کو صحیح کہا ہے،

قتیع سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نسائی ایسے تابعی کی توثیق کرتے ہیں جس سے صرف ایک
 راوی نے روایت کی اور اس کی روایت کے معاند شواہد و متابعات موجود ہوں، لیکن ایک دو
 حدیثیں اگر شاہد و متابع کی وجہ سے صحت کو پہنچیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ راوی کے ملکہ صدق و ضبط کی
 سند بالکل آگئی، اس لئے کہ جو ملے کی روایت کسی صحیح میں ہو جاتی ہے اور منقطع کسی مصیب میں ہوتا ہے
 عاودہ میں ایسے راوی کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی ایسی منکر روایتیں بھی ہوں جن کا علم موثق
 کو نہیں ہوا۔ اگر ان کا علم موثق کو ہوتا تو کسی اس راوی کی توثیق نہ کرتا، اس قسم کی توثیق سے ایک عامی
 کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ جب کسی امام جرح و تعدیل نے راوی کی توثیق، اس کی بعض صحیح روایات
 کی بنا پر کر دی تو اس کی دوسری روایتیں جن کی اطلاع اگرچہ موثق کو نہ ہوئی ہو، صحیح و صحیح بہ جو گتیں

نہ اب قبلہ الیہ والہ علیہ ۲ ص ۴۰۰ و ۴۰۱، امام ترمذی نے صفوان بن عسل کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے

وہی علیہ من یزید بن الاسود و ابن عمر و کعب بن علقمہ۔۔۔ امام احمد نے ابن الاسود السوئی کی حدیث

جو طرق سے روایت کی ہے وہ، ہشیم (۲)، عبد الرحمن بن عبدی (۳)، یزید بن ہارون (۴)، محمد بن جعفر

(بقیہ حاشیہ پر صفحہ آئندہ)

امام نسائی نے مذکورہ بالا اصول ہی کے مطابق خالد بن سمیر، رافع بن اسحق، زہیر بن الکمر، اود سوید بن قیس الجعفی وغیرہ کی توثیق کی ہے،

ابن خزمہ توثیقِ رواۃ میں امام نسائی کے قریب ہیں، لیکن بہ نسبت امام نسائی کے زیادہ وسعت سے کام لیتے ہیں ابن حبان کا دائرہ توثیق اتنا وسیع کہ تسامع کہ جاتے ہیں، امام ترمذی نے تصحیح کی جو شرط مفرد کی ہے وہ بہت ضعیف ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان موثقین کی توثیق کے باوجود، ابن المدینی، محمد بن یحییٰ، ابو حاتم، امام احمد جیسے اجلہ کبار کے نزدیک جابر بن یزید مجہول ہے،

طبقاتِ موثقین | بہتر ہے ایسے ائمہ توثیق میں جو صرف راوی کی روایات کا اعتبار کرتے ہیں، اگر کسی راوی کی روایتیں ایسی ہیں کہ ان کی تقویت شواہد و متابعات کے ذریعہ ہو جاتی ہے تو اس کی توثیق کرتے ہیں ان موثقین کے مختلف طبقات ہیں،

اعلیٰ و احوط طبقہ ان موثقین کا ہے جو راوی کی ایک روایت کی صحت پر مطمئن نہیں ہوتے بلکہ اس کی متعدد روایات کے شواہد و متابعات کی تفتیش کرنے کے بعد جب راوی کا صدق و ضبط معلوم کر لیتے ہیں تو اس کی توثیق کرتے ہیں، ابذر رحمہ کا شمار اسی طبقہ میں ہے۔

دوسرا طبقہ ان کا ہے جن کے نزدیک توثیقِ راوی کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ راوی کی ایک یا دو حدیث کی تقویت متابع و شاہد سے ہو جائے، اس طبقہ میں ابن معین اور امام نسائی ہیں۔

تیسرا طبقہ ان کا ہے جن کے نزدیک توثیق کے لئے متابع و شاہد کا وجود شرط نہیں بلکہ اتنا کافی ہے کہ حدیث کا مخالف موجود نہ ہو، ابن خزمہ کا شمار اسی طبقہ میں ہو سکتا ہے، ابن حبان کا تعلق بھی اسی طبقہ سے ہے لیکن وہ ابن خزمہ سے زیادہ سہولت برتتے ہیں، محلی اس معاملہ میں اتنے

دقیقہ و مشفق گذشتہ ان چاروں کی روایتیں معنفون مسیح الید سے غالی ہیں (دعا) اسود بن عامر و ابی المنذر،

ان دونوں کے الفاظ شامح نے نقل کئے ہیں (۶) بہر کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: فہا نہ لمت انہم الناس

حق و صلت ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذت بیدہ فوضعتہا اماما علی وجہی و صدمتہ فی

و مستطام احمد ج ۳ ص ۱۳۴

ڈھیلے ہیں کہ بعض ایسے تابعی کی بھی تو حق کر دیتے ہیں جو عند المحدثین مطعون ہوتا ہے،

رحمہم ذیل میں باب فضل سلمۃ الزہری کی دوسری حدیث کی تخریج ۵ حفظ فرمائیے، اس کی سند

۵۴۶:

حدثنا مفضل بن ابی اوس قال حدثنا اخي عن سليمان بن بلال عن محمد بن

ابی عقیق عن ابن شہاب الخ

اس حدیث کی تخریج حاکم نے مذکورہ بالا سند اور مسند احمد کی سند ثنا بشر بن شعیب بن ابی حمزہ حدثنی ابی عن الزہری ج ۱ ص ۱۹۴ کے ساتھ ایضاً بطریق ابی الیمان عن شعیب دستدرک ۱۸۴ کی ہے اس کی روایت سعادت بن یحییٰ حدثنی نے بھی امام زہری سے کی ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم کی کتاب میں ترجمہ "رداد" سے ظاہر ہے اس کی روایت مسند میں مندرج ذیل سند کے ساتھ بھی ہے:-
 ثنا عبد الرزاق ابنا معمر عن الزہری حدثنی ابو سلمۃ بن عبد الرحمن أن ابا الرداد الطیشی أخبرہ عن عبد الرحمن بن عوف "اسی طریق سے محمد بن المتوکل بن ابی السری العسقلانی اور اسحق دبری کی نقل علی الترتیب ابو داؤد اور ابو عبد اللہ الحاکم (۴/۵۷۱) کے یہاں موجود ہیں، ان کے الفاظ "ان حماد الطیشی أخبرہ" ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں: وراوی معمر ہذا الحدیث عن الزہری عن ابی سلمۃ عن حماد الطیشی عن عبد الرحمن بن عوف "ابن حبان ثقات التابعین میں کہتے ہیں "حماد الطیشی حفظہ معمر" ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ بعض نے "رداد" اور بعض نے "ابو الرداد" کہا ہے (کلائی المستدرک)

یہاں دو احتیاجات ہیں، ایک یہ کہ معمر نے "رداد" کہا اور عبد الرزاق نے بھی اسی طرح روایت کی لیکن مسند احمد کے راوی ابو بکر احمد القطیبی سے تملیظ واقع ہوئی یا بصریہ ابن المذہب کی تملیظ ہے

۵۴۶ خط بدست مطبوع ۱۸۴۱ و ۱۸۵۰ علیہ تصحیح ترمذی، ایضاً کتاب المہرۃ نمبر ۲۵۴ (شرح) (۱۲) سنن ابی داؤد

کتاب الاموال باب من روى عن حماد الطيشي عن حماد بن عوف: هذا ابو الرداد الطيشي الخ

جس نے قطعی سے مسند کی روایت کی ہے، فرض عبدالرزاق کی روایت میں ان ابوالرحمہ میں سے کسی ایک کی تھیلہ ہے، وہ سزا احتمال ہے کہ مترک کی روایت کے الفاظ بعینہ وہی ہیں جو مسند میں واقع ہیں، لیکن محمد بن المنوکل وغیرہ نے جب عبدالرزاق سے سماع کیا تو انہوں نے ”رواد کہا“ ترذی ابو حیان کا خیال ہے کہ یہاں پر خود معروکہ وہم ہوا ہے، بہر حال صحیح ابوالرواد ہے،

اس کی روایت امام ذہری سے سفیان بن عیینہ نے بھی کی ہے، لاحظہ ہو مسند درج اول ص ۱۹۴ اس کے الفاظ یہ ہیں: ثنا سفیان عن الزہری عن ابی سلمۃ قال اشکى ابوالرحمہ ادفعادہ عبدالرحمن بن عوف قال ابوالرحمہ ادخلہم وادصلہم ما علمت ابی محمد انقال عبدالرحمن بن عوف المحدث،

ابن عیینہ کی روایت ترذی میں بہ طریق ”ابی عمرو سعید بن عبدالرحمن“ قالا ثنا سفیان بن عیینہ۔ ”موجود ہے، حاکم نے مستدرک میں بہ طریق الحمیدی عن سفیان اور ابوالرواد نے بہ طریق مسدد والی بکر بن ابی شیبہ قالا ثنا سفیان۔ ”خریج کی ہے، لیکن ابوالرواد کے بیان میں قصہ مذکور نہیں بلکہ یہ ہے: قال عن ابی سلمۃ عن عبدالرحمن بن عوف قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابن عیینہ عن الزہری کی متابعت سفیان بن الحسن نے کی ہے ابن الحسن کی روایت مستدرک حاکم میں ان فقرات میں موجود ہے: عن ابی سلمۃ قال ما د عبدالرحمن بن عوف ابوالرواد قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول۔

ابن عیینہ اور ابن الحسن کی روایتوں سے یہ صاف ہو گیا کہ صحیح ”ابوالرواد“ ہے اب اس روایت کے اتصال و انقطاع سے بحث ضروری ہے،

ابن ابی عتیق، شعیب بن ابی حمزہ، معمر، اور معاویہ بن یحییٰ الحدادی کی روایت کی بنا پر لہ عن الزہری عن ابی سلمۃ قال اشکى ابوالرواد فادہ عبدالرحمن بن عوف الخ ترذی ۲/۳/ طبع مسند ترمذی کے ہندی نسخوں میں ابوالرواد کے ابوالرواد لکھا ہے، یہ خطا طبعی ہے

حدیث متصل السند ہوگی اس طرح کہ ابو سلمہ نے ابو الروداد سے سماع کیا اور ابو الروداد نے عبدالرحمن بن عوف سے مرفوعاً روایت کی۔

ابن عیینہ اور سفیان بن العیین کی روایات کی بنا پر منقطع السند ہوگی، اس لئے کہ ابو سلمہ جس واقعہ کی حکایت کر رہے ہیں اس کا تعلق عبدالرحمن بن عوف اور ابو الروداد سے ہے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی وفات ابو سلمہ کی سنز سنی میں ہوئی لہذا براہ راست حضرت عبدالرحمن سے ابو سلمہ کی روایت ثابت نہیں ہوتی اسی طرح ابو داؤد کی روایت میں بھی انقطاع ہے، یہاں پر ایک امر قابل توجہ یہ ہے کہ امام ترمذی سفیان بن عیینہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”دراوی معمر ہذا الحدیث
عن الزہری عن ابی سلمۃ عن
الحجاج الملقی عن عبد الرحمن
ومعمر کذا یقول، قال محمد
”معمر نے اس حدیث کی روایت بہ طریق زہری عن
ابی سلمہ عن رواد الملقی عن عبد الرحمن کی ہے اور معمر
اسی طرح کہتے ہیں، محمد بخاری، کا بیان ہے کہ معمر
کی حدیث صحیح نہیں“

”بخاری، وحدیث معمر خطا“

اس عبارت سے مرشح ہوتا ہے کہ منشاء خطا دونوں باتیں ہیں، یعنی رواد کہنا اور وصل سند، یا امام بخاری کا اشارہ صرف اس طرف ہے کہ ”رواد کہنا صحیح نہیں، تہذیب میں حافظ ابن حجر، ترمذی کے اس بیان کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ابو حاتم رازی کا بھی یہی قول ہے کہ معرووف ”ابو سلمہ عن عبدالرحمن“ ہے، اللہ ابو الروداد کا ذکر فقہ میں ضرور ہے، اس سے پہلے ابن حجر نے ابن حبان کا قول نقل کیا ہے کہ:

وما حسب معمر احفظہ راوی

”شاید معمر اس حدیث کو محفوظ نہ رکھ سکے اس کی

حدیث اصحاب الزہری عن

روایت اصحاب زہری بہ طریق ابی سلمہ عن عبدالرحمن

ابی سلمۃ عن عبد الرحمن بن عوف کرتے ہیں۔

ترمذی نے حدیث ابن عیینہ کو صحیح کہا ہے لیکن انقطاع کی بنا پر ترمذی نے ترمذی کی تصحیح کے متعلق کہا ہے ”مذکور“

رحمن المعبود ۲/۶۰

پھر ملاحظہ فرماتے ہیں کہ شعیب بن ابی حمزہ کی روایت سے روایت معمر بن نفیع ہوتی ہے لیکن معمر کا رواد کنا خطا ہے۔

ابن حبان نے زہری کے جن اصحاب کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے ابن عیینہ اور سفیان بن الحسن کی روایتیں تو ہم پاس کے، ان دونوں کے ماسوا اصحاب زہری میں سے کسی اور کی روایت نہیں ملی، مستند ک حاکم میں بھی صرف ان دونوں کی روایتیں ہیں، حالانکہ حاکم ہر باب کی روایات بالا ستیاب ذکر کرنے کے خواہر میں، غرض معمر کے خلاف صرف دو روای ہیں جن میں سے ابن عیینہ روایات زہری میں معمر کے ہم مرتبہ ہیں، ابن معین کے نزدیک معمرا ثبت فی الزہری میں، اگرچہ یحییٰ القطان کے نزدیک ابن عیینہ "احب" ہیں

علامہ ازہر معمر کے متابع تین ہیں، شعیب جو اثبت الناس فی الزہری میں، محمد بن ابی عیینہ جن کے متعلق محمد بن یحییٰ جیسے "اعلم الناس بحديث الزهري" کی شہادت ہے کہ وہ "حسن الحديث عن الزهري" ہیں، تیسرے متابع معاویہ بن یحییٰ الصدقی ہیں، یہ ضعیف ہیں البتہ ان کی وہ روایتیں جن کے راوی ہفیل ہیں قابل قبول ہیں لیکن اس حدیث کے متعلق خبر نہیں کہ ہفیل کی روایت ہے یا کسی اور کی،

سفیان بن عیینہ کے متابع صرف سفیان بن حسین ہیں مگر "ضعیف فی الزہری" میں، معمرا ان کے متابعین کی روایتیں اگرچہ قوی و ثابت ہیں تاہم سفیان بن عیینہ کی طرف خطا کی نسبت نہیں کی جاسکتی ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابو سلمہ نے کبھی تو صرف حدیث کو بیان کیا اور کبھی فقہ کی توضیح بھی کر دی لہذا زہری کی روایت میں کبھی فقہ بھی موجود ہے اور کبھی صرف حدیث ہے،

خلاصہ المقال یہ کہ معمر کو خطا وار ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے، اگرچہ اس فقہ کی وجہ سے پیچیدگیاں بڑھ گئی ہیں لیکن صرف فقہ کی بنا پر معمرا ان کے متابعین کو خطا وار نہیں کہہ سکتے۔ ابن ہشام بن زید بن عبید اللہ اسکسی، ہشام قبہ نام محمد بن عبد اللہ ہے حافظ متفقین میں سے ہیں مسند ابن ہشام کے متعلق ہے۔

ابن الجندی کہے ہیں کہ اس روایت میں سفیان بن اکھسین کو رویم ہو گیا ہے کہ انھوں نے ابو اسیم بن
 جندب بن عوف کو کہا ہے۔ (فتح البیوم ص ۱۱۲)

یعنی مقدمہ سطوح میں باب حسن الملک کی حدیث کی تصحیح و شرح نظر فرمائیے۔

محمد بن حنفیہ بن عمر قال حدثنا عمر بن الفضل قال حدثنا نعیم بن یزید
 قال حدثنا علی ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 لما قتل قال یا علی انی بطبق اکتب لہ ما لا تفضل امتی نرا و احملہ من بعدہ

مکتبہ حفظہ من ذراعی الصحیفۃ و کان رأسہ بین ذراعیہ و ہندی یومی
 بالصلوۃ والزکاۃ و ما ملکت ایما لکم و قلا کذا کفی قاضی نفسہ و امرہ بشہادۃ
 ان لا اله الا اللہ و ان محمدا عبدا و رسولہ من شہد بہما حرم علی النکا
 ہ و کذا الخ اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ حضرت ابن عباسؓ کے ذکر کردہ واقعہ یوم النہس کے
 واقعہ معلوم ہوتا ہے حسب ذیل وجوہ کی بنا پر۔

۱۔ الف، واقعہ یوم النہس میں حضور اکرمؐ روحی نداء کا خطاب صحابہ کرام کی ایک جماعت سے
 سے ہے اور اس واقعہ میں صرف حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ الشریف کو خطاب ہے، (ب، یوم النہس
 کے قصہ میں صحابہ کرام کا تنازعہ مذکور ہے اس واقعہ میں اس کا ذکر نہیں، (ج، اس واقعہ میں صحابہ کو
 تین باتوں کی نصیحت ہے، ان میں سے دو باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ اس واقعہ میں ان باتوں میں سے ایک بات مذکور نہیں
 بلکہ پہلی دوسری بات نصیحت ہے۔ (د، وہ واقعات سے چند روز پیشتر یوم بخینہ کا ہے اور مذکور بالا
 حدیث میں جو واقعہ ہے وہ عین وصال کے وقت کا ہے چنانچہ سیدنا حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ الشریف
 نے من ابن عباس رضی اللہ عنہ منقل لما اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال انی لانی کتاب
 کتب لکم کتابا تفضلوا بعدہ قال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ الوجع و عندنا کتاب اللہ
 حسبا فاحفظوا و کثروا لفظ قال فووا حق ولا یغنی عندی التنازع فخرج ابن عباس یقول ان
 النبی لیکل النبی ما حل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابن کتابہ، البخاری ج ۱ ص ۲۲ (ابن کثیر رحمہ
 اللہ ۱/۲۷۷) (باب قول لارین قوم ما معنی)

برائے

فرماتے ہیں: "مخشیت ان یسبقنی وظل کذا ان حتی قاضت نفسه"۔ مخشیہ اس کا مطلب ہے کہ شاید یہی باتیں ہوں گی جن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی کے دن کو مانا یا خدشہ ہے۔
تفسیر متن | اس حدیث کی متن فور طلب ہے چنانچہ عبارت اتی لا حفظ من ذراعی و من ذراعی
 کان رأسہ بین ذراعیہ و عضدی میں شاید اس میں نے تلبیہ کر دی ہے، اصل عبارت میں
 طرح ہوگی۔ "اتی لا حفظہ کان رأسہ بین ذراعیہ و عضدی"۔ "امش لا صل میں لفظ" حفظہ
 کہ مطبق۔ کی تفسیر ہوگی۔ "اسی طرح لفظ" ذراعی" ذراعیہ کے عوض دوسرا نسخہ ہوگا، لیکن تاریخ
 نے دونوں نسخوں کو عبارت کا جزو سمجھ کر غلط کر دیا اور اس طرح اصل عبارت نسخ ہو گئی، جس میں
 مسند امام احمد کے ان لفظوں سے بھی مدد ملتی ہے: "مخشیت ان یسبقنی نفسه، ظل قلت اتی
 احفظ ذراعی قال ادھی بالصلوة"

امراء شاد | فرمانہ نبوی "اتقی بکتاب" کا مطلب صرف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بتاوا ہے
 خلفاء کی تصریح یا دین کے ضروری احکام لکھانا چاہتے تھے بہر حال یہ امر ارشاد ہی تھا کہ جب تک اس
 لئے کہ اگر امر و جہی تھا تو معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمرؓ سے خلافت امر نبوی کرنے کی توقع کیسے ہو سکتی ہے یا ان
 کے منع کرنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہوں سکوت فرماتے تلاوہ بریں یہ کہ اس واقعہ کے لوگوں
 چند دنوں تک آپ بقید حیات رہے پس اگر کسی مصلحت کی بنا پر لکھنا ضروری ہو گا آپ کو بھی
 ضرور لکھا دیتے کیونکہ ان ضروری ہدایات کی تحریر تفصیل سے پہلے آپ کی وفات کیوں کر نصیب ہو سکتی
 ہے جن کے بغیر دین کا نظام منہدم واکل نہ ہو جائے عیا آپ ہی پر نبوت ختم تھی، لہذا ظاہر ہے کہ جب تک
 کتابت ہی میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مصلحت نظر آئی یا آپ کو فدیہ نبوی معلوم ہوا یا اگر کتابت
 کو ضروری نہیں، چنانچہ آپ کے قول "یا نبی اللہ والی المؤمنین الا ابیکر" سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے
 رہے احکام تو اس لئے استنباط و اجتہاد کا دروازہ شارع علیہ السلام نے کھول دیا ہے۔
 بعقول کا خیال ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
 خلافت کا تحریری حکم نامہ چھوڑ جانا چاہتے تھے لیکن عہدہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم اجین کے انکون نامہ

اور خدمت مرض کے باعث صرف امتحان فی مسئلہ پر اکتفا فرمایا کہ یہی امامت کبریٰ کی روح اور اصلی جوہر ہے،

حضرت انصاری کا بیان ہے کہ اہل تشیع نے پیروی امام دین حضرت علی کریم اللہ وجہہ شریف کے وصی انوار مجتہد کی کٹری تھی لیکن خود صحابہ کرام مدین کے بعد تابعین نے ان کی زمین کی جائیداد ایک دفعہ امام مومنین حضرت عالم محمد یقین اللہ تعالیٰ عنہا کی مجلس میں یہ ذکر آیا تو آپ فرماتے:

مَنْ ادَّعى الْبِدْعَةَ كُنْتُ مُسْتَدِلًّا بِهٖ
 اَلِی صَدِّیْ هٰی خَدَّیْ عَا بِالطَّسْتِ طَلْعِ
 پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کب ان کے مستحق وصیت
 فرمائی؟ بھائیوں میں اپنے سینہ سے آپ کو نکالنے کی
 کہ آپ نے طشت طلب کیا اس کا خطا نہیں جسد مبارک
 میری گردن آ رہا اور میں یہ نہ سمجھتا کہ آپ ہاں بھی ہو گئے
 پھر کتب آپ نے ان کو وصی بنایا۔

خود حضرت علی نے اپنے وصی ہونے کا دعویٰ نہ تو زمانہ خلافت سے پہلے اور نہ خلافت ہی کے
 زمانہ میں کیا، اسی طرح تقیہ بن ساعدہ میں جبکہ صحابہ کرام کا اہم اجتماع ہوا تھا تو اس وقت بھی کسی صحابی
 نے حضرت علی کے وصی ہونے کا ذکر نہ کیا،
ابن ابی شیبہ اور ابن ماجہ نے یہ سند قوی حضرت ابن عباس سے ارقم بن شریب کی یہ روایت
 نقل کی ہے۔

مَنْ رَاسِلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا اور آپ
 نے وصیت نہ کی

حضرت عمر کی روایت "الوفاۃ النبویہ" میں ہے کہ:

لَا کَلَامَ لِيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ (شامی) نے بخاری کتاب الوصایا، ۱/۲۸۲ مجتہبی، نے طست طلب
 کرتے ہوئے ترمذی کی اس روایت سے رافع ہرجانی نے اس کے الفاظ میں: فَدَعَا بِالطَّسْتِ لِيُجَوِّزَ
فِيْ طَرِيقِ خَدَّيْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ میں اس کے

ملت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی احباب
 ولہر یسقطان۔
 نے کسی کو غلیظہ نافرمان کیا۔

یہ طریقہ سود بن قیس بن عمرو بن ابی سفیان من علی امام احمد اور بیہقی نے "الدلائل" میں تخریج کی ہے
 کہ حضرت علی جنگ میں تھوڑے عرصے کے لیے فرمایا:

"یا ایہا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم
 اللہ علیہ وسلم لہر یسقطان الیہ فی ہذہ سے اس "امانت" کے بارے میں کسی قسم کا ہمد
 الامارۃ مشیتاً نہیں لیا۔"

وصیت غیر لغویہ کی صورت کے باوجود اگر امور کی وصیت روایات و سنن میں ثابت ہے، ان صلحا
 میں سے بعض کا ذکر کر دینا مناسب ہو گا۔

امام احمد شادی السمری (دی الزہد) ابن سعد (طبقات)، اور ابن خزمیہ نے اتفاقاً التہذیب
 کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے۔ اس حدیث کے بعض طریق کے
 الفاظ ہیں

"ابغی بما لعلی بن ابی طالب اس کو علی بن ابی طالب کے پاس بھیج دو کہ وہ
 لیتصدق بہا" نقد کر دیں۔

وصیت کی ایک اور روایت مندرج ذیل ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین باتوں کی وصیت فرمائی (۱) دارمین، (۲) دہانہ، (۳) اشور
 اشورین میں سے ہر ایک کو..... سود سن خیر کے (دے جئے جائیں) اور جزیرۃ العرب
 میں دو دین باقی رکھے جائیں۔" (۴) اسامہ اپنی بیوی پر بیعت جاتیں۔

مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین
 باتوں کی وصیت کی ایک یہ کہ جو فرد کو اسی طرح جو زندہ رہے جائیں جس طرح میں وصیت کرتا ہوں،
 ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نے کتاب اللہ کی

وصیت فرمائی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں:-

”وفات کے وقت آنحضرت ﷺ کی عام وصیت نماز اور ”ملک میں“ کی تھی، حضرت

انسؓ کا بیان ہے: کہ حضور اکرمؐ نے اس محل میں کہ زبان مبارک سے کوئی کلمہ نکل

سے نکل پاتا تھا، مجھے نماز اور ”ملک میں“ کی وصیت فرمائی، اسی روایت کے الفاظ یہ بھی

ہیں کہ، الفاظ سبۃ اقدس میں گھومتے تھے لیکن زبان مبارک ان کو ادا نہ کرتی تھی“

مذکورہ بالا حدیث پر حضرت علیؓ کی وہ روایت شاید ہے جس کی تخریج ابو داؤد اور ابن ماجہ نے

کی ہے، امام احمد و امام بخاری سے اس کتاب میں حضرت علیؓ کی روایت بطریق نعیم بن زید بیان کی

ہے۔ نعیم کی روایت میں ”زکوٰۃ“ کا لفظ زاید ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تم عنہا کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض الموت میں

فتنوں سے ڈرایا، اور لزوم جماعت و طاعت کی تاکید فرمائی، علامہ ابن عبد الرحمن مرسل روایت کرنے

ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تم عنہا کو یہ وصیت کی کہ جب میں مراؤں تو

انا لله وانا الیہ راجعون پڑھو، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں

حضور اکرمؐ سے یہ درخواست کی کہ وصیت فرمائیں، تو حضورؐ نے فرمایا: اوصیکم بالکمالین الاولین

من المهاجرین وانا انہم بعنہم

حضرت علیؓ کو م اللہ وچھ کی روایت ہے

اذا ماتت فاعسلونی بسبع قرب

من بئری من دوکان یقیام وکان

بشریت منہا

اسی کا پانی پیا جاتا تھا۔

مسند زہرا و مستدرک حاکم میں آنحضرت کی یہ وصیت یہ سند ضعیف منقول ہے کہ کتب کے حوالہ

کی نماز بغیر امام کے ”ارسل علیہ صلی علیہ وسلم“ کی کتاب الوصایا، جلد اول میں ہے۔ ایک یہ بھی ہے کہ:

عن الحسن بن معرف قال قلت لابی ابی لوی، اوصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: لا، قلت وکیف، فقلت لیس فیہ وکیف

ابن عباس قال اوصی بکتاب اللہ و حدیث محمد حسن، و ترویج باب الجہاد البنی صلی اللہ علیہ وسلم یوم، ۲/۲۳ مجتہبی

”لا تغنوا قبری وثناً“

میری قبر کو بت کی طرح پڑ جانا شروع نہ کرو۔

روایتوں میں آتا ہے کہ وفات کے وقت، آپ نے مع الذین انعم اللہ علیہم لایہ ثواب کی، امام احمد کی تخریج میں مع الہٰدیٰ مع الذین انعم اللہ علیہم لایہ ثواب ہے ایک روایت میں اس طرح ہے:

اللهم اغفر لی واسرحتنی والحقنی بالہٰدیٰ مع الہٰدیٰ
اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، اور حق اعلیٰ سے مجھے ملے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات ”جلال ربی الہٰدیٰ“ تھے دفع تعارض صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت ہے: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر اچھی طرح مسواک کرنے کی نہیں دیکھی تھی آپ نے فارغ ہوتے ہی ہاتھ دیا انگشت مبارک اوپر اٹھا کر فرمایا ”فی الہٰدیٰ مع الہٰدیٰ“ پھر نفاک گئے، حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ جس وقت آپ کا وصال ہوا، سر اقدس میرے ”عائشہ“ اور ”ذاتہ“ کے درمیان تھا۔

اظہارِ جبروت اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ بالا بیان کو حاکم اور ابن سعد کی تخریج وہ حدیث کہ آنحضرت سیدنا علی بن ابی طالب کی گود میں داخل ہوئے، سے تعارض ہے لیکن اس حدیث کے تمام طرق میں شیعی راوی موجود ہے لہذا یہ حدیث قابلِ التفات نہیں ہے، حافظ عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو صحیح ماننے پر بھی تعارض ختم نہیں ہو سکتا ہے، اس قتل کی بنا پر کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اخیرون تک آنحضرت کے پاس رہے یہاں تک کہ آپ صل ہو گیا اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سر اقدس کو اپنے سینہ سے لگائے کیا ابن سعد نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے تخریج کی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت ایک دفعہ کعب الاحبار نے یہ پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات کیا تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ علی سے پوچھ لو کعب نے حضرت علی سے وہ بات کیا

نواب نے فرمایا :

اسندتہ الی صدری فوضع
مأسدہ علی منکبی فقال الصلاة
میں نے آنحضرت کو سہارا دیا اپنے سینہ سے
نواب نے اپنا سر میرے موٹے پردے پر رکھا پھر
فرمایا نماز، نماز، نماز۔

امید کہ اقتباسات بالا جو اصل کتاب کے مختلف مباحث کے ترجمہ یا خلاصہ کی صورت میں
پیش کئے گئے، شرح کے قیمتی معامین اور شارح کی علمی و فنی تحقیقات اور ذہنی رجحانات کا ایک
اجالی نقشہ پیش کر دینے کے لئے کافی ہوں گے والحقہ نقل علی البیدر الکبیر۔

تفسیر مظہری

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے ہمیشہ تحفہ
ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ بانی تہذیب کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں
کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گہرنا باب کی تھی اور ملک میں
اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

اللہ شہد کہ۔ ساہا سال کی عزیز کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم نشانِ تفسیر
کے شائع ہو جانے کا اعوان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو کاغذ و دیگر
سامان طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں پہنچی ہیں۔

ہدایہ جلد اول قطع ۱۹۶۲ء سات روپے، جلد ثانی سات روپے، جلد ثالث
سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے، جلد ثالث و رابع زیر کتابت ہیں۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

ادبیات

منقذ قلوب

(جناب الہم منقذ قلوبی)

میں حسنِ ازل کا جلوہ ہوں ہر جلوے میں پوشیدہ ہوں
 بیدار شبابِ گل میں چوں اور تاروں میں خوابیدہ ہوں
 میں بن کے منسی آجانی ہوں بھولوں کے لبوں پر وقتِ سحر
 اک جوشِ تکلم ہوتی ہوں خاموش فناؤں کے اندر
 کلیوں کی صبحی میں رکھتی ہوں بادِ رنگیں پوشیدہ
 بھولوں کی رگوں میں دوڑاتی ہوں برقی جمالِ نابدیدہ
 رقصاں ہوں بگولے جنگل میں یا شمع پہ لرزاں پروانے
 میرے ہی اشارے میں مٹتی یہ درشت و چین کے ہنگامے
 طوفانِ حوادث کی موجوں میں دھامِ فنا بن جاتی ہوں
 ہر ڈوبنے والی کشتی کو ساحل کی راہ دکھاتی ہوں
 میں رازِ بقائے ہستی ہوں احکامِ فنا کے دامن میں
 فتنوں سے آگاہی ہوں دے صحر کو سجا کے گلشن میں
 یہ بھولوں کے برگِ درزاں کچھ ٹکڑے ہیں پیانوں کے
 کچھ آنسو شمعِ محفل کے کچھ دایغِ جگر پر دانوں کے

یہ کہہ کھنڈ رہ دیا نے آثار کسی محفل کے ہیں
ہر موج رواں کے قطروں میں ذرے خاک ساحل کے ہیں
دستورِ نظامِ ہستی سے واقف ہی نہیں لیکن انسان
یہ اس کی نظر سے مخفی ہے تخریب میں ہی تعمیر ہیں

تغیر کا قانونِ ازل ہے اس کی نگاہوں میں خطرا
محفوظ ہے اس کی روح مگر وہ موت سے ہے گھبرا جاتا
آ میری طرف فاعلِ انسان گمراہ نہ ہو اس منزل میں
دکھلاؤں تجھے مینِ مندر ہر ذرہ جادۂ باطل میں
قطرے کی تارک موجوں کے دامن میں دریا پنہاں ہے
ذرہ نہ سمجھ ہر ذرے کو غورِ شیدِ حقیقت تا باں ہے

ہو شام کہ صبح نورانی سب حسنِ ازل کے جلوے ہیں
معمورِ نواؤں سے اس کی سازِ مہستی کے پردے ہیں
جب ایک حقیقت کے پر تو میں دونوں جہاں کے نظام سے
تغیرِ غلط کا مجرم تو ہوتا ہے جہاں میں کیوں پیارے

جذباتِ مائل

(جوابِ مائلِ انصاری خیر آبادی)

کسے پیٹے ہو مٹی میں ملا کے	ہے جاتے ہیں دل اہل وفا کے
ازل سے منتظر ہیں جو تھنا کے	ڈرانے ہیں انہیں خنجرِ دکھا کے
پہر اندازِ وعسزہ آزما کے	وہ پہنچ کر رہے ہیں عاشقوں کو
ذرا اکٹھی کہ رخ بدے ہوا کے	مسلمان کی نظرِ اللہ اکبر!

”بنوں کی بنیگی“ اور تجھ سے مائل!
گر اللہ اللہ ہے بندے خدا کے!

تصکر

مرزا شوق لکھنوی | از پروفیسر خواجہ احمد فاروقی - دہلی یونیورسٹی تقطیع خورد و منجاست مد

صفحات کتابت، طباعت، کاغذ نقیص قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے
 ٹٹنے کے پتے :- دہلی، مکتبہ برہان، اردو بازار - جامع مسجد - دہلی (۲)، محمد اسلم - محاذ الملک
 روڈ یونیورسٹی علی گڑھ (۳)، علی کتاب خانہ اردو بازار - دہلی علی علی

نواب مرزا شوق لکھنوی اردو کے ان بدنام شاعروں میں سے ہیں جن کی کتابیں ایک طرف
 تک ممنوع الا شاعت رہیں اور ان کو چڑھنا محبوب سمجھا گیا لیکن عجیب لطیف ہے کہ اس "رئو
 خرابانی" کے خلاف تعصبات کو دور کرنے میں جس نے پہلی کی وہ اردو کا نامور نقاد اور صاحب الرائے
 ادیب حالی تھا، جس کے "زاہد منا جاتی" ہونے میں شبہ نہیں۔ مقدمہ شوق شاعری کے یہ الفاظ
 دہرانے کے لائق ہیں۔

"نواب مرزا شوق نے جو... شتویاں... لکھی ہیں ان کو میں روزمرہ اور محاورہ کی صفائی،
 قافیوں کی نشست، ترکیبوں کی چستی اور معرعوں کی برجستگی کے لحاظ سے تمام اردو کی موجودہ شتویوں
 سے بہتر سمجھتا ہوں"

اس کے بعد مولانا عبد الماجد دریا آبادی مدیر صدق نے سہیل مرحوم میں ایک محرکہ الارا
 مضمون اردو کے ایک بدنام شاعر کے عنوان سے لکھا اور ساری اردو دنیا کو شوق کی طرف
 توجہ کر دیا، یہ بھی وہ اصل حالی کے قلم کی آواز باز گشت تھی جو عبد الماجد جیسے نقاد اور شہید ادیب
 نے دلیل راہ بنی۔

لیکن یہ کوششیں محض رسائل اور اشارات تک محدود تھیں مرزا شوق کی اہمیت اس

کی سفارشی تھی کہ ان کے نتائج فکر پر ایک علیحدہ اور مستقل کتاب لکھی جاتی جس سے ان کے کلمات کا اندازہ ہوتا اور جدید تنقید کا بھی پورا حق ادا ہوتا خصوصاً ان کی غنوی بہار عشق کہ اس کی اندیشی ابھی تک کسی صاحب ذوق :۔۔۔ فلم اور سنی کے شاعر تنقید کی منت پذیر تھیں ہمیں خوشی ہے کہ خواجہ احتشامی صاحب ایم۔ اے جیسے شگفتہ مزاج صاحب قلم نے ادھر تو جہکی، موصوف نے اس کی کوشش کی ہے کہ مرزا شوق کی غنویوں کو ان کے تاریخی اور ہندی پس منظر کے ساتھ مانچیں اور ان کی صحیح قدر و قیمت متعین کریں۔

مرزا شوق کی غنویاں زیر عشق اور بہار عشق، جان عالم و اجد علی شاہ کے اس لکھنؤ سے متعلق ہیں جب بقول پر فیسر فاروقی :۔۔۔ ذیقن نسیم اور علوہ گل کی کمی نہیں تھی۔ ہر منظر، جنت نگاہ اور ہر گوشہ بادل دامن باغباں بنا ہوا تھا۔ جہاں نظارۂ جمال بھی تھا اور شوق وصال بھی جام بلور بھی تھا اور ذہیرۂ صبح بھی۔ صراحی سے ناب بھی تھی۔ اور سفینۂ غزل بھی۔ لوگ ماضی مستقبل کو حال کی بدستور اور رنگینوں میں بھلا چکے تھے اور دست افشانی اور پاکوئی کا مفہوم صرف یہ رہ گیا تھا کہ۔

بیات ایک امشب تماشا کنسیم چو سر دا شود، فکر فردا کنسیم

فاروقی صاحب نے جا بجا اس بات پر زور دیا ہے کہ ان غنویوں کو انیسویں صدی کے اس طویل سے جب کہ زندگی کو دونوں پانچوں سے بھر کر اس کا سارا رس بخور لیا گیا تھا الگ کر کے دیکھنا تاریخ اور تنقید دونوں کا خون کرنا ہے۔

لیکن فاضل نقاد کی نظر صرف و اجد علی شاہی لٹریچر کی منفی رنگینوں میں الجھ کر نہیں رہ گئی، انھیں نے اس کے مثبت پہلوؤں پر بھی نظر ڈالی ہے۔

فلموٹی صاحب نے مرزا شوق کی کردار نگاری، زبان و بیان اور آرٹ سے بھی مفصل بحث کی ہے اور مقام مسرت ہے کہ انھوں نے اس کا بے بنا کر اس کی ہر شے نہیں بلکہ جہاں کہہ سکیں نظر آئے ہیں ان پر بے جھجک شک و شبہ کی ہے۔

شوق کی زبان ایسی پاکیزہ ہے کہ دنیا کے اردو اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

یہ کمال معمولی نہیں ہے کہ اس نے اس میٹھی بول چال کے راگ اس وقت چھڑے جب ناسخ کا طوطی بول رہا تھا۔ اور اہل دربار سے لے کر عوام تک سب اسی کی تقلید کو فریجتے تھے۔ شوق کی بالغ تفری کی داد دینی چاہئے کہ آج زبان کا کارواں اسی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مولف کی دہن جرأت و جہل اور حسن و جلال کا آمیزہ ہے اور ان کی رائے میں بڑی حد تک توازن و اعتدال ہے۔

سچ تو یہ ہے فاروقی صاحب کا ادب لطیف کے عطر میں ہنکا ہوا یہ شاہکار و یکہ گراب سے چھتیس سبستیس سال پہلے کے عہد طفولیت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم گیا اور زمانہ شباب کے دھندلے دھندلے سائے امنڈتے نظر آنے لگے، یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا شوق کی مثنوی زہر عشق کا گھر گھر چراتا اس کی اشاعت ممنوع قرار دی جا چکی تھی اور زندہ دل یا یوں کہہ لیجئے کہ دھوا آفریں ادب کے دل دادہ اسے پوشیدہ پوشیدہ طریقہ پر پڑھتے اور سر دھنتے تھے،

ہمارے فارسی کے بالکمال استاد مولانا محمد حسین صاحب مرحوم خدمتِ درس کے ساتھ کتابوں کا کاروبار بھی کرتے تھے یہ کاروبار اپنی گونا گوں خصوصیات کے لحاظ سے بے حد دلچسپ تھا، موصوف کی عادت یہ تھی کہ ہر جماعت کو ایسے لڑکوں کو اپنے قریب نصف دائرے کی شکل میں بٹھایا کرتے تھے جن کو کتابیں پڑھنے اور خریدنے کا شوق ہو خوش قسمتی سے میرا شمار بھی ایسے ہی طلباء میں تھا ہم سب ساتھی بے پناہ ادبی کتابیں خریدتے اور ایک ایک ناول بار بار پڑھتے تھے، شہرہ راشد الخیری، پریم چند اور اس وقت کے تقریباً تمام مشہور ناول نویسوں کی کتابیں مطالعے میں رہتی تھیں موصوف کے پاس زہر عشق کا بھی خفیہ ذخیرہ رہتا تھا چنانچہ ہم نے بہ دل دوز مثنوی سب سے پہلے اپنے استاد ہی سے خریدی اور اس کے بہت سے متفرق حصے حفظ کر لیے، ۲۶ سال کے بعد یہ نظر کتاب سامنے آئی تو اس کے حبد حبہ ٹکڑے بے ساختہ یاد آ گئے۔

بابرین و فن مولف کا مجھے شخصی طور پر بھی مرہون احسان ہونا چاہئے کہ ان کے روحانیت میں ڈوبے ہوئے ادب پاروں کے دیکھنے سے ایک ایسے زمانہ کی یاد آ رہی ہو گئی جسے دنیا کی ادنیٰ بات

کا زمانہ کہا گیا ہے اور جس میں فکر فروا کے گرد و فبا کا کہیں آس پاس بھی گزر نہیں ہوتا۔

آخر میں اس حقیقت کا قدرے استعجاب کے ساتھ اظہار کر دینا بھی شاید کچھ زیادہ نامناسب نہیں ہوگا کہ ”قطر سالی اور ہنگامہ خیزی کے اس دور میں ہمارے نہایت سنجیدہ پروفیسر نے عشق و محبت کے اس تاریخی سبق کو جو اچھے وقت میں بھی گہرے گہر خالی کر دینے کا عادی ہے کیوں کر دہرانا پسند کیا شاعری بذاتہ گو اچھی بڑی نہیں ہوتی لیکن شاعری کی اخلاقی تہذیب *حضرت مولانا محمد امجد علی* سے آزاد نہیں ہو سکتی،

یہ گلدستہ عشق و محبت جناب نیاز فتح پوری کے مفید مقدمہ اور جناب جوش ملیح آبادی کے دیباچہ کے ساتھ نگار یک ایکسی سے شائع ہوا ہے۔ ع۔ ۳۸

رہنمائے انسانیت یعنی دین فطرت | از جناب صفوۃ الحق صاحب صابر مدبر الحق تقطیع
ظلال کتابت و طباعت بہتر ضخامت ۳۰ صفحات

قیمت پچاس روپے :- ادارہ الحق ڈیوڑھی شہر ہار جنگ محلہ سلطان شاہی ڈاکخانہ شاہ علی نندہ حیدر آباد کراچی۔

مختلف اسباب و وجوہ سے مسلمانوں میں آج کل عصبہ و عمل کی بہت سی گمراہیاں پیدا ہو گئی ہیں جن کے باعث ان کا شیرازہ ملی پرگندہ ہو کر رہ گیا ہے مثلاً کچھ لوگ ہیں جو وحدتِ امت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ مرد و مذہب عالم میں سے کوئی شخص کسی بھی مذہب کی پیروی کرے اس کی نجات ہو جائے گی کسی حلقہ میں دین اور سیاست ان دونوں کو الگ الگ دو حقیقتیں تسلیم کیا جاتا ہے کہیں تصوف کے رموز و عرفان کو اہل اسلام مانا جاتا ہے اور کہیں سرے سے مذہب کو ہی غیر ضروری چیز قرار دے دیا گیا ہے یا اور اس قسم کے بہت سے انکار و عقائد ہیں جن کی اس کتاب میں تردید کر کے اسلام کی اصل تعلیمات کی نشان دہی کی گئی ہے اس سلسلہ میں عبادات اور اسلامی اخلاق و فضائل کی تشریح و توضیح اور ان کے رموز و حکم پر بھی گفتگو ہو گئی ہے اس اعتبار سے اس حق مصنف کا مقصد بے شبہ نیک اور قابلِ داد ہے اور خود کتاب بھی بہت سی باتیں پرور معلومات پر مشتمل ہے لیکن مصنف کا عام طرز تحریر استدلالی و برہانی ہونے کے

بچائے محض خطابی اور جدلیاتی ہے اس بنا پر اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو پہلے
 سے مصنف کے ہم خیال ہوں علاوہ بریں کتاب افراط و تفریط سے بھی پاک نہیں ہے متعدد مقامات
 پر مصنف کا قلم اعتدال کے راستے سے ہٹ گیا ہے مثلاً کفر، شرک اور نفاق کے جو وسیع
 معانی انہوں نے بیان کئے ہیں ان کے پیش نظر غور کرنا ہوگا کہ دنیا کے کرداروں مسلمانوں میں سے
 اصل مسلمان کتنے سو یا کتنے ہزار ہیں۔ پھر بعض جگہ بعض حقائق کی تعبیر بھی غلط یا بالکل یک طرفہ ہے
 خصوصاً پر سیاست کی یہ تعریف کرنا کہ ”ہم رب و مولہ کے عبد مملوک و محکوم بن کر اس کے
 فرمان بندوں پر حکومت کریں“ یا صلاً پر لفظ سیاست کی یہ نئی تعریف تحقیق کہ ”خود آزاد رہ کر
 دوسروں کو اپنا محکوم و غلام بنانا“ نہ صرف یہ کہ غلط اور بے بنیاد ہے بلکہ اسلام کی اسپرٹ کے بالکل
 خلاف ہے ان احکام اللہ کے مطابق مالکیت صرف اللہ کے لئے ہے۔ اسی طرح مصنف
 نے متعدد مقامات پر اسلام کی حقانیت پر زور دیتے ہوئے دوسرے مذاہب و ادیان کو بالکل
 باطل اور غلط کہا ہے۔ مصنف کا یہ دعویٰ بھی نہ مطلقاً صحیح ہے اور نہ قرآن کے ارشاد کے مطابق
 ہے۔ اگر سب مذاہب بالکل غلط ہیں تو آخر وہ کیا چیز ہے جس کی طرف قرآن غیر مسلموں کو تعالو
 الی کلمۃ سواء بنیاد بینکم کہہ کر دعوت دے رہا ہے مصنف نے زور قلم میں بعض ایسے ہم
 مسائل کو بھی چھڑوایا ہے جو بظاہر ان کی بساط سے باہر ہیں مثلاً مسئلہ پر عالم آخرت کے جسمانی
 دعوہ دانی ہونے کی بحث ایسی نہیں جو محض تمدنی آمیز چیزوں سے ملے ہو جائے سلف میں بڑے
 بڑے علماء و دانی ہونے کے قائل ہیں۔ مسئلہ سے لے کر مسئلہ تک مصنف نے دہکالم بنائے
 ہیں جن میں سے پہلے کالم میں نمبر وار باطل افکار اور دوسرے کالم میں ان کے مقابلہ میں الہی
 قرآنی تعلیمات بیان کی گئی ہیں اس حصہ میں بھی بعض چیزیں مثلاً نمبر ۴-۵-۶-۷-۸-۹-۱۰ ایسی ہیں جو
 پر مفصل اور جامع گفتگو کی ضرورت تھی۔ چند سطروں سے ان مسائل کا حق ادا نہیں ہوتا اور
 گفتگو بالکل یک طرفہ ہو گئی ہے۔ ان چند خامیوں اور فروگزاشتوں سے قطع نظر کتاب بحیثیت
 مجموعی مطالعہ کے لائق اور مفید ہے۔

۱۹۵۷ء کے مہیروں | از محترمہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی۔ تفتیح خور و کتابت طباعت
بیتہ صفحات ۱۳ قیمت ۵ روپے ۵۰ مکہ مصنف علی گڑھ

۱۹۵۷ء کی جنگ آزادی میں جن مجاہدین وطن نے انگریزوں سے سرفروشانہ مقابلہ
کیا تھا ان میں نواب: احمد علی شاہ کی بیگم حضرت محل: جنرل بخت خان اور جنرل محمود خان بھی
ہیں اس کتاب میں انہیں تینوں کے مختصر حالات مع ان کے کارناموں کے بیان کئے گئے ہیں
اس ضمن میں خانان اودھ کی مختصر تاریخ اور اس دور کے چند اور دوسرے مجاہدوں کے حالات
کا تذکرہ بھی آگیا ہے، زبان و بیان صاف و سلیس اور شگفتہ و دلچسپ ہے۔ ایک سنجیدہ موضوع
پر اور اس پر ایہ میں ایک خاتون کے قلم کی یہ کاوش بہر حالائق تحسین و آفریں ہے۔ موجودہ
دل شکستگی کے زمانہ میں مسلمانوں کے لئے اس کا مطالعہ حوصلہ و ولولہ پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔

خلافت عباسیہ

جلد دوم۔ تاریخ ملت کا چٹا حقہ جس میں اٹھائیس حکمرانوں متوکل سے لے کر مستعصم
تک کے تمام تاریخی حالات بڑی کاوش سے جمع کئے گئے ہیں اس حقہ میں بھی پہلے حقہ کی تمام
خصوصیتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وائق بالشد کے زمانے تک ایک صدی کو چھوڑ کر عباسی خلافت
کے ۴۴۴ سال کے دور حکومت کی تاریخ آپ کو اس میں ملے گی جس سے اندازہ ہوگا کہ بغداد
و مسلمانوں کی عظمت و اقتدار کا گہوارہ اور مشرقی ملکوں کا سمرناج تھا کس طرح ویران ویرانہ
ہو کر ان متفرق جماعتوں کا مسکن ہو کر رہ گیا جو ہلاکو خان کی فوج کے ساتھ آئی تھی سلطان بویہ، مسعود
نکی، ابوبی، علومین، ہاطنہ وغیرہ ہم عصر اول اسلامیہ کے حالات کا جامع خلاصہ بھی آپ کو اس کتاب
میں ملے گا کتاب کے آخر میں عباسی خلافت کے تمام دوروں پر ایک سیاسی اور تاریخی نظر ثانی
کئی ہے جو کم و بیش۔ ہشتا پر مشتمل ہے صفحات ۷۶ قیمت غیر مجلد چار روپے بارہ آنے قیمت مجلد چھ روپے
مکتبہ برہکان اردو بازار جامع مسجد علی گڑھ

خلافت راشدہ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ جدید ایڈیشن

قیمت ۳۰ روپے مضمون اور عمدہ جلد للہ

سلسلہ مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد اول

لغت قرآن پر پے مثل کتب ہے جلد للہ

سرمایہ کارل مارکس کی کتاب کیپٹل کا مختصر شے

ورفتہ ترجمہ جدید ایڈیشن قیمت ۳۰ روپے

اسلام کا نظام حکومت اسلام کے ضابطہ حکومت

کے تمام شعبوں پر دفعات وار مکمل بحث ہے جلد للہ

خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ ہے

جلد ۱۴ مضبوط اور عمدہ جلد للہ

سلسلہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

جلد اول اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب للہ

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

جلد ثانی للہ جلد ص

قصہ القرآن حصہ سوم انبیاء علیہم السلام

کے واقعات کے علاوہ باقی قصہ قرآنی للہ جلد ص

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد ثانی ہے جلد للہ

جدید اور محققانہ کتاب علم جلد ص

قصہ القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰؑ اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا بیان ہے جلد ص

انقلاب روس سے

سلسلہ ترجمان السنہ ارشادات نبوی کا جامع

اور مستند ذخیرہ جلد اول ۱۰ جلد ۱۰

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد سوم

للہ جلد ص

مسلمانوں کا نظم مملکت للہ جلد ص

تحفۃ النظر یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ

قسم اعلیٰ کے قسم دوم دو روپے آٹھ آنے

مارشل ٹیوٹو یوگوسلاویہ کی آزادی اور انقلاب پر

نتیجہ خیر اور دلچسپ کتاب دو روپے

مفصل فہرست کتب دفتر سے طلب فرمائیے

اس سے آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل

بھی معلوم ہوگی

نادرۃ المصنفین دہلی قریول بلغ

NADWATUL MUSANNIFIN

Urdu Bazar Jinnah Masjid Delhi

مختصر قواعد ندوة المصنفین دہلی

(۱) محسن خاص۔ جو محض ہر حضرت کم سے کم پانچ سو روپے یکشت مرحمت فرمائیں گے وہ ندۃ المصنفین کے دائرہ محسنین خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات تندرستی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں کو مستفید ہوتے رہیں گے۔

(۲) محسنین۔ جو حضرات یکس روپے سال مرحمت فرمائیں گے وہ ندۃ المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضے کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خالص ہوگا۔ ادارہ کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد اوسطاً چار ہوگی۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

(۳) معاونین۔ جو حضرات اٹھارہ روپے سال پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندۃ المصنفین کے طبقہ معاونین میں ہوگا۔ ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ "برہان" جس کا سالانہ چندہ پانچ روپے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

(۴) اجاب۔ نو روپے سالانہ لا کر دینے والے اصحاب ندۃ المصنفین کے اجاب میں داخل ہوں گے ان حضرات کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور ان کی طلب پر اس سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

قواعد

(۱) برہان ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو طرہ شائع ہو جاتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین بشرطیکہ مذہبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسائل ڈاکٹروں میں شائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس رسالہ پہنچے، وہ

زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں ان کی خدمت میں رسالہ دوبارہ بلا قیمت بھیجا جائے گا اس کے بعد شکایت قابل اعتبار نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امر کیلئے ۱۔ راکٹ یا جوائی کارڈ بھیجا ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ پانچ روپے۔ ہشتاویں دو روپے بارہ آنے (مع وصولہ ٹیک) فی پرچہ ۸۔

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوین برہان مکمل پتہ ضرور لکھئے

مولوی محمد ادریس مسٹر پرنسپل شریں جید برقی پریس دہلی میں طبع کر کے دفتر رسالہ برہان دہلی کو بھیجا جائے گا۔

Sep 50

18 SEP 1950

پیشکش
مصنفین دینی کا علمی و دینی کامیابی
نڈوۃ اہلین دینی کا علمی و دینی کامیابی

برکات

مرتب
غیاث الدین
کتابسرای

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے
مفصل فہرست جس سے آپ کو ادارے کے حقوق کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت - جدید

ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں۔ قیمت ۳۰۰، جلد للہ

سلسلہ تاریخ ملت - مختصر وقت میں تاریخ

اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے، اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی

ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر اہل اور شگفتہ

نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں

سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشیں انداز میں کیا

کیا گیا ہے۔ قیمت پھر جلد ۴

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)

عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا

دل پذیر بیان۔ قیمت پھر جلد ۴

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ)

قیمت پھر جلد ۴

خلافت عباسیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)

قیمت ۴۰۰، جلد ۴

خلافت عباسیہ - جلد اول تاریخ ملت کا

پانچواں حصہ، قیمت پھر جلد للہ

خلافت عباسیہ - جلد دوم تاریخ ملت کا

چھٹا حصہ، قیمت پھر جلد ۴

خلافت مصر تاریخ ملت کا ساتواں حصہ مصر

سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفات ۳۰۰ قیمت جلد ۴

فہم قرآن - جدید ایڈیشن جس میں بہت سے

اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو

مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت پھر جلد ۴

غلامان اسلام اتنی سے زیادہ غلامان اسلام

کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی

بیان - جدید ایڈیشن قیمت پھر جلد ۴

اخلاق و فلسفہ اخلاق - علم الاخلاق

پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں

غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب

کو زیادہ دل نشیں اور سہل کیا گیا ہے۔

قیمت پھر جلد ۴

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات

واقعات تک۔ قیمت پھر جلد ۴

قصص القرآن جلد دوم حضرت یونس سے

حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن -

قیمت پھر جلد ۴

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام

کے واقعات کے علاوہ بالی قصص و آئی کابیا

قیمت پھر جلد ۴

بُرْہَان

جلد سبست و پنجم شمارہ (۳)

ستمبر ۱۹۵۰ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|--|--|
| ۱۳۰ | سید احمد | ۱- نظرات |
| ۱۳۳ | حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی | ۲- تدوین حدیث |
| | پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی ایم۔ اے | ۳- غفلت حدیث |
| ۱۴۰ | پی۔ ایچ۔ ڈی لکچرر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ | |
| ۱۵۹ | جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی | ۴- دلائل القرآن |
| ۱۷۴ | مولانا امتیاز علی خان صاحب عرشی | ۵- دیوان غلص کا ایک نادر نسخہ |
| ۱۸۰ | | ۶- تلمیض و ترجمہ ہندی ادب کی ترقی میں مسلمانانہ کا حصہ |
| ۱۸۶ | مولانا محبوب الرحمن صاحب ازہری لکچرر عربی سندھ یونیورسٹی | ۷- باب التقریظ والاسعاد (بیان اللسان) |
| ۱۹۲ | جناب الم مظفر نگری | ۸- ادویات - قزل |

نَظَرِیَّت

افسوس ہے گذشتہ مہینہ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شیرانی نے ۹۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مہمان کے ہنگامہ کے بعد جن اکابرِ علم ادب نے اس ملک میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا سر و سامان کیا تھا مولانا ان کے گزمرہ میں ایک نوجوان رفیق کی حیثیت سے شامل تھے اس لئے انھوں نے اس دور کی بہار سامانیاں خود اپنی آنکھ سے دیکھی تھیں۔ یہاں اپنی خدا داد صلاحیت سے کام لے کر ان کی تعمیر ترقی میں خود بھی علمی حصہ لیا تھا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مدرسہ العلوم دارالمصنفین اعظم گڑھ مسلم ایجوکیشن کانفرنس دارالعلوم دیوبند حیدر آباد کا مکتبہ موندسی یہ سب ادارے مرحوم کی اصلاحی و تدبیری کاوشوں اور گونا گوں ہمدانہ دہشیوں کے جولانگاہ تھے۔ دولتِ زر کی بہتات کے ساتھ دستِ علم و فضل سے بھی مالا مال تھے مرحوم کا کتب خانہ ہندوستان کا ایک بہترین کتب خانہ تھا جہاں ریسرچ اسکالرز اگر مطالعہ و تحقیق کی تشنگی بھالتے تھے کتابوں کی حفاظت و نگرانی امدان کی ترتیب و فہرست سازی کا خاص اہتمام کرنے تھے ذوقِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ ضعف و تقا، اور بیماری کے باوجود روزانہ چند گھنٹے کتابخانہ میں پابندی کے ساتھ بیٹھتے اور مطالعہ کرتے تھے متعدد کتابیں اور بہترے مقالات بھی ان کے قلم سے نکلے اردو کے صاحب طرز ادیب تھے۔ فارسی اور عربی شعروادب کا شگفتہ ذوق رکھتے تھے دینداری اور ہندسی شعار و آداب کا احترام و فن کی فطرت علمی باخلاق و عادات۔ طور و اطوار کے لحاظ سے اب سے ڈہائی سو تین سو برس پہلے کی اسلامی تہذیب و شرافت کا زندہ نمونہ تھے خود داری کے ساتھ ہندوستانی نمکنت عروج و جاہ کے ساتھ ہندوستانی علم و ادب کے ساتھ انکساری ان کی طبیعت کا جوہر تھا انھوں نے اپنے علم و فضل سے بھی خلقِ خدا کو فیض پہنچایا اور دولت و ثروت سے بھی ان چند در چند خصوصیات و کمالات کے جامع ہونے کے اعتبار سے مرحوم مسلمانوں کے اس دورِ میمون و مبارک کی یادگار تھے جبکہ لوگ "صاحبِ سیاست و فن" کے نام سے

ہونے سے اب جو اس جن میں موسم خزاں کا دور دورہ اور بادِ مصر کی تباہ کاریوں کا غلبہ ہے تو فتح نہیں کا ایسے جامع کمالات بزرگ پھر کہیں دیکھنے میں آئیں گے۔ حدیث کے جو مسند خالی ہوتی جاتی ہے اسے پُر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا حق تعالیٰ اس مرحوم کو بیش از بیش رحمتوں سے نوازے گا اور مقررین و صلحا میں مقام نصیب فرمائے۔ آمین

اس سلسلہ میں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ بعض اخبارات نے اپنے مغربی نوٹ میں نواب صاحب مرحوم اور مولانا آزاد کے تعلقات کا بھی حاصلِ اہتمام سے تذکرہ کیا ہے۔ گویا مولانا آزاد کا "صدقِ حبیب" ہونا بھی ایک فضیلت ہے حالانکہ گستاخی معاف! مولانا مدظلہ کے دیرینہ بلاکشلن محبت کا تجربہ تو یہ ہے کہ مولانا کا "صدقِ حبیب" ہونا فضیلت نہیں بلکہ ایک لطیف قسم کا ابتلا ہے۔

جس کے تم ولبر ہو جس دل میں تمہاری بل بوتہ وہ ہمیشہ خاک چھانے اور سدا برباد ہو یاد ہو گا شکستہ کے آخر میں بھارت گورنمنٹ نے یونیورسٹی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے لئے ایک کمیشن سرادھار کشن کی صدارت میں جو ملک کے مشہور فلسفی اور انگریزی زبان کے شعلہ بیان مقرر ہیں مقرر کیا تھا اس کمیشن نے جو یونیورسٹی کمیشن کے نام سے معروف ہے نوہین کی محنت و محال کا ہی گے بعد ایک نہایت ضخیم رپورٹ مرتب کی جس کی پہلی جلد جو بڑی ضخامت کے ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل ہے گورنمنٹ کی طرف سے چند ماہ ہوتے شائع ہو چکی ہے کمیشن ہندوستان اور بیرونی ممالک کے نامور ماہرین تعلیم پر مشتمل تھا اس بنا پر رپورٹ بھی نہایت جامع اور کامل اور تعلیمی مسائل و مباحث پر ایک دقیق مبصرانہ تنقید و تجویز کی حامل ہے اس میں شبہ نہیں کہ وزارت تعلیم کا یہ کارنامہ بجائے خود قدرِ قابلِ قدر ستائش ہے ضرورت ہے کہ اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہوتا تاکہ اردو میں طبع جو انگریزی نہیں جانتا وہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

رپورٹ میں مذکور تعلیم کون سی زبان ہونی چاہئے اس موضوع پر ۲۲ صفحات میں بڑی طویل اور مفصلانہ بحث ہے جس میں بھارت کی ہر قابلِ ذکر زبان کی وسعت اور اس کی استعداد و صلاحیت پر گفتگو کی گئی ہے اس ضمن میں ایک مقام پر ہندی اور اردو کا تقابلی تذکرہ بھی آگیا ہے۔ ہم ذیل میں اس

محکمہ کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

”ہندی اقلیت کی زبان ہے اگرچہ یہ ایک بڑی اقلیت ہے بد قسمتی سے ادبی اعتبار سے یا تاریخی لحاظ سے اس زبان کو دوسری ہندوستانی زبانوں کے مقابلہ میں کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ خلاصہً پرانی زبان ہے اور ادبیات کا ایسا ذخیرہ رکھتی ہے جو سنسکرتی ادبیات کے ساتھ چٹمک زنی کر سکتا ہے۔ مرہٹی زبان تیرھویں صدی سے رائج ہے اور بنگالی زبان نویں صدی سے اب تک مسلسل زنی کرتے رہنے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ پندرھویں صدی میں اردو اور دسویں صدی میں برج رائج تھی۔ ترقی دسٹی میں اردو اور برج پورے ملک اور قوم کی زبان تھی اس کے برخلاف اعلیٰ ہندی صرف ڈیڑھ سو سال کی پرانی ہے۔ برج اور اودھی دونوں نے بڑے بڑے قابل ادیب پیدا کئے اعلیٰ ہندی میں ان کی ٹھکانہ کوئی ادیب پیدا نہیں ہو سکا۔ بنگالی میں شیگر پیدا ہوئے اور اردو میں اقبال۔ اعلیٰ ہندی میں اب تک ان جیسی کوئی شخصیت پیدا نہیں ہو سکی۔ اردو کی نسبت کمیشن کا یہ بیان پڑھنے کے بعد اب ذرا اس ہتھکڑ کا جائزہ لیجئے جو اس کے ساتھ قاص اس کے دھن میں کیا جا رہا ہے تو آپ اس کے سوا اور کیا کہیں گے۔

ہندی کی بے ادبیات مگر خوبی نہیں

توقع کے مطابق ٹنڈن جی کانگریس کے صدر منتخب ہو گئے اگرچہ آجاریہ شکر راؤ دیو جو گاندھی جی کے سچے پیروکار اور حقیقی معنی میں کانگریسی تھے ان کا شکست فاش کھا جانا انتہائی افسوسناک اور شرم انگیز ہے کہ اس ملک نے اپنے ہاتھ اور ان کے اصول زندگی کو اس قدر جلد بھلا دیا تاہم جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انھیں خوش ہونا چاہیے کہ اب تک عوام کی ذہنیت اور لیڈر شپ میں کشمکش کے باعث انھیں جو دشواریاں ہوتی تھیں اب ان کے پیش آنے کا احتمال کم ہو گیا ہے۔ اب جو کچھ ہو گا صفائی، پنکلی اور یکسانی کے ساتھ ہو گا۔

ہور ہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹیں کیا!!

تدوین حدیث محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۸)

میرے خیال میں حضرت ابو بکرؓ کے یہ الفاظ معمولی الفاظ نہیں ہیں، بلکہ ناگزیر قدسی اختلافات کو قدیم بنا کر مسلمانوں میں ارادی و اختیاری مخالفتوں کے طوفان جو اٹھائے گئے ان ہی اختلافات کی طویل تاریخ میں یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ دوسرا حادثہ تھا جس سے مسلمان دو چار ہوئے تھے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پہلا حادثہ تو اس سلسلہ کا وہی تھا جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی قرآن کے قرآنی اختلافات سے قریب تھا کہ پھوٹ پڑے، اور قریب تھا کیا معنی؟ جن واقعات کا ذکر کر چکا ہوں، ان کو دیکھتے ہوئے تو کہا جاسکتا ہے کہ فتنہ کی آگ بھڑک چکی تھی، اور آپ نے دیکھا کتنی بڑی بڑی ہستیاں اس مخالطی شکار ہو چکی تھیں، بلکہ بعضوں کا تو ایمان ہی خطرے میں آچکا تھا، وہ تو نبوت کا مبارک عہد تھا، سر اٹھانے کے ساتھ ہی نبوت کی طاقت سے فساد کے شعلوں کو دبا دیا گیا میں تو سمجھتا ہوں کہ

اقول القرآن علی سبعة احرف اتار گیا ہے قرآن سات حرفوں پر نہیں ہے بن

لیس منها الاشارات کاف حروف میں کوئی حرف مگر سب کے سب شفا

مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد و مسند و السنن بخش اور کافی ہیں۔

کے مسلسل اعلانات کے ساتھ ساتھ علی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرأت قرآن کے قدسی اختلافات کی برداشت کرنے کی صلاحیت و عادت صحابہ میں اگر پیدا نہ کر دیتے، تو

مسلمانوں کی ارادی مخالفتوں کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت شاید یہی اختلاف حاصل کر لیتا کیوں کہ براہ راست اس کا تعلق قرآن سے تھا، جہاں اختلاف پسند طبائع کے لئے قرآن کا لفظ ایک ایسی طاقت کی حیثیت رکھتا تھا کہ چاہنے والے جتنا چاہتے اسے بڑھا سکتے تھے، لیکن فتنہ کی اس آگ کو چوں کہ ابتداء ہی میں نبوت کی قوت سمجھا چکی تھی گریڈ والوں نے گو پھیلی صدیوں میں کرید کرید کر اس کو بھڑکانے کی کوششیں کیں لیکن رائے عامہ نے ان اغوائی کوششوں کی طرف کبھی توجہ نہ کی، کم از کم میں نہیں جانتا کہ قرأت قرآن کے قدرتی اختلافات نے کسی اسلامی ملک میں کسی زمانے میں کسی اجتماعی فتنہ کی شکل اختیار کی ہو۔ اب ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قرآنی اختلاف کے منکورہ بالا حادثہ کے بعد

نہاد چاہنے والوں نے اس سلسلہ میں کمی کیا کی؟ جن لوگوں نے قرآنی الفاظ کے خاص تلفظ اور خاص لہجوں کی مشق کو اپنا پیشہ بنالیا ہے، اور "القرآن" کا لفظ جو اسلام کی ابتدائی صدیوں میں عام علماء کے مفہوم کو ادا کرتا تھا، تدریج عام علماء سے ہٹتے ہوئے خاص ان ہی پیشہ وروں کے لئے مختص ہو گیا، یعنی خاص تلفظ اور خاص لہجہ میں قرآن پڑھنے کی مشق جن لوگوں نے حاصل کی ہے ان ہی کا نام "قار" ہو گیا خواہ اس مشق کے سوا اسلامی علوم میں سے کسی علم کا ایک حرف بھی ان کو نہ آتا ہو اس میں شک نہیں کہ عرب جس طریقہ سے عربی الفاظ کا تلفظ کرتے ہیں، اسی تلفظ کے ساتھ قرآنی الفاظ کو ادا کرنا ایک اچھی بات ہے اور میرے نزدیک تو ایسے لہجہ میں قرآن کا پڑھنا جس سے اس کی تاثیر کیفیت میں اضافہ بھی ہو، یہ بھی کوئی بری بات نہیں ہے اگرچہ بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے، بہر حال بجائے خود تلفظ اور لہجہ کے متعلق "القرآن" کی کوششیں محمود کوششیں ہیں۔ لیکن یہ کتنی بڑی دیدہ دلیری ہے کہ جس پر قرآن نازل ہوا، اس نے تو قولا و فعلا بار بار اس پر اصرار کیا کہ تلفظ کے قدرتی اختلافات کو ارادی مخالفتوں کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور جس سے جس طرح بن آئے اسی طرح قرآن پڑھنے کی اسے اجازت دی جائے۔ عربی لہجہ یا تلفظ میں قرآن پڑھنے والوں کو ان بے جا قس کے تلفظ اور لہجہ کو برداشت کرنا چاہیے جو ظالم عربی تلفظ کے ساتھ قرآنی الفاظ کو ادا نہیں کر سکتے ہیں حضرت جابر بن عبد اللہ سے ہوا وود وغیرہ صحاح کی کتابوں میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ہم لوگ قرآن پڑھ رہے تھے دنیا اسلامی والی عجمی یعنی ان پڑھنے والوں میں بعض لوگ عربی و عرب کے باشندے، تھے اور بعض اجمی و غیر عربی ملک کے بھی لوگ تھے آگے ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو خطاب کر کے فرمایا "قرآن نکل حسن" پڑھ جاؤ سب ٹھیک ہے، صحاح ہی کی مختلف

مسلمانوں کی ارادی مخالفتوں کی تاریخ میں یہ دوسرا حادثہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافتِ صدیقی کے زمانہ میں رونما ہوا جیسا کہ حدیثِ اکبر کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی مخالفت کی اس شکل نے ان ہی حدیثوں کی راہ سے سراٹھایا تھا جن کا علم کئی ہزار صحابہ میں بکھرا ہوا تھا، اور جیسا کہ عرض کیا گیا ان حدیثوں کے پہنچانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاص طریقہ اختیار کیا تھا، یہ اس کا لازمی نتیجہ تھا، یعنی عام طور پر ان حدیثوں کے متعلق معلومات کے علم میں لوگوں کی حالت متفاوت اور مختلف تھی اختیار فرمایا گیا تھا یہ طریقہ اس لئے کہ مسلمانوں کی زندگی میں اس سے سہولت پیدا ہوگی بڑھنے والوں کے لئے بڑھنے کی راہیں کھلی رہیں گی مگر لیکن اسی کے ساتھ مجرم ہونے سے ان لوگوں کو بچالینا مقصود

دقیقہ حاشیہ مسکذشتہ کتابوں مثلاً ترمذی میں ہے کہ اس کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے ہوئی کہ قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا ہے اور سب کافی اور شفا بخش ہے تو بارگاہِ الہی میں یہ اس وقت کے جواب میں بشارت ملی تھی جو حضور نے یہ کہتے ہوئے پیش کی کہ میری امت میں بڑے سے مرد بھی ہیں بڑے ہی عورت بھی ہیں جوان مرد کے اور روکیاں بھی ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ لہو لعل و اکتاباد میں نے کوئی کتاب نہیں پڑھی یعنی ناخاندانہ لوگ بھی ہیں پوچھنا ہوں کہ ایسی صورت میں ایک بھی مسلمان پر اس لئے طعن کرنا کہ وہ بے چارہ ضاد کے حرف کو اس حرف سے ادا کرنے پر قادر نہیں ہے جس سے عرب اس لفظ کو نکالتے ہیں، کس منک صحیح ہو سکتا ہے، اسی مسئلے نے افغان میں امام ابو شامہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بعض کم علم لوگوں نے یہ بیوقوفانہ ہے کہ حدیث میں سببِ طعن کے الفاظ چوتھے ہیں ان سے مراد قرأت کے مشہور سات مکاتب ہیں انھوں نے بعض لوگوں کی اس جرأت کی شکایت کی ہے جو کہتے ہیں کہ ”مفروہ“ قرأت کے لفظوں سے جو قرآن نہیں پڑھتا وہ خطا کا ہے بلکہ بعضوں نے تو کوثر تک کا خونی حادثہ کر دیا دیکھو بخان مشہور کہ یہ بھی بڑا حالہ طور پر بحوالہ مسلمانوں پر سنیہ کی تعلیم کا یہ نکتہ ہے کہ ان پیشہ ور قاریوں نے جیسا کہ آپ نے دیکھا کوثر تک بات بیگانی ہے لیکن محض اس لئے کہ ان کے طریقے سے قرآن پڑھنا جو کہ نہیں آتا اس لئے قرآن کی حکمت کسی نے رک نہیں کی ہے میرا خیال ہے کہ وقتِ اندموقع جو پیشہ ور قاریوں سے آمدی ضرر و مشورہ لے لے لیکن ان کی خدمت کو ان کے مشورے پر موقوف نہ رکھے۔

نہا جو آگے بڑھنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں رکھتے۔

مگر حسیا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس قسم کی حدیثیں گایا اختلاف اور تفقہ کے جس
دندانے کو قیامت تک پیش آنے والی دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے نظر رکھا گیا تھا جس کی
وجہ سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کا شرعی کلیات و تفصیلات کی روشنی میں ایک ہی نتیجہ تک پہنچنا ضرور
نہ تھا مگر برا اختلافات کی یہ دونوں شکلیں ایسی تھیں کہ ہلکی سی لغزش سے یہ آتش فشاں پہاڑوں
کی شکل اختیار کر سکتے تھے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان اس کی ایک تاریخی شہادت ہے کہ سابق الذکر
یعنی حدیثوں والے اختلاف سے ارادی مخالفت کی پیدائش کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات کے بعد ہی ان کے زمانہ میں شروع ہو چکا تھا۔ اسی لئے ”مقدمین حدیث“ کی تاریخ
میں لان کی تہبیدی تقریر کے ان الفاظ کو ایک خطرناک منہل کا نشان سمجھتا ہوں ظاہر ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت طیبہ میں جن بزرگوں کی تربیت ہوئی تھی خصوصاً قرآنی
قرأت کے اختلافات کے ذریعہ سے اس قسم کے اختلافات کی برداشت کرتے کی صلاحیت
جن لوگوں میں آپ پیدا کر چکے تھے جب ان ہی میں حدیثوں کے اس اختلاف نے یہ رنگ اختیار
کرنا شروع کیا تھا تو آئندہ اختلاف کی اس شکل میں کتنی شدت پیدا ہو جائے گی، حضرت
ابوبکر سے زیادہ اس کی پیش بینی اور کون کر سکتا تھا، انھوں نے اس کی اہمیت کا
اندازہ کیا اسی لئے باضابطہ صحابی کی ایک مجلس کو انھوں نے مدعو کیا ان کی پیش بینی نے جس
خطرے کو ان کے سامنے بے نقاب کیا تھا مجلس کے سامنے اسی کو واضح کرتے ہوئے اس
خطرے کے اسناد کی جو تدبیریں کی سمجھ میں آتی تھی، اسی کو ایک خوبصورت شکل میں ان لوگوں
کے سامنے آپ نے رکھا میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تہبیدی تقریر کے مطلب کو سمجھ لینے کے بعد
ان کی اسناد کی تدبیر کے سمجھنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہنی، کیوں کہ جس خطرے کے پیش
آجلانے کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ دے رہے ہیں اس خطرے

سے تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کو دو متافوتاً دو چار ہوتا پڑا ہے، حتیٰ کہ ابھی کچھ دن پہلے اسی سرزمین ہند میں مسلمانوں کی حکومت کا اقتدار جس وقت ختم ہوا خواہ بجائے خود اسلام و اسلامی قوانین سے اس حکومت کے تعلق کی نوعیت کچھ بھی ہو لیکن اتنا تو بہر حال ہر شخص محسوس کرتا تھا کہ کسی نئی بات کو چھیڑ کر مسلمانوں میں اختلاف و افتراق کی آگ کا بیج کرنا آسان نہیں ہے لیکن حکومت کے اس وباد کے ختم ہونے کے ساتھ ہی جائز یا ناجائز مزامعتوں کا اندیشہ خلوں سے نکل گیا۔ اور خواہ نیک نیتی سے ہو یا بد نیتی سے طرح طرح کے مشورے مسلمانوں کو ملنے لگے اسی سلسلہ میں جو کچھ ہوا، یا ہو رہا ہے یہاں سب سے مجھے بحث نہیں ہے، بلکہ ان احباب سے معافی چاہتے ہوئے جن کے دل کے آگینوں کو ٹھیس لگاتے ہوئے مجھے خود تکلیف محسوس ہو رہی ہے مگر کیا کروں، واقعہ کے اظہار کے بغیر شاید صحیح طور پر میں اس چیز کے سمجھانے میں کامیاب بھی نہیں ہو سکتا جس کے سمجھانے کے لئے اس تازہ تاریخی مثال کا میں نے انتخاب کیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس تاریخی مثال کے جو اعظم رجال و اکابر ابطال تھے اب وہ بے چارے تو دنیا میں موجود بھی نہیں ہیں بھر بھی بچے کچھ ان کے نام لیواؤں کا خیال آہی جاتا ہے، جو اپنے گزرے ہوئے ان ہی بزرگوں کے نشان سرمزار کی حیثیت سے اس طویل و عریض ملک کے بعض گوشوں میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں، اب کچھ بھی ہو کہنا یہ چاہتا ہوں کہ احیاء سنت و قبح بدعت اور خدا جانے کن کن الفاظ کن کن ارادوں کن کن نیتوں کے ساتھ کچھ دن پہلے اسی ملک ہندوستان میں اٹھنے والے یہ کہتے ہوئے جواٹھے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی زندگی جس کے صدیوں سے وہ پابند چلے آ رہے ہیں غیر سلا زندگی ہے، پھر اس غیر مسنون زندگی کو مسنون زندگی بنانے کے لئے اسی خبر انعام، یا خبر الواحد بعد الواحد والی حدیثوں کے ذخیروں سے ان بزرگوں نے جن جن کر ان ہی حدیثوں کا انتخاب کیا جو اب دار اسلام ہی سے ناگزیر قدرتی اختلافات کے رنگ سے رنگین تھے، وہ خود بھی جانتے تھے یا ان کو جانتا جاتے تھے تھا کہ اختلافات کی یہ صورت کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نیز

اٹھا کر نئے دالے ہر زمانہ میں جیسے مسلمانوں کو آگاہ کرتے چلے آئے تھے ہندوستانی مسلمانوں پر بھی جہاں تک میں جانتا ہوں کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا تھا جس میں ان کو چوہنکائے دالے یہ کہہ کہہ کر نہ چونکاتے رہے ہوں کہ ان اختلافات کی حیثیت وہ حیثیت نہیں ہے جو کفر و اسلام بلکہ طاعت و عصیان کے اختلافات کی ہوتی ہے خود حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ ضریحہ جن کی طرف منسوب کرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ اس غلط تحریک کی قیادت اور اولیت کو منسوب کر دیں وہی ایک جگہ نہیں بلکہ اپنی مختلف کتابوں میں صاف صاف لفظوں میں یہ اعلان کر چکے تھے کہ ان اختلافات کی ہر صورت اور ہر شکل صحیح اور درست ہے صرف ان ہی مسائل اور نتائج کی حد تک شاہ صاحب کا یہ فیصلہ محدود نہ تھا، جن کا تعلق فقہ اور اجتہاد کو تھا میں نے اپنی کتاب تمدین فقہ میں فقہی و اجتہادی اختلافات کے متعلق شاہ صاحب کے اقوال مختلف کتابوں سے نقل کر کے ایک جگہ جمع کر دئے ہیں، اور صحیح محل ان کے ذکر کا وہی کتاب بنتی بھی، بہر حال ان ہی اجتہادی مسائل کی حد تک نہیں بلکہ خبر احادیث کی بنیاد پر جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، ان کے متعلق بھی شاہ ولی اللہ اس قسم کی عبارتیں چھوڑ کر دنیا سے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ردائے ہوئے تھے مجھے خیال آتا ہے کہ اسی کتاب میں کسی موقع پر شاہ صاحب کے اس قول کو ان کی کتاب انصاف سے میں نقل کر چکا ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ

”اے اختلافی مسائل جن میں صحابہ کے اقوال ہر پہلو کی تائید میں ملتے ہیں مثلاً عیدین و تشریق کی تکبیریں محرم کا درجالت احرام حج، نکاح کرنے کا حکم، یا تشہد (انتہیات) کے کلمات جو ابن مسعود اور ابن عباس کی طرف منسوب ہیں یا آمین یا بسم اللہ کو آہستہ یا زود سے پکار کر کہنا یا نماز کی اقامت میں پہلے ڈوڈو دفعہ کے ایک ایک دفعہ اقامت کے کلمات کو ادا کرنا یہ اور اس قسم کی ساری باتوں میں اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی صورت یہ سمجھی جاتی ہے کہ شریعت کے مطابق ہے اور اس کی مخالفت شکل غیر شرعی شکل ہے بلکہ سلف کا اختلاف اگر تھا بھی تو اس میں تھا کہ ان دو مختلف صورتوں میں اولیٰ اور بہتر شکل کیا ہے ورنہ دونوں شکلوں کو شرعی شکل قرار دینے

پر سب ہی متفق تھے۔ (انصاف ص ۱۳۸)

اسی موقع پر شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہی وجہ تو ہے کہ ہر مسلک کے فقیہوں کے فتوے اور ہر مسلک کے قاضیوں کے فیصلوں کی سب ہی تصحیح کرتے ہیں، یہ ضرورت ایک امام کے مسلک کو ترک کر کے دوسرے امام کے مسلک کے اختیار کرنے کی مسلمانوں کو جو اجازت دی گئی ہے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ فقہ کے سارے اختلافی مسائل کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ شریعت کے دائرہ سے کوئی باہر نہیں ہے۔

اور ایک شاہ ولی اللہ صاحب کیا؟ اسلام کے جلیل القدر ائمہ ابو حنیفہ، مالک، شافعی امام احمد بن حنبل ان سارے بزرگوں کے اقوال اسی نقطہ نظر کی تائید میں کتابوں میں موجود ہیں ان ائمہ سے پہلے تبع تابعین تابعین بھی ہمیشہ مسلمانوں کو یہی سمجھاتے رہے جو نیکو زیادہ تر ان اقوال کا تعلق ان اختلافات سے ہے جن کا اجتہاد و تفقہ کے نتائج سے تعلق ہے اس لئے بجائے تدوین حدیث کے جیسا کہ میں نے عرض کیا ان کے ذکر کا موزوں مقام دی کتاب تھی۔ لیکن خبر آحاد کی حدیثوں سے اختلافات کے متعلق یہی شاہ ولی اللہ تنہا آدمی نہیں ہیں ان سے پہلے بھی علماء اور ائمہ نے اسی نقطہ نظر کا اظہار ان اختلافات کے متعلق کیا ہے۔ یعنی زیادہ سے زیادہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ان مسائل میں بہتر شکل کیا ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے زیادہ مطابق صورت اس مسئلہ میں کیا ہو سکتی ہے؟ ابو بکر البصالی خبر الواحد بعد الواحد کے اختلافات کا تذکرہ کر کے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان حدیثوں کی بنیاد پر مسائل کی حتمی شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔

”مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان میں میں شکل کو چاہیں اختیار کریں فقہاء اور ائمہ میں یہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ ان شکلوں میں افضل و بہتر شکل کیا ہے (تفسیر حصص ص ۱۳۸) بلکہ بعض اصحاب ان کے سوا معتبر علماء کا ایک گروہ وہ بھی ہے جو خبر آحاد کی ان اختلافی روایتوں کے متعلق ایک خیال یہ بھی رکھتا ہے کہ

”مختلف روایتوں کا یہ مطلب سمجھا جائے گا کہ یہ بتانے کے لئے کہ مسلمان ان شکلوں اور
پیلوں میں سے جس شکل اور جس پہلو کو چاہیں اختیار کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
سب ہی کر کے دکھایا ہوتا کہ معلوم رہے کہ ساری صورتیں جائز ہیں (تفسیر حصص ص ۱۲۷ ج ۱)
انکہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ان اختلافی آثار و روایات کے متعلق زیادہ تر
یہی تھا جس کی تفصیل تدوین فقہ میں ملے گی کیونکہ امام کی اہمیت فقہ کے باب میں زیادہ تر
ان کے اسی رجحان کی وجہ سے ہے۔

یہی نہیں بلکہ براہ راست جن لوگوں کی دینی و علمی تربیت صحابہ کرام کے زیر سایہ ہوئی
تھی اپنے زمانہ میں ان کی طرف سے بھی بار بار اسی نقطہ نظر کا اعلان ہوتا رہا، ام المومنین عائشہ
حدیث قدوسی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر کے صاحبزادے قاسم بن محمد کا شمار مدینہ
منورہ کے فقہار سیدہ میں ہے وہ چچیں ہی میں اپنی بیوی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے
آخری تربیت میں یتیم ہو جانے کی وجہ سے آگئے تھے اجتہادی مسائل کے اختلافات کے متعلق ان
کے اور عمر بن عبد العزیز کے جواہر کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان دونوں حضرات میں جو گفتگو ان اختلافات
کے متعلق ہوئی اور آخر میں دونوں نے ان اختلافات کے سر پہلو کے جواز پر جو اتفاق فرمایا، بقدر ضرورت
من سارے قصوں کو اپنی کتاب ”تدوین فقہ“ میں نسبتاً زیادہ تفصیل سے میں نے بیان کیا ہے،
یہی نہیں کہ صرف اجتہادی و فقہی نتائج ہی کی جھٹک ان بزرگوں کا یہی نقطہ نظر تھا بلکہ غیر آحاد والی شکل

۱۔ ماکھلا بومدین عبد البر نے اپنی متصل سند کے ساتھ بارہن جبل کے حوالے سے یہ فقہ نقل کیا ہے کہ عمر بن العزیز
خلیفہ قاسم بن محمد دونوں حضرات جمع ہوئے اور حدیثیں کا تذکرہ شروع ہوا۔ عمر بن عبد العزیز کو دیکھا جا رہا
تھا کہ قاسم حدیث کا تذکرہ کرتے عمر بن عبد العزیز اس کے مقابلہ میں ایسی روایت پیش کر دیتے جس کا مفہوم مقام
کی پیش کردہ روایت کے مخالف ہوتا اور دینک جب گفتگو سی رنگ میں ہوتی رہی تو عمر بن عبد العزیز نے محسوس
کیا کہ قاسم بن مطلق کے طریقہ کار سے کچھ گرائی محسوس کر رہے ہیں یہ دیکھ کر عمر بن عبد العزیز نے قاسم سے کہا کہ
کتاب میں کی گرائی کہیں محسوس کر رہے ہیں تو میں جوں کا توں کتاب میں اختلاف میں اس کو ظاہر فرماتے تھے۔

”صحابی روایتوں میں جو اختلافات پائے جا رہے ہیں یہ سب کچھ کتاب میں کہ ان اختلافات کے
درمیان حقیقت متعین

سے جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں ان کے متعلق بھی اس کا اندازہ حافظ ابو عمرو بن عبد البر کی اس روایت سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر اپنی کتاب جامع بیان العلم میں متصل سند کے ساتھ انھوں نے کیا ہے یعنی اسامہ بن زید کہتے ہیں

سَأَلْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ الْقَائِمِ
خَلَفَ الْإِمَامَ فِي الْمَجْهُولِ قَوْلَ
أَنْ قُرَأَتْ فَلَمْ يَنْفُخْ فِي رِجَالِ مَنْ
أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرُوءَ إِذَا لَمْ يَنْفُخْ
فَلَمْ يَنْفُخْ فِي رِجَالِ مَنْ أَصْحَابُ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرُوءَ
میں نے قاسم بن محمد سے پوچھا کہ جن فرض
نازوں میں زور سے قرات نہیں کی جاتی ان میں
بھیچے پڑھنے کا یعنی سورۃ فاتحہ کے پڑھنے
کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے اس پر قاسم بن
محمد نے فرمایا کہ اگر تم پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے صحابیوں میں تمہارے لئے نمونہ
ہے اور نہ پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابیوں میں بھی تمہارے لئے نمونہ ہے،
(جامع مت ج ۲)

جانتے والے جانتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کی قراۃ کے مسئلہ میں جو اختلافات ہیں ان
اختلافات کا تعلق نفقہ و اجتہاد سے نہیں بلکہ خبر آحاد کی حدیثوں کے اسی ذخیرے سے ہے

دقیقہ حاشیہ صفحہ گذشتہ
معاذ میں سرخ اور تھوں سے میں اتنا خوش نہیں ہو سکتا جتنا کہ ان اختلافی روایات سے خوش ہوں۔
”سرخ اور تھ“ ایک عربی معاودہ تھا انہوں جس کی قیمت کا مقابلہ کوئی دوسری چیز نہ کر سکے اسے عرب
”سرخ اور تھ“ کہتے تھے کیونکہ سرخ اور تھ سے زیادہ قیمتی چیز عربوں کے نگاہ میں کوئی دوسری چیز
نہ تھی ہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عمر بن عبد العزیز کی اسی گفتگو ہی کا شاید پلڑہ تھا کہ بعد کو قاسم بن محمد
مختلف جلسوں میں اس کا اظہار کرتے کہ

عمر بن عبد العزیز کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں
روایات کا اختلاف اگر نہ ہوتا تو میرے نزدیک یہ کوئی خوشگوار بات نہ ہوتی۔ آج ان ہی اختلافات
کا نتیجہ ہے کہ لوگ اس ٹکلی میں نہیں ہیں جو ایک ہی قول یا روایت کی وجہ سے پیدا ہو جاتی اب تو آزادی سے
ان بزرگوں کے مختلف اقوال میں سے جس قول پر بھی عمل ميسر کر جائے وہ کامیاب ہے۔ چنانچہ جامع بیانات

جس میں امام کے پیچھے پڑھنے اور نہ پڑھنے دونوں طرح کی ایسی حدیثیں ملتی ہیں جنہیں روایت کرنے والوں نے قولاً و فعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ اگر میں یہ دعویٰ کروں تو اس کی شکل ہی سے تردید ہو سکتی ہے کہ خبر آحاد کی روایتوں سے جتنے اختلافات پیدا ہوئے ہیں، ان میں قرأت خلف الامام کا مسئلہ غالباً سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے نہ صرف پچھلی صدیوں میں بلکہ عہد صحابہ میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ خصوصی طور پر بحث و تمحیص کا مرکز یہ مسئلہ بنا ہوا تھا مگر اس سلسلہ میں ایسے شدید خلافیہ کے متعلق بھی ہمارے پاس اتنا واضح اور صاف تاریخی فیصلہ جب موجود ہے تو نسبتاً ان ہی حدیثوں کی بنیاد پر جن اختلافات کی اہمیت بہت کم ہے ان کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ حدیثوں ہی کی بنیاد پر ہے، جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی نوعیت ایسے حلال و حرام امور کی ہے جن پر حرمت و حلت کا حکم شریعت کے اس حصہ کے نصوص پر مبنی ہے جس کی تعبیر قرآن نے "البیانات" سے کی ہے۔ امام مصریؒ بن سعد جن کے حالات کا تذکرہ کسی موقعہ پر گذر چکا ہے، ان کے حوالہ سے یحییٰ بن سعید القطان نے یہ کتنی نچتہ بات نقل کی ہے یعنی لیث کہا کرتے تھے۔

فتویٰ دینے والے لوگ ہمیشہ سے فتویٰ دیتے
ہوئے اگر وہ کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام
تھہرنے چلے آ رہے ہیں، لیکن ان فتویٰ دینے
والوں میں سے کسی کو نہیں پایا گیا کہ حرام قرار
دینے والے یہ سمجھتے ہوں کہ حلال تھہرانے والے
تباہ ہو گئے یعنی دین سے خارج ہو کر نجات
سے محروم ہو گئے، اسی طرح حلال تھہرانے والا
نے کہی یہ نہ سمجھا کہ اسی مسئلہ کے متعلق حرمت کا

ما برح ألوا لفتویٰ یفتون فیحل
هَذَا وَیَحْرِمُ هَذَا فَلَا یَرَى الْمَحْرَمَ
ان المحل هلك لتخلیه ولا یری
المحل ان المحرم هلك لتحریمه
(جامع بیان العلم منہجاً)

فتوے دینے والے ہر ایک دہماء ہو گئے۔

اور صحیح پوچھنے تو کتابوں میں اگرچہ اس قسم کے اختلافی نتائج پر بھی حلال و حرام کے الفاظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے لیکن یہ صرف خطرناک قسم کی غلطی ہی نہیں بلکہ میرے نزدیک تو بڑی جسارت ہوگی، اگر حرام و حلال کے الفاظ کا وہی مطلب یہاں بھی سمجھا جائے جو شریعت کے "بنیانی" حصہ میں حلال و حرام کے الفاظ کا مطلب ہوتا ہے، آخر اتنی بات تو قریباً ہر عامی مسلمان بھی جانتا ہوگا کہ جس چیز کو "البنیات" کے نفوس صریحہ میں مثلاً حرام قرار دیا گیا ہے اس کی حرمت کا انکار کر کے جو اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دے گا، یا برعکس اس کے "ہیئت" میں جو چیزیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں ان کو حرام قرار دینے والا دونوں کا اسلام سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا وہ گناہ کے نہیں بلکہ جرم بغاوت کے مجرم بن جاتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے منکر کا جو انجام ہوگا وہی انجام اس قسم کے باغیوں کے سامنے بھی آئے گا۔

پھر کیا کسی حدیث کی بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر کسی چیز کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اور حنفی مذہب میں بجائے حلت کے اسی چیز کی حرمت کے پہلو کو ترجیح دی گئی ہو، کیا حلت و حرمت کے یہ اختلافات جو خبر آحاد کی حدیثوں پر مبنی ہیں، محض ان کی بنیاد پر مجال ہے کسی حنفی کی جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس کا بھی اندیشہ کر سکتا ہے کہ اس فتوے کی وجہ سے فضل و قرب کے مدارج و مراتب میں ان کے کسی قسم کی کوئی کمی ہو گئی ہے، یقیناً نہ کوئی حنفی یہ تصور کر سکتا ہے اور نہ کرتا ہے اسی طرح میں نہیں جانتا کہ باوجود ان تمام اختلافات کے حضرت امام ابو حنیفہ کے لئے رحمۃ اللہ علیہ یا دمار خیر کرنے سے کسی شافعی کے دل میں تنگی پیدا ہوتی ہو فقہی مسائل کے اختلافات کی کیا نوعیت ہے اور خود ائمہ اجتہاد و تفہم سے ان اختلافات کے متعلق جو باتیں کتابوں میں ملتی ہیں میں نے کتاب "تدوین فقہ" میں سب رسمیت کر ایک ہی جگہ پر جمع کر دیا ہے یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی معلومات کے تازہ کرنے کے لئے اس کا مشورہ ضرور کروں گا کہ ناظرین "تدوین فقہ" کے

اس حصہ کا اس موقع پر مطالعہ کر لیں۔

میں ذکر مسلمانان ہند کی تاریخ کے اس حادثہ کا ذکر رہا تھا جس میں زویل حکومت کے بعد چانک اس ملک کے مسلمان مبتلا ہو گئے تھے وہی حادثہ جس میں دیکھا گیا تھا کہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں نے رزمگاہوں کا قالب اختیار کر لیا نماز کی صفیں نماز کی صفیں نہیں بلکہ باغیہ کی جنگ کی صفیں بن گئی تھیں جو نماز نہیں پڑھتے تھے ان کو نہیں بلکہ نماز پڑھنے والوں کو نمازوں ہی کے پڑھنے والے اٹھا اٹھا کر زمین پر ٹپک رہے تھے۔ (باقی آئندہ)

۱۔ ”ندوین فقہ“ میں مولانا محمد رفیع دوسرے المذاہب کے اقول بھی آپ کو ملیں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کہنے والے یہ جو کہتے ہیں کہ المذہب یا علماء نے اختلاف کیا بجائے اس کے یہ کہتا زیادہ بہتر ہو گا کہ علماء خود سنت نظر سے کام لیا۔ امت کے لئے سہولت بہم پہنچائی ہے، امام احمد بن حنبل سے پوچھنے والے نے جب پوچھا کہ کہا کہ کیا آپ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، جس کا وضو آپ کے فتویٰ کی رو سے باقی نہیں رہا ہے اگرچہ دوسرے المذہب کے قول کے مطابق اس کا وضو نہ ٹوٹا ہو اور بعض جزئیات کا اس نے ذکر بھی کیا جواب میں فرماتے لگے کہ اسے شخص تو کیا کہتا ہے میں سعید بن المسیب جو افضل تابعین سمجھے جاتے ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھوں گلیو تو اس مسئلہ میں سعید کا مذہب بھی یہی تھا کہ وضو نہیں ٹوٹتا، اسی میں میں نے یہ بھی نقل کیا ہے اور تقریباً یہ روایت حدیث شہرت تک پہنچی ہوئی ہے کہ امام مالک سے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے باصرار بلع کہا کہ آپ کے فقہی اجتہاد کو میں زندہ شمشیر مسلمانوں میں چاہتا ہوں کہ تاؤ کرادوں اس پر امام مالک نے شدت سے اس کو منع کیا اور کہا کہ جس علاقہ کے مسلمان جن امور کے باندہ ہو چکے ہیں ان کو اسی حال میں چھوڑ دو میں پوچھتا ہوں کہ امام مالک اگر ان مسائل کو جو ان کے اجتہادی مسائل سے مخالفت تھے قطعی طور پر خلاف شرع سمجھتے تھے تو کوی وجہ ہو سکتی تھی کہ جن کے نفاذ کا ایک بہترین ذریعہ ان کو مل گیا تھا اس سے نفع نہ اٹھاتے اور مسلمانوں کو غلط مسائل پر قائم رکھے کا مشورہ دیتے؟ الموضع اسی قسم کی باتیں تقریباً تمام المذہب کے حوالہ سے اس کتاب میں نقل کی گئی ہیں کتاب ”ندوین فقہ“ جو ابھی غیر مطبوع نامکمل حال میں ہے اس کا یہ حصہ جس میں فقہی اختلافات کے اس پہلو کا ذکر آیا ہے جلد تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ جدیداً اردکن میں شائع ہو چکا ہے جامعہ کے تحقیقاتی شعبہ نے غائب ہل سکس ہے نیز برہان وغیرہ شہری مجلات میں ابھی قسط وار یہ سلسلہ شائع ہو چکا ہے۔ ۱۱

عظمت حدیث

ان

(جناب پروفیسر منیر احمد صاحب بدایونی ایم۔ اے کچھوشناری علیہم و آلہم و سلم)

قرآن کا دعویٰ ہے اور دعویٰ بھی کیسا جو نہ صرف اپنی بلکہ انصاف پسند غیروں کی کسوٹی پر بھی پورا اتر چکا ہے کہ وہ دنیا کے لئے ایک مکمل جامع قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قانون اصولی طور پر انسانی زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ اصلاح عقائد۔ تصحیح عبادات۔ دستی معاملات۔ مجموعہ تعزیرات۔ آئین سیاست۔ آداب معاشرت اصول اخلاق غرض کوئی گوشاس کی حدود سے باہر نہیں مگر جس طرح ہر قانون کی کچھ *موجوہات* یا نظائر ہوتی ہیں جن کو اس قانون کی شرح یا عملی شکل سمجھنا چاہئے اسی طرح اس قانون الہی کی بھی ایک شرح ہے جس کو حدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آج کی صحبت میں ہم چاہتے ہیں کہ حدیث اور اس کی تاریخ کے بارے میں چند ضروری باتیں گوش گزار کر دیں تمام مذاہب عالم میں اسلام ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے دنیا کو ایک مکمل قانون دینے کے ساتھ ایک ایسا مکمل و کامل معلم بھی عطا کیا جس کا ہر قول و فعل جو قانون مذکور کی صحیح تصویر ہے آج ہمارے سامنے آئینہ ہے۔ قرآن اقامت صلوة۔ ادائے زکوٰۃ۔ حج و جہاد۔ اپنی زندگی اجتماعی مسائل سب کی نسبت ہدایات و تعلیمات پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ تعلیمات نظری رہتیں اگر وہ معلم ربانی خود اپنی زندگی میں ان کو برت کر نہ دکھا دیتا مثلاً قرآن کا حکم ہے کہ اگر کسی کے ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ برتاؤ میں عدل اور برابری فرض ہے لیکن جب ہم احادیث میں پڑھتے ہیں کہ رسول مقبولؐ کھانے۔ کپڑے۔ رہنے۔ سہنے میں کس طرح ازواج مطہرات

۱۔ حدیث کا اطلاق آنحضرتؐ کے قول۔ فعل اور تقریر پر ہوتا ہے صحابہ اور تابعین کے قول۔ فعل اور تقریر کو بھی حدیث یا اثر کہتے ہیں حدیث کو سنت وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔

کے ساتھ صل فرماتے تھے تو اس حکم کی عملی تفسیر نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ محدثین سے لے کر ہر زمانے میں امت نے حدیث کی روایت و حفاظت کو ایک مذہبی فریضہ قرار دیا۔

روایت کے بارے میں مسلمانوں کی احتیاط اس وجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ سیر و مخازی تو درکنار عام غلغلہ و سلاطین کی تاریخ میں بھی اس پابندی کو سختی سے ملحوظ رکھتے تھے چنانچہ مقدمہ عربیہ مودعین کی کتابوں میں آپ دیکھیں گے کہ کوئی واقعہ اس وقت تک بیان نہیں کیا جاتا جب تک اس کا سلسلہ آخرِ راوی سے لے کر عنیم وید گواہ تک منتہی نہ ہو اسی بنا پر مستشرقین نے اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کے بعد احادیث کے حفظ و ضبط میں جو حیرت انگیز سعی کی ہے اس کی مثال کسی قوم کی مذہبی و علمی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس دینی شغف میں سب سے پہلے صحابہ کرام کا نمبر ہے انھوں نے خود حضور کے حکم کی تعمیل میں آپ کے ارشادات کو یاد رکھا۔ قلمبند کیا اور دوسروں تک پہنچایا چنانچہ محدثین کا بیان ہے کہ ایسے صحابہ کی تعداد جنہوں نے سن کر یاد رکھ کر آپ کے اقوال و افعال کو روایت کیا ایک لاکھ سے اوپر ہے صحابہ کے بعد لاکھوں تابعین اور تبع تابعین آتے ہیں جو اپنی مقدس زندگیاں اسی خدمتِ دین کے لئے وقف کر چکے تھے جو ایک ایک حدیث بلکہ ایک ایک لفظ کی تحقیق کے لئے سیکڑوں کوس کی مسافت برداشت کرتے تھے اور جو علمِ نبوی کی نشر و اشاعت کی خاطر ہزاروں خرچ کرتے تھے یہی زمانہ کتبِ حدیث کی باقاعدہ تالیف و تدوین کا تھا۔ ان حضرات کے ذوقِ علم کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک ایک شہر میں ایک ایک ہزار شیخ حدیث کی روایت کی خدمت انجام دیتے تھے اور ایک ایک فرد اپنے وطن میں اور وطن سے نکل کر دودھ ہزار اساتذہ و شیوخ سے حدیث اخذ کرتا تھا۔

آج کل ہم تحریر پر تمام دار و مدار رکھنے کے باعث حلقے کی کمزوری میں مبتلا ہیں اس

مذہب لوگوں نے حالتِ اسلام میں رسول خدا کو دیکھا وہ صحابہ کہلاتے ہیں۔ صحابہ کے دیکھنے والے تابعین اور تابعین کے دیکھنے والے تبع تابعین کہلاتے ہیں۔ کل احادیث کی تعداد تقریباً ۱۰ ہزار اور صحیح احادیث کی تقریباً ۱۰ ہزار بتائی جاتی ہے

لئے شاید مشکل سے ان واقعات کا یقین کریں۔ لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ امام احمد بن حنبل کو سات لاکھ احادیث یاد تھیں اور اتنی ہی امام ابو زرہ کو امام بخاری اور مسلم کو قنین بن وکعہ تھیں از بر تھیں اسی پر دوسرے بزرگوں کو قیاس کیجئے۔ اللہ تعالیٰ علمائے اسلام کی تربتوں کو منور کرے جنہوں نے علم نبیؐ کی خدمت میں عمریں وقف کر دیں اور جانیں ادا دیں۔ مصنفات۔ مسانید اور سنن کی جمع و تدوین و ترتیب و تبویب کے علاوہ ان علماء نے حدیث سے متعلق جو علوم وضع کئے ان کی تعداد سو تک پہنچتی ہے اور جو تصانیف چھوڑیں ان کا شمار ہزاروں سے متجاوز ہے۔ فن روایت۔ اصول و روایت۔ رجال حدیث۔ لغات حدیث۔ مصطلحات حدیث اصول حدیث پر اس وقت جو سرمایہ مسلمانوں کے پاس ہے اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئے ڈاکٹر اسپرنگر نے سچ کہا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں نہ ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے حدیث کے رجال یعنی راویوں کی باوجود گرافی کا یہ زبردست ذخیرہ جس کی مدد سے ہر روایت کا صدق و کذب آپ آج بھی جانچ سکتے ہیں صاف بتا رہا ہے کہ مسلمانوں کا وہی شغف اور علمی ذوق کس قدر بلند تھا۔ ان حضرات کی جستجو و استقصا کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رجال کی صرف ایک مختصر سی کتاب تقریب التہذیب میں محمد نام کے ۸۵۶ اور عبد اللہ نام کے ۶۰۸ راویوں کا ریکارڈ موجود ہے دوسرے اسماء سعد۔ سعید۔ عمر۔ عمرو۔ عبد الرحمن وغیرہ کا بھی کم و بیش یہی حال ہے راویوں کے نام و نسب و سکونت کے علاوہ ہر ایک کے بارے میں نقد و نظر۔ جرح و تعدیل کے سرمایے کی بنا پر ہم ذوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے کون ثقہ ہے کون غیر ثقہ۔ کس کی روایت معتبر ہے اور کس کی غیر معتبر۔ اگر کسی راوی پر کذب، ہمت، فسق، بدعت، گمنامی، قحط، غلطی، ثقات کی مخالفت، وہم یا حافظہ کی کمزوری کا لازم ہے تو محدثین نے بے رواداریت اس کو مجروح اور اس کی روایت کو مردود ٹھہرایا ہے۔ احادیث کی تقسیم مرفوع و موقوف و مقطوع۔ قولی و فعلی و تقریری۔ اسی طرح احاد و متواتر۔ مشہور و عزیز و غیب

صحیح و حسن مقبول و مرکب و غیرہ بتا رہی ہے کہ علمائے اسلام کی نظر کس قدر گہری اور معیار نقد کس قدر مکمل تھا اور احادیث کی اقسام میں جن کی تریض طوالت کے خوف سے ترک کی جاتی ہیں فن روایت کے بعد اصول و روایت کا نمبر آتا ہے۔ یعنی اسناد ایک حدیث کے راوی سب ثقہ و مستند ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ غلط اس کے اند کوئی نقص ہو۔ اس صورت میں بھی وہ پائے اعتبار سے ساقط سمجھی جائے گی اس کی علمائے اسلام نے مختلف صورتیں قرار دی ہیں۔ مثلاً

(۱) کوئی حدیث صریح عقل کے خلاف ہو۔

(۲) مشاہدے یا واقعے کے خلاف ہو۔

(۳) اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن مجید کے خلاف ہو۔ مثلاً دنیا کی عمر کے متعلق احادیث۔

(۵) احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہو۔

(۶) واقعہ جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہو اس کی شان یا عادت کے خلاف ہو۔

(۷) حدیث میں کوئی فضول یا رکیک بات بیان کی گئی ہو۔

(۸) حضرت خضر کے متعلق احادیث۔

(۹) قرآنی سورتوں کے نفاک کی احادیث۔

(۱۰) اطباء کے کلام سے مشابہت رکھنے والی احادیث۔

(۱۱) وہ حدیث جس میں معمولی نیکی پر بڑے اجر کا وعدہ یا خفیف سی غلطی پر سخت عذاب کی

دھمکی ہو۔

(۱۲) جس درجے کا اہم واقعہ ہو شہادت اس درجے کی نہ ہو۔ مثلاً روایت ایسی ہو کہ تمام لوگ اس سے واقف ہونے کی ضرورت ملتی تاہم ایک راوی کے سوا کسی اور نے یہ روایت نہیں کی یا ایسا اہم واقعہ بیان کیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں شخص اس کو روایت کرتے۔ اس کے باوجود صرف ایک شخص اس کا راوی ہے۔

(۱۳) راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی۔
 (۱۴) وہ روایت جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہوں۔ یا جس کی تردید کے قرائن
 زیادہ ہوں مثلاً یہود و خیر سے جزیہ معاف ہونے کی روایت۔

(۱۵) روایت میں اصل واقعے کے علاوہ راوی کی ذاتی رائے بھی شامل ہو۔
 (۱۶) ثقہ راوی سے روایت کے سمجھنے یا بیان کرنے میں غلطی کا احتمال ہو۔ مثلاً حضرت
 ابن عمر کی روایت کہ اہل میت کے روضے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

محدثین و محققین کو روایت و درایت کے قواعد مرتب کرنے کی ضرورت اس لئے پیش
 آئی کہ خواص و عوام میں حدیث کی مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے دجالین و دغا بین نے ملّا
 کا لباس پہن کر اپنے دل سے عادیث تراشنے اور نادانوں کو گمراہ کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔
 رسول مقبولؐ کا ارشاد ہے کہ من کذب علیّ متعلداً فلیتوب مقعداً من الناس۔ یعنی جو

مجھ پر قصد آجھوٹ جوڑے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے یہ حدیث اتنے صحابہ سے مروی ہے
 اور صحابہ کے بعد بھی ہر عہد میں استیاضہ خاص نے اس کو روایت کیا ہے کہ یہ درجہ تواتر کو پہنچ گئی
 ہے ویسے بھی صحابہ سے جو دین کے حامل ہیں اس کی توقع نہیں ہو سکتی کہ ان میں سے کوئی کمزور
 کا شخص بھی آنحضرتؐ پر بالقصد افترا کرے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ الصحابة کلہم عدل یعنی
 سب صحابہ حدیث کے پہنچانے میں لائق وثوق و قابل اعتبار ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر جلیل القدر صحابہ حضورؐ سے حدیث روایت کرتے وقت کمال احتیاط
 برتتے تھے اور اپنی ذمہ داری کے خوف سے کانپ اٹھتے تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرات مشرور
 مبشرہ سے جو مقربین بارگاہ رسالت تھے بہت کم روایات تعداد میں احادیث مروی ہیں اور ایسے
 اصحاب جو اکثر ماضی راہ رہتے تھے اور جن سے زیادہ احادیث مروی ہیں چھ سات سے زیادہ
 نہیں البتہ قول مابعد میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اپنی اغراض نفسانی کی خاطر احادیث وضع کرنے
 میں بے باک تھے اور وضع احادیث کے مختلف اسباب تھے۔

۱۱، بعض علمائے سونے حدیث کو امراؤ سلاطین کے درباروں میں تقرب کا ذریعہ بنایا۔
 سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ایک فقرہ لکھا ہے کہ خلیفہ ہمدی کو کبوتروں کا بہت شوق تھا ایک
 من غیاث بن ابراہیم محدث کو باریالی کا موقع ملا۔ جب حدیث سنانے کی فراہم کی گئی تو غیاث
 نے کہا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ گھوڑہ دودڑ۔ تیرا مذازی۔ اور کبوتر بازی کے علاوہ شرط بنانا
 نہیں۔ ہمدی نے خوش ہو کر دس ہزار درہم عطا کئے۔ جب شخص مذکور چلا گیا تو ہمدی نے کہا میں
 گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص کذاب ہے اور اس نے محض میرے خوش کرنے کو کبوتر بازی کے الفاظ
 اپنی طرف سے بڑھائے ہیں یہ کہہ کر سب کبوتر فروش کرا دئے۔

۱۲، مشاجرات و نزاعات صحابہ کی بنا پر مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے تھے اور ہر فریق کے
 لوگوں نے دوسروں کے خلاف اور اپنے موافق روایت سازی سے کام لیا۔

۱۳، حکومت وقت نے اپنے پر دبا گئے اور اپنے حریفوں کی امانت کی غرض سے اس
 مشنری کو حرکت دی۔ چنانچہ متعدد احادیث جو بنی امیہ یا بنی عباس کی حمایت میں ہیں اور جن کو
 ناقدین حدیث نے رد کر دیا ہے۔ اسی قبیل سے ہیں۔

۱۴، بعض سادہ لوح افراد نے نیک نیتی سے اس گناہ کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ لوگوں نے
 مسجد کوفہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ دار زار درہم لٹا رہا تھا۔ جب وہ پوچھی گئی تو بتایا کہ میں احادیث
 وضع کیا کرتا تھا اب تائب ہو چکا ہوں۔ لیکن ہزاروں حدیثیں جو فضائل قرآن میں تصنیف کر کے
 ملک میں پھیلا چکا ہوں ان کا اب کیا تدارک ہو۔ لوگوں نے کہا آخر یہ حرکت کی ہی کیوں تھی
 جواب دیا کہ لوگ قرآن چھوڑ کر فہم بوجہ میں مشغول ہو گئے تھے اس لئے فضائل قرآن میں
 احادیث وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی اکثر احادیث جو صوفیہ سے مروی یا ان میں رائج
 ہیں۔ ان کا بھی یہی حال ہے۔ مثلاً من عرف نفسه فقد عرف ربه جس نے اپنے نفس کو پہچان
 لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ سمعنا ما قولہ ہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ یحییٰ بن سعید کا قول
 ہے من عشق فکتم فہات مات شہیداً جو عشق میں پاکباز رہے اور اس کو چھپائے

تو اس کی موت شہید کی موت ہوگی۔ یحییٰ بن معین نے یہ روایت سن کر فرمایا کہ اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا تو میں اس کے راوی سے جہاد کرتا۔ علی ہذا موتوا قبل ان تموتوا مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ یا کنت کنتراً مخفیاً الخ محدثین نے ان حدیثوں کو بے اصل قرار دیا ہے اسی طرح یہ روایت بھی کہ حضور پر نور نے سماع میں شرکت فرمائی اور حالت وجد میں گریبان چاک کر ڈالا ہر امر افترا ہے۔ علامہ علی قاری لکھتے ہیں کہ خدا اس کے دفع کرنے والے پر لعنت فرماتے۔

(۵) واعظا اور فقہ خواں اپنی گری بازار کے لئے روایات گھر گھر آنحضرت سے منسوب

کر دیتے تھے اس لئے حضرت علی نے ایسے واعظین کو مسجد سے نکال دیا۔

(۶) متعدد گمراہ فرقوں نے اپنی بدعات کی تردیح کے لئے اس شغل کو اپنا آلہ کار بنایا جیسا

کہ کتب حدیث کے مطالعہ کرنے والوں سے نئی نہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا علمائے امت نے بروقت اس قتنے کی روک تھام کی اور ایسے

عدہ اصول مرتب کئے جن سے حق و باطل جدا جدا ہو گئے۔ علامہ علی قاری۔ علامہ ابن جوزی۔ علامہ سیوطی

اور دوسرے بزرگوں نے موضوعات کو کتابی صورت میں یکجا کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

متعدد احادیث جو ہمارے یہاں میلاد شریف کی محافل میں بیان کی جاتی ہیں یا معجزات و فضائل

سے متعلق ہیں یا حضرات صوفیہ کی تصانیف میں داخل ہو گئی ہیں سرے سے بے اصل ہیں۔

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ شبہات جو حدیث پر بعض مستشرقین یا نو تعلیم یافتہ

گروہ کی طرف سے وارو کئے جاتے ہیں صاف کر دئے جائیں یہ شبہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) احادیث کے ذخیرہ کی اس قدر کثرت کو دیکھتے ہوئے حفاظ حدیث کا ان کو محفوظ رکھنا

نہایت مستعبد اور مبالغاً آمیز معلوم ہوتا ہے۔

(۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین نے لوگوں کو کتابت حدیث سے ہمیشہ منع فرمایا

ہر سادات سے مدونوں بعد یعنی تیسری صدی ہجری میں کتب احادیث کی تدوین ہوئی۔ ایسی

صورت میں ان کے مستند ہونے کی کیا دلیل ہے۔

۳، اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ ذخیرہ مستند ہے۔ تاہم اس کی حیثیت ایک تاریخی ریکارڈ کی ہے۔ مذہبِ حدیث کا ہم پر محبت ہونا اور واجب العمل قرار پانا کبھی تسلیم کیا جائے۔ پہلے شبہ کے متعلق ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ محدثین نے اکثر یہ کوشش کی ہے کہ ایک ہی روایت کی نوٹن کے لئے اس کے جتنے طرق و اسناد ہوں سب کو محفوظ رکھا جائے۔ جیسا کہ علامہ ابن ہرزی کا قول ہے ان المراد بهذا العدد الطرق لا المتن یعنی حدیثوں کی اتنی بڑی تعداد سے مراد اسناد ہیں نہ کہ متن۔ مثلاً مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات ۱۰۰ طرق سے مروی ہے یعنی اگرچہ حدیث ایک ہی ہے۔ مگر راویوں کے متعدد سلسلوں کی بنا پر اس کو ۱۰۰ شمار کیا جاتا ہے اسی کے ساتھ عربوں کے غیر معمولی حافظے اور مذہب کے ساتھ ان کے زبردست شغف کو دیکھتے ہوئے ان کا محفوظ رہنا بعید از عقل نہیں معلوم ہوتا یہاں یہ بات اور صاف کر دینی چاہئے کہ جب ہم لاکھوں حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد صرف اقوال نبوی نہیں ہوتی کیونکہ حدیث کا لفظ رسول پاک کے قول۔ فعل اور تقریر دینی جس کام کو آپ نے دوسرے کو کرنے دیکھا اور انکار نہ فرمایا سب پر حاوی ہے۔ بلکہ آپ کے ملازم صحابہ اور تابعین کے قول۔ فعل اور تقریر کو بھی محدثین نے حدیث کی تعریف میں داخل کیا ہے دوسرا شبہ بھی قلت تدبر کا نتیجہ ہے یہ درست ہے کہ آنحضرت نے شروع میں کتابت حدیث کی ممانعت فرمائی تھی۔ کیونکہ قرآن سے لوگوں کی توجہ ہٹ جانے اور قرآن و حدیث کے مخلوط ہو جانے کا خطرہ تھا لیکن جب یہ خطرہ رفع ہو گیا تو حکم امتناعی واپس لے لیا گیا۔ رہی نفسِ روایت اس کی اجازت بلکہ حکم برابر باقی رہا۔ یہ ضرور ہے کہ محتاط اور دور میں صحابہ کرام حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ قبولِ روایت میں پوری احتیاط برتتے تھے۔ اور صحابہ سے بغیر گواہ اور قسم کے حدیث قبول نہ فرماتے تھے۔

عام خیال یہ ہے کہ تدوین حدیث تیسری صدی ہجری کا واقعہ ہے کیونکہ جامعین محلِ حدیث

۱۱ ان العصب قل خضت بالنسب۔ یعنی عرب ماحقلے کے بارے میں مخصوص درجہ رکھتے ہیں ۱۱

نے تفسیری صدی کے لگ بھگ وفات پائی ہے چنانچہ امام بخاری کا سال وفات ۲۵۶
 امام مسلم کا ۲۶۱۔ ابن ماجہ کا ۲۴۳۔ ابوداؤد کا ۲۴۵۔ ترمذی کا ۲۴۹۔ اردلانی کا ۳۲۲ ہجری
 ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ لیجئے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث کی تدوین اسلام
 زہری کے ہاتھوں پہلی صدی ہجری کے آخر میں عمل میں آئی۔ بہر صورت جب حضورؐ سے اتنی
 مدت کے بعد یہ سرمایہ مدون ہوا تو اس کی صحت کا کیا اعتبار لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ
عہد نبوت اور عہد صحابہ میں حدیث کا کافی ذخیرہ تحریر و تدوین کے مراحل طے کر چکا تھا خود امام بخاری
 نے اپنی مجمع میں باب کتاب العلم باندھا ہے جس میں حضرت علیؑ کے پاس ایک صحیفے کا موجود
 ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس صحیفے میں دیت وغیرہ کے احکام قلمبند تھے۔ ایک دوسری حدیث
 میں حضورؐ کے خطبہ فتح مکہ کا ذکر ہے اس موقع پر ایک شخص ابو شامی عرفی کہتے ہیں کہ یا حضرت
 یا احکام میرے لئے لکھوا دیجئے۔ جس پر آپؐ فرماتے ہیں اکتبوا لابی فلاں یعنی ان کے لئے یہ
 احکام قلمبند کر دئے جاتیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس بھی اپنی مرویات جو بائخ ہزار سے اونچی
 تھیں کتابی صورت میں موجود تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنی مرویات جو حضرت
 ابو ہریرہؓ کی مرویات سے بھی زیادہ تھیں حضورؐ کی اجازت سے لکھ لی تھیں۔ حضرت انسؓ جن سے
 تقریباً بارہ سو احادیث مروی ہیں خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کو لکھ کر رسول مقبولؐ کی خدمت
 میں پیش کر دیا تھا۔ حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی حال تھا۔ آخر الذکر بزرگ
 کے پاس اقوال نبویؐ کے علاوہ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کے قوائد بھی قلمبند تھے۔ یہ تحریری مجموعے
 ان مراسلات اور معاہدات کے علاوہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھ کر سلطان
 کو بھیجے گئے تھے یا بعض جماعتوں کو سپرد کئے گئے تھے۔

جو حضرات عہد رسالت میں اس مقدس سرمایے کا قید کتابت میں آنا تسلیم نہیں کرتے
 انہیں چھ محدثین کی جمع کردہ کتب حدیث جو انھیں کے نام سے مشہور ہیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں انہیں
 مکشرف فی الحدیث اس ترتیب سے ہیں عبداللہ بن عمرو۔ تقریباً چھ ہزار، ابو ہریرہؓ۔ ۲۵۴۴، عبداللہ بن عباسؓ۔ ۲۶۰۰
 عائشہ صدیقہؓ۔ ۲۷۰۰، عبداللہ بن عمرؓ۔ ۱۶۳۰، جابرؓ۔ ۱۵۰۶، انسؓ۔ ۱۲۸۲۔

صحابہ کرامؓ سے بیگانہ ہیں۔ یادداشت ایسا کہہ کر حدیث نبویؐ کی اہمیت کو گھٹانا چاہتے ہیں۔ اصل ان کی مثال اس کوزہ پشت بڑھیا کی ہے جو خود تندرست ہونے کی بجائے یہ جانتی ہے کہ تمام دنیا کی بیٹھیا اسی کی طرح کٹھری ہو جائے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سرورِ عالمؐ کی حیات مبارک ہی میں ایک طرف قرآن مجید تمام سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہو کر پوری اسلامی آبادی میں دائرہ سائر ہو چکا تھا اور دوسری طرف احادیث کا کل نہیں تو بڑا حصہ قیدِ تحریر میں آچکا تھا۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں جب صحابہ کی جماعت کے لکڑا فرا و فوات پا چکے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس خوف سے کہ علم حدیث دنیا سے مٹ نہ جائے ابو بکر بن حزم کو احادیث کی جستجو کا حکم دیا اور ابن شہاب زہری کو مدینہ پر مامور کیا۔ امام زہری اور ان کے رفقاء نے کارہائے اس دور میں علم حدیث کی بڑی خدمت کی۔ مگر افسوس کہ اس دور کے اکثر کارنامے زمانہ کے ہاتھوں تلف ہو گئے۔ یہاں تک کہ امام بخاریؒ اور ان کے رفقاء کا عہد آگیا۔ غیر مناسب نہ ہو گا اگر مثال کے طور پر یہاں بخاریؒ کی تالیف کا واقعہ مختصر آئیں کر دیا جائے جس سے سلف کے حیرت انگیز مافیہ اور غیر معمولی احتیاط کتابت کا اندازہ ہو سکے گا۔ خود ان کا بیان ہے کہ شیخ اسحق کی مجلس میں آجھن دوستوں نے کہا کہ اگر احادیث کے دفتر میں سے ایک مختصر اور مستند انتخاب کر دیا جائے تو کیا اچھا ہو۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے تقریباً سات ہزار حدیثیں چھانٹ لیں اور ان کو اپنے ادرحق تعالیٰ کے درمیان محبت قرار دیا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان کے مافیہ کا امتحان کرنے کے لئے سو حدیثوں کو اس طرح الٹ پلٹ دیا کہ ایک کے متن میں دوسری کے اسناد ملا دیے۔ امام بخاریؒ نے تمام حدیثوں کو صحیح متون اور اسناد کے ساتھ اسناد یک کتابت میں اس قدر احتیاط مد نظر رکھی کہ صرف وہ حدیث درج کرتے جو صحت کے اعلیٰ درجے پر ہوتی اور جس کے اسناد متصل ہوتے اور ہر حدیث کھنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعتیں ادا کرتے اور ممبر و قبر نبویؐ کے درمیان بیٹھ کر مصروفِ تخریر نہ ہو کہ احادیث کو حذف کرنے کے بعد چار ہزار کے قریب ہوتی ہیں۔

ہوتے اس طرح یہ کتاب سترہ سال میں تکمیل کو پہنچی۔ اسی احتیاط کا نتیجہ ہے کہ حدیث کی چھ مشہور کتابوں (صحاح ستہ) میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ اور یہ دونوں صحیحین کہلاتی ہیں اور ان میں بھی صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد آسمان کے نیچے اصح الکتاب تسلیم کی گئی ہے۔

_____ محدثین کا قول ہے کہ دنیا کے حفاظ چار گندے ہیں۔ ابوذر رہا رے میں۔ مسلم نیشاپور میں۔ دارمی سمرقند میں۔ اور بخاری بخارا میں اور ان میں آخر الذکر علم و فہم میں سب سے بہتر ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ظل و اسامیہ حدیث کے علم میں وہ اپنے عہد کے امام تھے چنانچہ مشہور ہے کہ عہدِ طلب میں ایک مرتبہ ان کے شیخ اپنی کتاب سے ان کو حدیث پڑھا رہے تھے کہ ان کی زبان سے نکلا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم۔ بخاری نے ٹوکا اور کہا کہ ابو الزبیر نے ابراہیم سے سماعت حدیث نہیں کی ہے۔ استاد انصاف پسند اور قدر شناس تھے خوش ہوئے اور دریافت کیا کہ صحیح کیا ہے۔ جواب دیا سفیان عن الزبیر بن عدی عن ابراہیم۔ اسٹان کی معلومات دیکھ کر حیران ہوئے اور اپنی کتاب میں تصحیح کر لی۔

اسی سلسلے میں ان کا ایک خواب دلچسپی سے غالی نہیں وہ یہ کہ انھوں نے دیکھا کہ میں رسول مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپؐ کو کچھا مچل رہا ہوں۔ جس کی ایک شخص نے یہ تعبیر کی کہ تم احادیثِ نبویہ سے وضا عین و جالین کا کذب دفع کرو گے۔

ایک جگہ خود امام بخاری نے لکھا ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں اور یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب ان کی عمر سولہ برس کی تھی۔ انھیں کا بیان ہے کہ میں نے مختلف بلادِ اسلام میں جا کر متعدد شيوخ سے (جن کی تعداد اٹھارہ سو تک پہنچتی ہے) حدیث اخذ کی اور ہر حدیث کی سند بھی ازبر ہے۔

ان کی صحیح بخاری خالص صحیح احادیث کا پہلا مجموعہ ہے جس میں قبولِ روایت کی شرائط بہت سخت رکھی ہیں اس میں انھوں نے صرف صحیح احادیث کو لیا ہے۔ اور بعض صحیح احادیث

گلوگوں کی وجہ سے ترک کر دیا ہے اس کتاب کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ جن لوگوں نے خود توفیق سے اس کی روایت کی ہے ان کی تعداد نوے ہزار۔ با ایک لاکھ بتائی جاتی ہے جن میں بڑے بڑے علمائے اعلیٰ مثلاً مسلم۔ قرظی۔ نسائی وغیرہم شامل ہیں۔

امام بخاری کے اسی تبحر اور احتیاط کا نتیجہ ہے کہ دنیائے اسلام کے اکابر نے ہر زمانے میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ابن خزیہ کا قول ہے کہ میں نے آسمان سے نیچے بخاری سے بڑا عالم حدیث نہیں دیکھا امام مسلم جب ان کے پاس آتے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ مجھے اجازت دو کہ تمہارے قدم چوموں۔ انھیں کا ارشاد ہے کہ آپ سے حاسد کے سوا کوئی بغض نہ رکھے گا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی نظیر نہیں جعفر مردی زمانے میں کہ اگر ممکن ہوتا تو میں اپنی عمر میں سے بخاری کو دے دیتا۔

مشہور ہے کہ امام بخاری کی وفات پر لوگوں نے حضور سرور عالم کو خواب میں دیکھا کہ کسی کا انتظار فرما رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن اسمعیل بخاری کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

باقی کتب صالح کے جامعین کے تبحر اور تواریخ کا بھی کم و بیش یہی حال ہے لیکن وقت کی کمی کے باعث ہم اس کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہیں۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تیسرے شعبہ کی طرف متوجہ ہوں اور حدیث کا مذہب ثابت ہونا ثابت کریں۔

جن لوگوں کی احادیث نبوی پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ سنت رسول کو جانتے اور اس پر کاربند ہونے کی کس قدر تاکید آئی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو من کا حاکم مقرر فرمایا۔ روانہ کرنے سے پہلے سوال کیا کہ وہاں لوگوں کے مقدسات کا فیصلہ کیوں کر کرو گے۔ جواب دیا کہ کتاب اللہ کے ذریعے سے دریافت کیا اگر کتاب اللہ میں کوئی صریح حکم نہ ہو۔ انھوں نے کہا کہ سنت رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اس پر آپ نے من

کی تھوہب و تحسین فرمائی۔

ایک حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص مسند پر ناز و غرور سے متمکن ہو اور میرا حکم اس کے رد و پیش کیا جائے اور وہ کہے کہ میں قرآن کے علاوہ کچھ نہیں جانتا ممکن ہے کہ کوئی منطقی و درست مجاہد و درجہ *incivile arguments* کا الزام لگائیں اور فرمائیں کہ خوب! حدیث کا حجت ہونا ثابت کیا جائے اور حدیث ہی سے دلیل لائی جائے۔ اس لئے قرآن کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

قرآن حکیم میں ایسی آیات بکثرت ہیں جن میں لطاعت خدا و اطاعت رسول کی تاکید و اجابہ آئی ہے کہیں فرمایا جاتا ہے "مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا" رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس کام سے منع کریں اس سے باز رہو۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" رسول اللہ تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہیں۔ متعدد مقامات پر آنحضرت کا منصب یہ بتایا گیا ہے کہ "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" وہ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ جو حضرات صرف کتاب الہی کو واجب العمل مانتے ہیں خدا را بتائیں کہ حکمت سے کیا چیز مراد ہے؟ بعض لوگ دلی زبان سے فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن کی تفسیر اور اس کے مطالب کی تشریح ہے۔ لیکن آخر ہمارے لئے اس تفسیر تک پہنچنے کا ذریعہ کیا ہے۔ وہی حدیث یا کچھ اور اگر عقلاً دیکھا جائے تو یہی حدیث کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ آپ ایک قانون کو تسلیم کریں اور اس کی تطاّر کے لئے سے انکار کر دیں جبکہ آپ کو یہ ثابت ہو چکا کہ وہ نظائر مستند طور پر قانون کے اولین ترجمان کی طرف منسوب ہیں۔

اس امر کو اس پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ جو ہم پر کتاب نازل کر سکتا تھا کیا اس پر قادر نہ تھا پیمبر کی وساطت کے بغیر مخلوق کے درمیان کتاب بھیج دیتا تاکہ لوگ اس میں دیکھ دیکھ کر اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتے بلکہ یہ صورت اعجب بہرست لوگوں کو اور زیادہ ساکت کر دیتی ان کو تو یہی اعتراض تھا کہ ہمیں جیسے انسان کو دینی سے کیوں مشرف کیا گیا ہے۔ چاہے ہم خدا

نے ایک رسول کو بھی مبعوث کیا تاکہ اس الہی تعلیم کا صحیح و کامل نمونہ بنا کر خود کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔ خدا خود فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ

یعنی ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ صرف اس غرض سے بھیجے کہ ہمارے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے بے شک خدائے پاک نے ہمیں نماز کا حکم دیا اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے۔ لیکن فخر کی دو رکعتیں پڑھی جائیں اور زکوٰۃ رقم کی رقم ہو یہ بھی رسول خدا نے اپنے قول و فعل سے بتایا ہے۔ تمام عبادات و معاملات کا یہی حال ہے یعنی قرآن نے عموماً کلیات سے اقتنا کی ہے اور جزئیات کی تفصیلات اسوۂ رسولی سے ماخوذ ہیں۔

نبای احمد بیت بعد ۲۱ نومبر

اس مقالے کی ترتیب کے وقت کتب ذیل پیش نظر تھیں۔ قرآن مجید۔ مجمع بخاری معہ مقدمہ مولانا احمد علی سہارنپوری۔ نخبۃ الکرم مع زبہۃ النظر۔ الدقائق۔ نیل الامانی۔ تدریب الراوی۔ عمدۃ الاصول۔ موفۃ علوم الحدیث۔ تقریب التہذیب۔ موضوعات طاعلی قاری۔ تاریخ الخلفاء سیرۃ النبی۔ تدوین حدیث۔ موجودہ تصوف (مرتبہ خود)۔ انسانی کلوپیڈیا آف اسلام۔ مجاہد اعظم۔

جلد اول

خلافت عباسیہ

تاریخ ملت کا پانچواں حصہ جس میں نو عباسی خلفاء سفاح۔ منصور۔ مہدی۔ ہادی۔ ہارون۔ امین۔ مامون۔ معتصم اور واقف باللہ کے سوانح حیات ایک خاص اسلوب سے جمع کئے گئے ہیں خلافت عباسیہ کا یہی دور حقیقت میں در عروج تھا اور اس دور میں عباسی خاندان کی قوت و اقتدار کا رعب تمام ہمسایہ سلطنتوں پر چھایا ہوا تھا کتاب کے اس حصہ میں آپ کو نہ صرف ان عظیم الشان خلافتوں کے جامع و مستند حالات و واقعات ملیں گے بلکہ ہر خلیفہ کے عہد حکومت اور اس کے علمی، مذہبی، تمدنی اور اصلاحی کارناموں پر دلچسپ و تبصرہ بھی ملے گا جس سے مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کے مرکز بغداد کی عظمت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے صفحات ۲۴۴ قیمت غیر ملکی ہے جلد دوم

دلائل القرآن

اس

(رحیم الدین احمد جی)

(۲)

تحدی یعنی قرآنی چیلنج | منکرین قرآن ابتداء نزول ہی سے قرآن پر نت نئے اعتراضات اور شکوک و شبہات دار کرتے رہے اور باوجود اہل زبان ہونے کے قرآن کا چیلنج قبول کرنے سے قطعاً عاجز تھے۔ آخر ان کا یہ عجز کس بنا پر تھا اور کیوں اس کے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی دراصل ایک ان کا یہ کہنا تھا کہ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا "پھر کیوں نہیں بنائے جبکہ قرآن سارے قصوں کا قاتمہ اسی پر کر رہا تھا؟" یہ ایک اہم اور مشکل سوال ہے جس پر علمائے اسلام نے ہر دور میں داد تحقیق دینے کی سعی فرمائی ہے اور وجود اعجاز قرآن پر نہ جانے کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ امام عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، استاد مصطفیٰ صادق رافعی اور حضرت علامہ مولانا عبداللہ دین فراہی کی تحقیقات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

- ذیل میں ہم پہلے ان آیات کو ترتیب وار درج کرنے میں جن میں قرآن عزیز نے تحدی کی ہے
- (۱) قُلْ قَاتِلُوا كِتَابَ مِنْ جِندِ اللَّهِ هُوَ هَذِي مِنْهُمْ مَا أَشْبَحَهُ انْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (سورہ بقرہ)
 - (۲) قُلْ لَنْ أَجْمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَآ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔ (بنی اسرائیل)
 - (۳) أَمْ يَقُولُونَ اقْرَأْ قُلْ فَلَوْ اِبْحَشِرُ سُورٍ مِثْلَهُ مَقْرَآتٍ وَاذْهَبْ أَمِنْ أَسْطَعْمُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ (معد)
 - (۴) وَمَا كُنَّا هَذَا الْقُرْآنَ أَنْ يُفْتَرَى مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْلِيْقُ الَّذِي بَيْنَ

يَذِيرُ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا مَرَاتِبَ فِيهِ مِنْ شَرِّ الْعَالَمِينَ أَمْ يَقُولُونَ اقْرَأْ مَا تُلُو
لِسُونِ وَمِثْلِهِ رَادُّ عِوَا مَنِ اسْتَطَاعَ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْ يَكْتُمُ صَادِقِينَ (يونس، ۳۷)
(۳۷) أَمْ يَقُولُونَ نَقُولُ لَهُ نَبْلٌ لَا يَوْمِئِثُونَ تَلْبِيسًا لَكُمْ يَوْمَئِذٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ

آیات مذکور کو ہم نے اسی ترتیب سے سرع کیلئے جس ترتیب سے قرآن نے تحدی کی اور
تبدیل کی اپنا قدم بڑھایا ہے۔ طار کے اقوال دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت
سب کے نزدیک وجہ اعجاز میں بڑی اہمیت رکھتی ہے چنانچہ انھوں نے کلام طبع میں تین چیزیں
سے بحث کی ہے۔ انتخاب مفردات، بندش و ترکیب اور اسلوب و طرزِ ادا۔

قرآن مجید کے مثل اے کا معجزہ اور اس کی حکمت کا سراغ ذیل کی آیات میں کچھ ملتا ہے مثلاً
ہوتا ہے۔

قَالَ الْقُرْآنُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَاءَهُمْ مِنْ دُونِ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجَبٌ
لَيْسَ وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ إِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِينَ عَلَى صَوَابٍ مُسْتَقِيمٍ
تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (یس، ۱۷-۱۸)

قسم ہے اس بچے قرآن کی تو تحقیق ہے یہی
ہوؤں میں سے اور پر سیدھی راہ کے اتمام
زبردست رحم والے نے۔

قرآن کی بزرگی اور عظمتِ شان پر بذاتِ خود قرآن شاہد ہے جس نے اپنی اعجازی قوت
اور بے پایاں اسرار و معارف، اہر حکمت تعلیمات اور اعلیٰ مضامین کے اعتبار سے قوم عرب کے
اندیشہ و فکری انقلاب طاری کر دیا اور تمام انسانوں میں عام تبدیلی پیدا کر دی، وہی قرآن بڑا
زبردست گواہ اس بات کا ہے کہ جو نبی امی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور ٹھیک راستہ
پر تھا اور یہ قرآن اس خدا کا امارا ہوا ہے جو عزیز و رحیم ہے۔

عربی میں عزت کے معنی ایسی قوت و طاقت کے ہیں جو مغلوبیت میں مانع ہو اسی سے
قرآن نے عربی ایسی ذات جس پر غیر کی دست دراز نہ ہو سکے اور جو غالب و قاهر ہو نہ کہ مغلوب
و معزول۔ پس جو ذات ایسی ہے اسی پر اس کے کلام کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ اس

نبی امی کی طاقت اور دست رس سے بھی باہر تھا جس نے نبوت سے پہلے فاجر حرامی گوشہ نشینی کی زندگی گزاری، بچپن میں نگر بانی اور جوانی میں تجارت کی کہ کوئی قرآن اپنے الفاظ میں تالیف کر سکتے معلوم ہوا کہ قرآن عزیز خالص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

ہمارے پاس قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی کا زبردست ذخیرہ موجود ہے اور اسما^{الرحل} کا وہ عظیم الشان دفتر ہے جس میں کلام نبوی کے روایت کرنے والوں کی ثقاہت وغیرہ کو اس طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ ہمال گفتگو نہیں چنانچہ مسلمانوں کی اس مصوری پر دنیا رتخین متحیر ہے اگر مستشرقین یورپ کے قول کے مطابق کہ محمد عربی (مسلم) ہی نے قرآن کو اپنے الفاظ میں لکھوایا ہے تو پھر اسی طرح آنحضرت مسلم ہی نے تو احادیث کو بھی لکھوایا تھا آخر احادیث کے مجموعہ الفاظ میں وہ تاثیر کیوں نہیں پائی جاتی اور اس کی تلاوت کیوں نہیں کی جاتی جب کہ اسلوب نبی اور اسلوب قرآن دونوں ایک ہی ہیں۔ معلوم ہوا کہ خصائص و اسلوب قرآن اور خصائص و اسلوب احادیث میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لئے ہم آیت تکمیل دین جو سورۃ حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کے دن عصر کے وقت نازل ہوئی اور اسی جگہ اور اسی وقت تاریخ میں آنحضرت مسلم نے چالیس ہزار قدوسیوں کے مجمع میں جو خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا ہے العقد الفرید جلد دوم مسئلہ ۱۱۱ سے ذیل میں درج کرتے ہیں پورا خطبہ کتاب مذکور میں ہے۔

”ایھا الناس... اسمعوا منی ابن لکم فانی لا ادری لعلی لا الفاکر بعد
عامی ہذا فی موقفی ہذا... ایھا الناس ان دما عکروا موالکم حلیم
حرام الی ان تلقوا ربکم حرمة یومکم ہذا فی شہرکم ہذا فی بلدکم ہذا
... الاھل بلغت۔ اللھم اشھد من کانت عندک امانتہ فلیؤدھا الی
الذی یحقنہ علیھا و ابنی سر یا الجاہلیۃ موضوع وان اول سر یا ابدأ به سر یا امی الجاہ
بن عبد المطلب وان دما الجاہلیۃ موضوع وان اول دم ابدأ به دم

عمر بن ربیعہ بن الحارث ابن عبد المطلب ... وان ما اثر الجاهلیة
موضوعة غیر السدانة والسقابة الخ

الْيَوْمَ يَسِرَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ الْيَوْمَ
أَكَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا الْخ

یہ دو نمونے ایسے پیش کر دئے گئے ہیں کہ جو ذرا بھی کلام عرب کی مہارت رکھتا ہے صاف فیصلہ کر دے گا کہ یہ دونوں کلام ایک ہی شخص کے نہیں ہو سکتے اور اسلوب قرآن اور اسلوب حدیث میں ایسا نمایاں فرق ہے کہ باوجود خطبہ حجۃ الوداع کی بلاغت و فصاحت کے پھر بھی کلام ناس اور کلام ربانی کا فرق واضح رہتا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ہی ارشاد ہے ”اِنَّمَا نَعُوذُ بِاللَّهِ“ پیغمبر سب کچھ ہو جائے لیکن خدا نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اس درجہ کمال پر ہے جس کا تصور انسانی قوت سے باہر ہے قرآن کریم خود اپنے اوصاف کو بیان کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے
لَوْ أَنزَلْنَاهُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ خَائِشَعًا مَّتَصِدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ يَوْمَ
یہ قرآن مجید ہی کی قدسیت ہے کہ چودہ سو برس سے اس کے حفظ اور تلاوت کا سلسلہ قائم ہے اہل ایمان والوں کے حواس باطنی کے اندر اس کا نشین، بار بار کی تکرار میں تلاوت و تاثیر کی نیابتی اس کا ایسا معجز العقول اعجاز ہے جو اس آسمان دنیا کے نیچے آسمانی و غیر آسمانی کتابوں کو نہ بھی نصیب ہوا اور نہ کلام ناس و کلام ربانی ایک دوسرے سے مخلوط ہو سکے۔

بیس شان القرآن | کلام ناس اور کلام رب کو ہم چند مثالوں سے واضح کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ
کشان کلام اناس | اچھی طرح ثابت ہو جائے کہ کلام ناس سے کلام ربانی پر استدلال کرنا
یا اس پر قیاس کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

قرآن مجید میں ایک جہوتی سی سورۃ نصر ہے۔ اہل زبان اس کے معنوں کو زیادہ سے
زیادہ دو طرح پراداکر سکتے ہیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ قَدْ نَصَرَكْ وَدَخَلَ النَّاسُ فِیْ دِیْنِكَ نَاحِدًا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرُہٗ

من ذلک فان الله يتوب عليك -

(۲) اذ انصرک الله واتاح لك الفتح ودخل الناس فی دین الله افواجا

فسمع بحمد ربک واستغفروا الله کان توابا -

(۳) اذ جاء نصر الله والفتح ورايت الناس يدخلون فی دین الله

افواجا - فسمع بحمد ربک واستغفروا الله کان توابا ونصر،

مذکورہ بالا تینوں عبارتیں اہل علم کے سامنے ہیں اس تھوڑے تھوڑے سے ہیر پھیر میں کلام کی بلاغت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ سورۃ نصر میں الفاظ کی بندش اور جملوں کا جوڑا علیٰ درجہ پر ہے چنانچہ جو لفظ جہاں ہونا چاہیے تھا وہیں گینسی کی طرح جڑا ہوا ہے، خود کہ وہ اللہ کی مدد کا آئنا کس قدر علیٰ خوشخبری ہے اور نیک خالی۔ ایک مستقل وجود فرض کر کے لفظ جاء، لیا گیا یہ نہیں کہ تہدیٰ مدد کی گئی وغیرہ۔ اللہ کی مدد کے بے شمار نتائج ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے مناسب فتح مکہ بڑی نعمت اور خیر کثیر ہے لہذا اس کے متصل (والفتح) کہا گیا۔

”وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا“ فتح سے اسی طرح متصل ہے جیسے

فتح نصر اللہ سے فتح مکہ کے بعد مدینہ میں تمام عرب کے دفود آئے اور اسلام میں داخل ہوئے۔ نصر اللہ سے مناسب تسمیع و تقدیس ہے اور اسلام کی اشاعت و نشر کے مناسب استنصار ہے کہ ذرا غرض نبوت پورے ہوئے اب خدا کو یاد کرو۔ چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ گویا خبر وفات ہی تھی۔ اور عرفاء صحابہ نے ایسا ہی سمجھا۔

قرآن مجید کے اسالیب اور تغن خاص ہو سارا قرآن بھرا ہوا ہے ایک اور مثال سے اسلوب

کلام نام اسلوب کلام ربانی کے (رقی کو ہم بتلانا چاہتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

رَبِّ اِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاسْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا (سورۃ مریم)

حضرت زکریا علیہ السلام بہت زیادہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اولاد کی امید منقطع اللہ تعالیٰ کو پکارنے میں۔ کہتا صرف یہ ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔

لیکن پکارتے ہیں تو مذکورہ بالا الفاظ میں ان کو سامنے رکھا جائے اور پھر اس مضمون کو دوسرے اپنے الفاظ میں دہرایا جائے تو ”وَهَنَ الْعَظْمُ مِثْقَى“ کو دھنت عظام بدنی انا دھنت عظام بدنی، انی دھنت العظام من بدنی، انی دھنت العظام مینی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن کیا کلام ناس اور کلام رب کا فرق اور اسلوب میں وہی بات ہے جو ”وَهَنَ الْعَظْمُ مِثْقَى“ دَا شَتَّلَ الرَّأْسُ شَيْبًا میں ہے؟
 ”یہ میں تفاوت رہ از کجاست تا کجا“

اس موقع پر ہم ایک اور آیت کریمہ کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں وہ مشہور آیت یہ ہے۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ
 يَا سَّمَاءُ اقْلَعِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ
 الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ
 وَقِيلَ بُعْدَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ
 اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے
 آسمان تم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور جو چکا کلام
 اور کشتی ٹھہری جو دی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور
 ہو قوم ظالم دھود

قرآن عزیز میں یہ آیت کریمہ ایسی ہے کہ جس کے وجود و اعجاز پر علماء نے خصوصیت سے توجہ فرمائی ہے اور مستقل کتابیں اور بحثیں کی ہیں ان میں علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی نے اپنی تفسیر میں علم بدیع کی ۲۱ انواع کا ذکر اس کے تحت میں کیلئے اور اسی طرح سید محمد بن اسماعیل امیر نے اپنی کتاب النہر المورود فی تفسیر آیۃ ہود میں ۲۱ وجوہ سے تعارض فرمایا ہے جس کو ہم گنا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں

هو المناسبة والمطابقة والمجاز والاستعارة والاشارة والتشبيه والامر
 والتعطيل وصحة التقسيم والاحتراس والابتناء والمسارعات وحسن النسق
 والابتناء والتقسيم والتهديب وحسن البيان والتمكين والتجنيس والمقابلة
 والذم والوصف۔

ان تمام انواع پر مفصل کلام فرمایا ہے جو اپنے مقام پر موجود ہے اور لطف یہ کہ تمام بحث محض تہویہ

کے ایک رخ یعنی بلاغت پر ہے۔ بالی فصاحت معنویہ ولفظیہ پر گفتگو مزید بلی ہے۔ اصل بحث کو پڑھنا چاہتے یہاں تمام کے ذکر کی گنجائش نہیں البتہ مفسرین کی بعض عبارتیں ہم درج کر کے فیصلہ اہل علم اور ارباب ذوق پر چھوڑ دیتے ہیں مدارک میں ہے۔ ومن ثم اطبق المعاندین علی ان طرق البشر قاصر عن الاتیان بمثل هذه الایة ولله در شاعر التنزیل لا یتامل العالم آیه من آیاتہ الا ادراک لطائف لا تسع المحصر ولا قطنن الایة مقصورۃ علی المذكور فاعل المتروک اکثر من المستطور۔

مفسر ابوالسعود فرماتے ہیں۔ ولقد بلغت الایة الکرمیة من مراتب الاعجاز قاصیۃ ما ملکت من غرر المزایا ناصیۃ ما قد تصدی لتفسیرھا المہرۃ المتقنون ولعمری ان ذلك فوق ما یصفه الواصفون فحوی بنا ان نوجز الکلام فی هذا الباب ونفوض الامر الی تامل اولی الالباب واللہ عنده علم الکتاب۔

عمل حاشیہ جلالین میں ہے۔ قال بعضهم هذه الایة ابلغ آیه فی القرآن وقد احتوت من انواع البدیع علی احدى عشر بنوع الخ

ہم اوپر کہیں ذکر کر چکے ہیں کہ کفار مکہ اور نصیاری وبلغار عرب و عدنان کو بھی قرآن کی فصاحت و بلاغت، حسن اسلوب، قوت تاثیر، طرز مواعظت، شیریں بیانی موزونیت و سلاست کا اعتراف تھا اور بعض نے تو خارق عادت کلام کو دیکھ کر سحر کرنا شروع کر دیا تھا نہ صرف کفار کو قرآن کے کلام الہی ہوئے کا یقین تھا بلکہ جنت تک کو قرآنی رشد و ہدایت پر مستحکم عہد کرنا و ایمان لانا پڑا۔ امام لغت ابو عبیدہ سے مروی ہے کہ ایک بدو نے کسی عجمی کو آیت ”فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ“ پڑھتے سنا تو فوراً سجدہ میں گر گیا اور کہا کہ یہ کلام ایسا نصیح ہے کہ سجدہ کیا جائے۔

ایک اور مثال سے قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز کو کسی قدر سمجھا جا سکتا ہے وہ یہ کہ عرب میں دستور تھا کہ جو شہزادہ چوٹی کے تختے ان کے کلام کو قاعدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا اور فرزند لے اس مقام کی حرید تشریح کے لئے فاضل مضمون نگار کو زندہ قانی علی الواجب جہ کا مطالعہ کرنا چاہئے (برہان)

مباحث کے طور پر ساری دنیا کو گونگا کہا جاتا تھا اور جب تک قرآن کا نزول نہیں ہوا ایک صدی سے اور پتہ معلقات السبع کو برابر سجدہ کیا جاتا رہا چنانچہ اساتذہ سے سننے میں آیا ہے کہ جب فرزدق نے یہ شعرا سنا۔

وجلا السیول عن الطلول کا تھا نہ برتجد متونہا اقلامہا (لسید)
توسجدہ میں گر پڑا۔ (جہرۃ البلاغۃ)

سمائل ابن عادیا عرب کا مشہور شاعر ہے فخریہ کہتا ہے کہ

وتنکران شمتا علی الناس قولہم ولا ینکرین القول حین نقول
ہم چاہیں تو لوگوں کی باتوں کی تردید کر سکتے ہیں لیکن ہمارے کہے کی کوئی تردید نہیں کر سکتا اس
مضمون کے مشابہ آیت ملاحظہ ہوا رشاد ہوتا ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔ ممول کا فخر صرف یہاں تک محدود ہے کہ اس کی بات
کی کوئی تردید نہیں کر سکتا اعمال و افعال ذکر نہیں ہے۔ اور دونوں طرز ادا اور اسلوب میں
وہی فرق ہے جو کلام رب اور کلام بشر میں ہونا چاہیے۔

نزول قرآن سے قبل کے اشعار، قصائد، نثر اور ابیات محفوظ چلے آتے ہیں اور لوگ
برابر اس کو پڑھتے، دہراتے رہتے ہیں۔ اسی طرح نہ جانے کتنی بار امری القیس کا مشہور لایہ
قصابک من ذکرہی الخ پڑھا گیا۔ اس کے معنی بچوں اور طالب علموں کو بتائے گئے، اور
اس پر غور و فکر بھی کیا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ یہ قصائد و ابیات وغیرہ خود شاعری کے مرتبہ
سے ایک انگل بھی آگے بڑھ سکے اور نہ ہی کر سکے اور کیا لوگوں کے قلوب میں ان کی کوئی خاص
جگہ ہے اور کیا ان اشعار نے کوئی خاص انقلاب پیدا کیا اور کیا ان اشعار کی تاثیر کہیں باقی رہ
سکی ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ لوگوں کے کلام مثل جنگل کے ہیں جس میں درخت
گھاس، کانٹے، پھل، پھول اور کیڑے مکوڑے سب ہی موجود ہیں بغلاف اس کے قرآن
گویا پھولوں سے نکلا ہوا عطر، پھولوں سے بنا ہوا شہد جو اثر اور جلالت کے ساتھ ساتھ

ایسا جن ہے جس میں نگاہ کے لئے ہر حسن جمع کر دیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات بے غلو
بے نظیر ”لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ“ ہے تو اسی طرح اس کے کلام کو بھی سمجھنا چاہیے
سورہ اعراف میں ایک اسلوب خاص قرآن نے استعمال کیا ہے ”وَلَمَّا سَقَطْنَا مِنْ فِیْهِمْ“
کیا اس اسلوب سے دنیائے عرب و عجم پہلے سے واقف تھی؟ صاحب فتح البیان جن کی نظر
بڑی وسیع اور کلام عرب سے خاص دلچسپی لیتی فرماتے ہیں ”ہذا التَّوْکِیْبُ لِمَنْ تَعَرَّفَ فَلَمْ تَعْرِفْ
الْاِبْعَادُ تَزُولُ الْقُلُوبُ“ اسی طرح لفظ ”لَفَتْ“ ہے ”لَمْ لَعَنَتْ“ میں زجاج اور ابو عبیدہ کا
قول ہے ”ان اهل اللغة لا يعرفون الفتحة... ولعمرات فی الشعر ما یحتملہ فی
معنی الفتحة“ پھر کس مائی کے قل کو معارضہ و مقابلہ کی ہمت ہو سکتی تھی۔

آنحضرت صلعم کے وصل کے قریب بہنوں کو اس طرح کا خیال ہوا تھا جس کو ہم آگے
منفصل بیان کریں گے۔ یہاں صرف اس قدر جان لینا کافی ہے کہ عرب دنیا کی سب سے زیادہ
ترقی یافتہ زبان کے مالک تھے اور اپنی عقل و ارادہ میں خود مختار تھے ان کا عجز اور ان کی دراندازی
دربارہ قرآن میں ثبوت ہے کہ قرآن عزیز کے مثل ایک آیت اور ایک بات بھی لانے سے قطعاً
عاجز تھے یہ عجز علوم انسانی کے خصائص سے نہیں بلکہ علوم ربانی کے اعجاز کی بنا پر تھا جس
کے سامنے مجبوراً دنیا کو جھکنا اور اعتراف عجز کرنا پڑتا تھا۔

علماء قرآن حقیقت | مستشرقین یورپ اور بہت سے علماء کو قرآن حکیم کے سمجھنے میں بہت کچھ
مغالطے پیش آئے اور کلام شہر سے کلام الہی کے سمجھنے، تفسیروں سے حل کرنے اور لغت و نحو
پر کلی بھروسے نے ان کو راہ راست سے ہٹا دیا چنانچہ آیات اور سورتوں کے اسرار و معارف
بوجود غیر معمولی سعی و جہد کے تفسیروں سے حل نہ کر سکے۔ حالانکہ جب قرآن نہ تو سحر تھا اور نہ
شعوکہانت تو پھر کیوں نہ خود قرآن سے پوچھا گیا کہ تو کیسے؟ قرآن بتاتا میں نور ہوں، ہدایت ہوں
شفاف ہوں۔ رحمت ہوں۔ دلیل و بیان ہوں، حکمت اور کتاب ہوں اور سب سے بڑی بات
یہ کہ رب السموات والارض کلام اور اس کا علم ہوں اور تاریخ نے انبیاء و حکماء اور سیاسیوں و

مفتوں کے جتنے علوم و فنون اپنے ائمہ محفوظ رکھے ہیں میں ان سب سے بہتر و اعلیٰ ہوں کیونکہ جب محض انسانی علم انسانوں کی اصلاح و کفالت کا ذمہ دار نہیں تو پھر اسے کیا مانع ہے کہ وہ نظری مقفن خدا کے سامنے نہ جھکے اور جھکے تو کسی شخص اور انسانی علم کے سامنے؛ خدا تو بآواز بلند فرما رہا ہے۔

”اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفاء اور رحمت ہیں اور ان انصافوں کو اس سے اٹا نقصان نہ پہنچتا ہے“ (سورہ بنی اسرائیل)

پس جن کے ائمہ فطری صلاحیت، قلب میں صفائی، روح میں پاکیزگی اور حقیقت کی طلب و جستجو کا رہنما تھے وہاں عروس قرآن نے اپنی نقاب حجاب الٹ دی۔ اور جہاں ضمیر پر سو طرح کے پردے پڑے اور دلوں پر قفل لگے تھے وہاں آفتاب ہدایت نے اپنی روشنی تو سلب کر لی مگر عین اندیش ان کے حصہ میں آئی۔ غرض قرآن کی فصاحت و بلاغت اور وجہ اعجاز پر ذیل کی رائیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔

۱، قاصی ابو یوسف باقلانی کا ارشاد ہے۔ قرآن مجید کے اجزاء کی فصاحت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ ہر کلمہ بلندی کی انتہا پر پہنچا ہوا ہے اور جو کچھ قرآن میں ہے فصاحت کے بلند مرتبے پر ہے۔ ”و نحن نعتقد ان الاعجاز انما في بعض القرآن اظهر وفي بعضه ادق واعظم“

۲، امام عبد القادر جیلانی وغیرہم فرماتے ہیں کہ اعجاز قرآن تراکیبِ نحویہ اور وجہ بلاغت کی بنا پر ہے جس کو دوسرے لفظ نہیں یوں کہی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن لفظ اور معنی کے لحاظ سے عجز و

۳، استاد مصطفیٰ صادق رافعی کا قول ہے کہ قرآن ایسی لغت میں نازل ہوا ہے کہ اس کی کم سے کم اور چھوٹی سے چھوٹی آیات کے شل لائن سے انسان قطعاً عاجز ہے۔ قرآن نور کے جلد سے بہت مشابہ ہے جس کے بعد دوسرا جلد نور ہی کالایا جاتے وغیرہ۔

علامہ سیوطی نے ایک لمبی تقریر فرمائی ہے چند فقرے یہ ہیں۔ ان القرآن اخصاصا
مجهز لانه جاء بالفصح والفاظ في احسن نظم والتأليف متضمناً صحیح المعانی الخ

اس اسی گفتگو میں علامہ سیوطی کے خیال کا خلاصہ یہ ہے کہ جو الفاظ قرآن کریم نے استعمال کئے ہیں معنی بھی اس کے اندر شامل ہے اور یہی چیز وجہ اعجاز ہے (اتقان،

(۵) ڈاکٹر طحسین مصری کا خیال ہے کہ کلام کی عین قسمیں ہیں۔ شعر، نثر اور قرآن ڈاکٹر صاحب کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ قرآن نے ایسا جدید اسلوب اختیار کیا ہے کہ نہ اس کو شعر کہہ سکتے ہیں نہ نثر بلکہ وہ قرآن ہے۔ کیونکہ قرآن دنیادی نثر و نظم سے لگا نہیں کھاتا بلکہ وہ ایک خاص قسم کی موسیقیت و جاذبیت اپنے اندر رکھتا ہے جو ترکیب الفاظ و تنایح آیات سے محسوس ہوتا ہے الخ۔

(۶) ڈاکٹر زکی مبارک مصری کا قول ہے کہ قرآن عربی نثر ہے اور ایک خاص ادبی اثر اپنے اندر رکھتا ہے جس کو مندرجہ ذیل اوصاف سے سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۔ قرآن شرموزوں سے پورے طور پر خالی ہے۔ البتہ ماقبل و مابعد کے لحاظ سے مندر ہے۔

(۲) آیات کا نظام اس طور پر ہے کہ وقت و مکمل کے ساتھ قاری کے دل کو آرام محسوس ہوتا ہے اور ایسا سلسلہ نظام ہے جو نثر مرسل اور اس سجع کے مخالف ہے جو عرب جاہلیت کا خاصہ تھا اور بعد اسلام کے بھی جاری رہا۔

۳۔ ضرب الامثال اور قصص کا ذکر اور ایک ہی قصہ کو اپنی مناسبت سے بار بار لانا

(۴) بعض جگہ ایسے الفاظ کو لانا جس کا مفہوم نہ سمجھا جائے جیسے المرجم۔ ص وغیرہ

(۵) قرآن نے سجع کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ کسی توہم ایک چھوٹی سی سورت میں سجع کو پاتے ہیں اور کبھی بڑی سورتوں میں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سجع سے کلام مرسل کی جانب انتقال ہو جاتا ہے

(۷) نظام ابراہیم بن سید بن ہانی اسناد جاحظ کا خیال ہے۔ "ان اھجائنا القرآن

بالصرفہ الخ نظام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کی عقلوں کو قرآن مجید کے معارف ذکر کرنے سے

سلب کر لیا حالانکہ ان کو قدرت تعالیٰ یعنی ایک امر خارجی مانع ہوا جس طرح تمام معجزات "معجزات کی

کھوپڑی الٹی ہوتی ہے بالخصوص قرآن کے معاملہ میں۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت قل لمن جنبت
الانس الخ صاف دولت کر رہی ہے کہ ان کا عجز ان کی قدرت کے ساتھ ساتھ تھا اگر قدرت
سلب کر لی گئی ہوتی تو اس سختی و جلیج کا فائدہ ہی کیا ہوتا؟ اس کے معنی تو یہ ہوتے کہ سختی و زنا
کے زوال کے ساتھ ساتھ اعجاز قرآن کا بھی موازنہ زوال ہو گیا

(۴) شیخ طہ صیب کا ارشاد ہے: "القرآن هو اللفظ العربي، المنزل على محمد عليه
الصلوة والسلام المتعبد بتلاوته المتحدى بانصر سورة منه، المتواتر، المنزل على اللفظ
المفرد..." رجلاً القول ان المنزل والمفرد ليس هو الصفة القديمة كما هو ظاهر
شیخ صاحب مرحوم کی عبارت صاف ہے البتہ بحث فرق کلام اللہ اور قرآن کے متعلق جو ان
کی تحقق ہے وہ یہ ہے کہ کلام اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ صفت قدیمہ ہے جو سکوت اور آنت
کے منافی اور حروف و اصوات کی صفت سے نہیں ہے اور امر و نہی و اخبار ہونے کی وجہ سے نہ تو
مختلف ہوتی ہے اور نہ ماضی و حال اور استقبال سے متصف ہوتی ہے الا بحسب التعلقات
والاصناف۔ خلاصہ یہ ہے کہ منزل اور مفرد یہ صفت قدیمہ نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ تحقیق کلام
اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کلام کی نسبت ہمیشہ تالیف کہنے والی طرف ہوتی ہے اگرچہ لفظ
کسی کا مؤنث یا مذکر کسی کے ہوا و زبان پر کسی کے ہو۔ کلام کا تالیف کرنا حقیقتہً قلب کا کام ہے اس
لئے اصل کلام کلام نفسی ہوا جو کہ قلب اور فؤاد کا کلام ہے زبانی الفاظ اور کاغذی نقوش وغیرہ
جو خزانہ حافظہ میں محفوظ ہو گئے ہیں سب اسی کلام نفسی کے ظلال و آثار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم اور صفت کلام سے جو کہ دوسرے صفات انہی کی طرح
حقیقہاً درازلی میں قرآن کو تالیف فرمایا اس لئے معانی اور الفاظ قدیم ہوں گے اور لفظ شواخیر
نزول وغیرہ حادث ہوگا۔ ان الفاظ میں مانل کے اندر تقدم اور تاخر صرف ذاتی ہوگا نہ زمانی نہ ہوگا
اس لئے کلام نقلی کو حادث کہنا غلط تحقیق ہوگا۔ صرف تلفظ حادث ہے کلام نفسی و نقلی حادث
نہیں کہما فصله بحوالہ العلوم فی نواتح الہامیوت۔ امام احمد بن حنبل کا اس کو قدیم کہنا سی بنا

پر تھا مگر بہت سے مخالفین نے سمجھ سکے اور یہی معنی ہیں امام ابو یوسفؒ کے اس ارشاد کے "تألف
ابن حنیفۃ سنۃ اشمہ ما جمیع ما فی دلائلہ علی ان من تل بخلق القلن فہو کافر"

اس مختصر تشریح سے یہ بات بھی نکل آتی ہے کہ اعجاز اور تخیل جو چوڑے سو برس سے قائم
ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گی اور مجدد قرآنی حکمتوں کے یہ حکمت بھی مسلم ہے کہ قرآن قدیم ہے اور کلام
قدیم جس کو کلام فہمی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کا معارضہ محال اور چیلنج قبول کرنا ناممکن ہے۔

(۹) ابو الحسن احمد بن یحییٰ المعروف بابن الراوندی معتزلی بلکہ ملحد کہتا ہے کہ مسلمانوں نے
اپنے نبی کی نبوت پر قرآن کو دلیل میں پیش کیا ہے اور دلیل یہ دی کہ راسخون فی العلم، ذہاب
کو چیلنج کیا کہ قرآن کے مثل وہ نہ کرے عرب اس کے مثل لانے اور معارضہ سے عاجز رہے مذاق
کے طور پر کہتا ہے کہ اگر یہی چیز دلیل نبوت ہے تو اگر اقلیدس یہ دعویٰ کرے کہ میری کتاب کے
مثل وہ نہ دے گا تو اس سے عاجز رہے تو اس سے میرا نبی ہونا ثابت ہو جائے گا؟

ابن الراوندی کی ہتھوات میں مخالط کو بڑا دخل ہے وہ یہ کہ اقلیدس کو خود بھی بیطاقت نہیں
کہ دوسری کتاب اس کے مثل بناوے یا کسی اور قصیدہ و مقالے کا اضافہ کر کے لہذا اقلیدس اور
دوسروں کا عجیب سادی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اقلیدس نے اپنی کتاب میں مخالفین کا اعتراض
نہیں کیا ہے پس ابن الراوندی کی حماقت سے اقلیدس اور اس کی کتاب کی کوئی اہمیت نہیں
ثابت ہوتی ہے۔ ابن الراوندی کو معلوم نہ تھا اور نہ اقلیدس کو گمان تھا کہ تیرے عہد ہی
میں جربا کوٹ ضلع اعظم گڑھ کے اندر ایک ہستی پیدا ہوگی جو مولانا عنایت رسولؒ کے نام
سے ہکاری جائیگی اور سرسید جیسے لوگوں کو اس کی شاگردی کا شرف حاصل ہوگا وہ اقلیدس کے
مقابل پر اضافہ کر دے گا اگر اقلیدس زندہ ہوتا تو داد دیتا اور ابن الراوندی کو اپنی طالب علمانہ حماقت
کا اعتراف کرنا پڑتا۔ ملاحظہ ہو "مقولات عصفیہ" (بشری مقال)

(۱۰) حضرت استاد امام مولانا حمید الدین فراہی صاحب تفسیر نظام القرآن نے درجہ اعجاز
قرآن پر مفصل کلام فرمایا ہے۔ اسالیب القرآن فیہ مطبوع اور جمہورۃ البدوۃ مطبوع کے اندر وہ

مخالف علمی بیان فرماتے ہیں جو صرف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حصہ تھا اور صرف آپ کی ایک ذات ایسی تھی کہ مطالب قرآن، مشکلات قرآن و غیر پر آج کل کی نت نئی قرآنی بے راہ روی میں رجوع کیا جاسکتا تھا جس کو سرزمین منہر آنے ہم سے چھین لیا۔ "انما اشکوا شیء و حزنی من اللہ" اثنار درس میں جو کچھ باقی یاد رہ گئی ہیں جو وہ اعجاز قرآن پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر خیالات کو ہم قول تفصیل کے طور پر پیش کرنے میں تفصیل کے لئے انتظار کیا جائے یا مذکورہ بالا کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

ایک عام مصیبت | علماء بلاغت کی بنیادی کمزوری اور سطوی تقلید ہے اگر بلاغت قرآنی میں خود قرآن اور اسلوب کلام عرب کے صحیح قبیح اور حقیقی معرفت کو اساس قرار دے کر وجوہ اعجاز کو پرکھا جائے تو سخت اول چوں ہند معارج کی تاثر یا می رود دیوار کج کی مثل صادق نہ آتی اور نہ الفاظ و اس کے صنائع و بدائع کو معنی کے خیال سے زیادہ حیثیت دی گئی ہوتی بلکہ جو شخص تکمیل لفظ اور بلاغت کرنا چاہتا اس کو سب سے پہلے اپنی عقل، فکر اور تہذیب کی تکمیل کرنی چاہئے تھی کیونکہ بہت سے لوگ فصیح تو ہیں کہ قبل اور طوطے کی طرح خوش آدازی میں لوگوں کو متوجہ کر لیتے ہیں لیکن ان کے اندر حقیقت اور معنی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حریری کے کلام کو سامنے رکھئے اور بعض احمق اور بد مذاق لوگوں کی جرأت کو ملاحظہ فرمائیے کہ حریری کے مقامات کو (نمود باشد) قرآن سے بہتر قرار دے دیا ہے۔ بھلا آب حیات کو مردار سے کیا نسبت اور چراغ مردہ کو نور آفتاب سے کیا تعلق ہے؟ "این الجیفۃ من ماء الحیات"

زعمشری جو کلام عرب پر گہری نظر رکھتا ہے وہ بھی اس نازیبا تقلید سے نہ بچ سکا اور کہہ گیا کہ

اقسم باللہ و آیاتہ و مشعر الحج و میقاتہ

ان الحرامیری حریری بان تکتب بالنبر مقاماتہ

حریری ہی کا یہ فقرہ بھی تو ہے "اتسر لیلہ الدجوجی" اس کی تاریکی والی رات چاندنی والی ہوئی

ہے۔ لفظ "دجوجی" نے فقرے کی رونق کو مٹا دیا اور نہ استعارہ برآں تھا پھر بھی قرآن کے ارشاد

”وَأَشْتَعَلَ الْكُلُّ شَيْبًا“ سے ان کو کیا ملتا؟

یہ تمام باتیں اسی عموم بلوی کی پیداوار ہیں اور ایسا فتنہ ہیں جس نے فہم بلاغت اور اعجاز قرآن کے دودانوں کو بند کر دیا ہے۔ غور کا مقام ہے امام ابو بکر باقلائیؒ جیسا مبصر جس نے اعجاز قرآن پر بہترین کلام کیا ہے اور معتز ضنین کے جوابات دے کر قرآن عزیز کی پوری پوری حمایت کی ہے وہ بھی اس ہمہ گیر مصیبت سے بچ نہ سکا اور نہ جانے یہ کیسے کہہ دیا کہ آیت ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أَمْمَاتُكُمْ الْخٰمِیْنَ“ کوئی خاص بلاغت نہیں ہے۔ (سبحان اللہ) جمہور البلاغۃ

اسی طرح کی بات ابو نصر شیرازیؒ نے کہہ دی ہے ”لَا نَدْعٰی اِنْ کُلِّ مَا فِی الْقُرْآنِ عَلٰی اِسْمِ اللّٰهِ سَجَدَتْ فِی الْفَصَاحَةِ“ جس کی توجیہ بعض قدما نے یہ کی ہے کہ اگر تمام قرآن فصاحت میں برابر ہوتا تو وہ موجودہ طریقہ پر نہ ہوتا اور اس کے معارضہ کرنے میں کلی طور پر عجز کا اظہار ہو جاتا۔ غیر ان موضوعات کے بعد استاد امامؒ دونا فراموشی کے خیالات دربارہ اعجاز قرآن ہم پیش کرتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

خلافت عباسیہ

جلد دوم

تاریخ ملت کا چٹا حصہ جس میں اٹھائیس حکمرانوں متوکل سے بے کر مستعصم تک کے تمام تاریخی حالات بڑی کاوش سے جمع کئے گئے ہیں اس حصے میں بھی پہلے حصے کی تمام خصوصیتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے واثق باللہ کے زمانے تک ایک صدی کو چھوڑ کر عباسی خلافت کے ۲۴۲ سال کے دور حکومت کی تاریخ آپ کو اس میں ملے گی جس سے اندازہ ہوگا کہ بغداد جو مسلمانوں کی عظمت و اقتدار کا گہوارہ اور مشرقی ملکوں کا سربلج تھا کس طرح ویران و پرالگندہ ہو کر ان متفرق جماعتوں کا مسکن ہو کر رہ گیا جو لوگوں کے ساتھ آئی تھی سلاطین بویہ۔ سلاجقہ۔ زنجی۔ ایوبی۔ علوی۔ باطنیہ وغیرہ ہم عصر اول سلامیہ کے حالات کا جامع خلاصہ بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا کتاب کے آخر میں عباسی خلافت کے تمام دوروں پر ایک سیاسی اور تاریخی نظر ڈالی گئی ہے جو کم و بیش ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے صفحات ۷۶، ۷۷ قیمت غیر مطلقاً ۱۰۰ قیمت مطلقاً ۱۰۰

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی نمبر ۴

دیوانِ مخلص کا ایک نادر نسخہ

انہ

(مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی)

رامی راہیں اندرام مخلص محمد شاہی عہد کے مشہور ادیب ہیں۔ یہ دو لیسائی "دو زبان" شاعر تھے، اس لئے اردو فارسی دونوں زبانوں کی محفل شعرو سخن میں ان کا ذکر ہوتا ہے۔ کتاب خانہ رام پور میں مخلص کے دیوان کا ایک بیش قیمت نسخہ محفوظ ہے۔ یہ نہایت عمدہ انڈس کے رنگ کے دبیز کشمیری کاغذ پر عمدہ شفیقا آمیز نستعلیق خط میں لکھا گیا ہے۔ اس کے سرورق پر کسی نے لکھا ہے :

"دیوانِ اندرام مخلص، خاص مسودہ مصنف میرنشی محمد شاہ بادشاہ غازی، استاد

مرزا ہمایوں شاہ"

نسخہ مذکور کے حاشیوں پر بہت سے اشعار "راقمہ" عنوان کے تحت مندرج ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان اشعار کا کاتب ہی ان کا مصنف یا ناظم بھی ہے۔ خود متن کے اندر بھی بہت سے شعرا سی خط میں لکھے گئے ہیں، اور جگہ جگہ اشعار، مصرعے اور الفاظ قلمزد کے ان کی جگہ دوسرے شعرا، مصرعے یا الفاظ بھی اسی خط میں لکھے گئے ہیں۔ کتاب خانہ رام پور میں سفرنامہ مخلص کا ایک نسخہ خود مخلص کے قلم کا محفوظ ہے۔ اسی کے قلم کی ایک بیاض اشعار کے چند سبق بھی موجود ہیں ان سب کا اندازہ خط دیوان کے حاشیوں کے اضافوں اور متن کی جگہ کے خط سے ملتا جلتا ہے۔

۱۷ اڈنٹیکل کالج میگزین لاہور بابہ نومبر ۱۹۳۳ء کے صفحہ ۹۰ کے مقابل مخلص کی ایک تحریر کا عکس شائع ہوا ہے۔ اس کا خط بھی زیر نظر دیوان کے اضافوں کے مشابہ ہے۔

اس سے یہ بات مدیقین کو پہنچ جاتی ہے کہ سرورین کی تحریر میں اس کو مسودہ مصنف قرار دینا امر واقعی ہے۔

دیوان کا آغاز ایک طلاکار صفحے سے ہوتا ہے اور اقسامِ نظم میں پہلے غزلوں کو جگہ دی گئی ہے جو صفحہ ۲۵۹ پر ختم ہو جاتی ہیں۔

صفحہ ۲۶۲ سے ایک چھوٹی سی مذہبِ لوح کے تحت رباعیاں شروع ہوتی اور صفحہ ۲۸۹ پر انجام کو پہنچی ہیں صفحہ ۲۹۲ سے قطعاتِ تاریخ کا آغاز ہوتا ہے یہ بھی ایک مذہبِ چھوٹی سی لوح کے تحت شروع اور صفحہ ۳۱۴ پر ختم ہو گئی ہیں صفحہ ۳۱۶ سے صفحہ ۳۲۰ تک "اشعارِ ریختہ" درج کئے گئے ہیں جن کی کل تعداد ۳۲ ہے ان اشعار کا عنوان حسب ذیل ہے۔

۱۰ اشعارِ ریختہ کہ گاہی بنا بر تفریح طبیعت گفتہ می شود:-

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مخلص اردو شعرِ تفریحِ طبع کی خاطر کہا کرتا تھا، اور چونکہ ان تفریحی اشعار کی تعداد کل ۳۲ ہے اسی بنا پر یہ بھی یقین ہے کہ اسے اس تفریح کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ اندر میں صورتِ میر تقی میر سے لے کر حکیم قاسم صاحب مجموعہ تفریح کے تذکرہ نگاروں کا اسے شوائے اردو میں شمار کرنا صرف اسی سے تو درست ہے کہ وہ دہلی کے صاحبانِ آقا میں شامل تھا۔ ۳۲ شعر کہنے والے شاعر محمد شاہی کو اساتذہ اردو کی صف میں کسی طرح جگہ نہیں دی جاسکتی۔

اس دیوان کے مطالعے سے یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ مخلص نے قصیدہ گوئی سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مداحی کو ناپسند کرتا تھا، اس لئے کہ قطعات میں اس نے اپنے خداوندِ نعمت کی قاصی مدحِ سررائی کی ہے بلکہ اس کی طبیعت کو قصیدے کے مقابلے میں غزل سے زیادہ لگا رہا تھا اس لئے اس نے بڑی دانش مندی سے کام لیا کہ قصیدے کے ہفتوں کو طے کرنے کا کبھی ارادہ ہی نہ کیا۔

قطعات کے آخر میں (ص ۳۱۴) مخلص نے یہ قطعہ درج کیا ہے:-

پرتو نشانِ چو گشتِ دریں عالمِ سخن خورشیدِ انورِ نظرِ خانِ آرزو

ماہود گشت سایہ اسقام یک قلم اصلاح نور ریخت ہر گاہ چارسو
صد جاتی خد کشید بر ایات ناپسند نبود چوں قلم حرکت در بیان او
بر یک خطی است جادو من اندیش طریقی با شمع زہریت شاید محسنی بختجو
اصلاح را چو کز لک تیزی بکفت گرفت بسترد مصرعی کہ نیاورد بہ آزد
اس کے بعد آزد کی تعریف میں یہ دو شعر لکھے ہیں۔

شبستان معانی از تور و دشمن سزد گویم ترا اگر شمع این فن
جہاں را باعث آئیں تو باشی بدین خود سراج الدین تو باشی
ان اشعار سے خان آزد کے اُس دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ

”در عقوان شباب اشعار خود را از نظر میرزا بیدل مرحوم گذرانیدہ۔ ازاں زماں باہی عاجز

مشتور و مربوط است۔“

مجموع النفائس میں آزد نے مخلص کے جو شعر انتخاب کئے ہیں ان کے الفاظ کا دیر نظر
دیوان کے الفاظ سے مقابلہ کرنے پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آزد سے اصلاح لینے کے بعد
بھی مخلص اپنے کلام کو پر کھتا رہا ہے اور جہاں کہیں کوئی مناسب تبدیلی سوچی ہے بلا پس
دیش کر ڈالی ہے مثلاً آزد کے یہاں اُس کا ایک شعر اس طرح درج ہوا ہے۔

در یوزہ گر حضرت عشقیم جو مخلص بد دل بنو سید برات مسلما

زیر نظر دیوان میں مصرع اول کو قلمزد کر کے یہ مصرع ہم پہنچایا ہے

مشہور بداحی عشقیم جو مخلص

اسی طرح آزد نے ایک غزل کے یہ دو شعر چنے تھے :

مشہا کردہ شد کہ ہماں بود دختر تاک شب بخائے ما

نصہ کوہ کن بود گویا بوی خوں آید از فائے ما

۱۔ مجموع النفائس در خطوط رالم پور، ورق ۲۶ ب

دیوان میں یہ دوسرا شعر نہیں ہے، مگر ایک شری سادہ جگہ موجود ہے اور کاغذ کو دیکھنے سے
آسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں کوئی شعر لکھا ہوا تھا جسے چھیل ڈالا گیا ہے۔ مجھے یہ گمان ہے کہ مخلص
نے اسی شعر کو ناپسند کر کے چھیل پھینکا ہے۔

آرزو نے ایک اور شعر اس طرح نقل کیا ہے :-

برسبیل شکوہ خواندایں بیت سالک پیشیاد مخلص ما، یعنی آں سر حلقہ دیوانہ
دیوان میں بھی یہ شعر پہلے اسی طرح لکھا گیا تھا۔ بعد میں مخلص نے مصرع ثانی کے الفاظ
”یعنی“ کو کاٹ کر اس کے اوپر ”دلدادہ“ تحریر کر دیا ہے۔

آرزو نے یہ شعر بھی اتنی جی قرار دیا تھا۔

زندگی تا کی بکام دیگران فانہ یاس مہنہا خراب!

مگر مخلص نے اس پر خط بکلاں کھینچ دیا ہے۔

حسب ذیل شعر آرزو کا منتخب تھا :-

کنم جاں پیش کش، درد دل چو ابروی تو جاگیرد بہ قیمت آشنا شمشیر را از آشنا گیرد
”دہم جاں، یاد ابرویش بدل ہر گاہ جاگیرد“ دیوان میں مخلص نے پہلے مصرع یوں بدل دیا ہے

آرزو نے یہ مطلع بھی جن لیا تھا۔

دلہم پراست برنگے زیاد خوش چشماں کہ چہ اندر آئینہ رخسانہ ز گسداں

مخلص نے اسے قلمزد کر کے تو دوسرا مطلع ہم پہنچایا اور اس قافیہ کو اس طرح نظم کیا

بزر ابروی آں شوخ می نماید چشم چنانکہ کس بگذارد بطاق ز گسداں

آرزو نے مجمع النفاس میں مخلص کے جتنے شعر چنے ہیں دیوان کے زیر نظر نسخے میں ان

کے بالقابل حاشیوں پر یہ علامت (ہ) ثبت ہے۔ اس سے میں نتیجہ نکالتا ہوں کہ انتخاب اشعار

کے وقت آرزو کے مطالعے میں یہی نسخہ تھا۔ لیکن کچھ نشان زدہ شعر تذکرے میں نہیں ملتے اور

تذکرے میں مذکور متعدد بیت دیوان میں بے نشان نظر آتے ہیں۔ اس سے میں قطعی فیصلہ

لے کہ جن شعروں پر دیوان میں تو نشان نظر آتا ہے لیکن تذکرے میں انہیں داخل نہیں کیا گیا، ان کی تعداد (۲۹) ہے

اور جن شعروں پر دیوان میں نشان نہیں ہے تاہم تذکرے میں نقل کئے گئے ہیں ان کا شمار (۷) ہوتا ہے۔

کرنے سے قاصر ہوں، تاہم ظن غالب یہی رکھتا ہوں کہ آندو نے اسی نسخے کو اپنے سامنے رکھا تھا
مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات صاف طور پر مترشح ہے کہ مخلص نے اپنا کلام آندو کو دکھا
کر کسی کاتب سے صاف کرایا، اور بعد ازاں موقع موقع کمی، بیشی اور ترمیم کرتا رہا۔ چنانچہ اسی
شعر میں اپنی ”نظر ثانی“ کا ذکر بھی کرتا ہے:

لشدا الحمد کہ در عرصہ کثر شعرم بگذشت از نظر ثانی مخلص یک یک
ایک بات آخر میں اور کہتا چلوں۔ دیوان کے صفحہ ۸ کا پہلا شعر یہ ہے:
می رسد بر لالہ دگل ناز رخسار ترا دادہ اند آں از سبوی بادہ گلزار ترا
مصرع اول کے اوپر (بغیر قلمزد کئے) کسی نے یہ مصرع لکھا ہے۔
”گشتہ مستی لالہ کار حسن رخسار ترا“

اور دوا میں جانب کے حاشیے پر بار یک خط میں یہ عبارت درج کی ہے:
”صاحب، مصرع اول پستریو۔ بدش نگاشتہ شد۔ اس کے بعد ایک علامت دستخط
کی سی ہے اور پھر فقط کی علامت ختم ہے۔“

یہ خط مخلص کا ہے نہ خان آندو کا کیونکہ مخلص کی جو معتبر تحریریں میں نے دیکھی ہیں،
اور جن کا اوپر ذکر بھی کر چکا ہوں۔ وہ اس سے بالکل جدا انداز خط میں ہیں۔ رہے خان آندو
توان کے قلم کی لکھی ہوئی دو کتابیں مستقل ہمارے کتابخانے میں موجود ہیں ان کے ماسوا
”بہارِ عجم“ کی ایک جلد محفوظ ہے، جس کے حاشیوں پر ان کے قلم کے تنقیدی نوٹ ثبت
ہیں۔ ایک نسخہ ”علی حزیں کے“ ”تذکرۃ الاحوال“ کا بھی آندو کے اپنے قلم کے لکھے ہوئے
اعتراضات پر مشتمل یہاں ہے۔ ان سب کے پیش نظر میں یہ بھی نہایت وثوق کے ساتھ کہہ
سکتا ہوں کہ مذکورہ بالا تحریک آندو سے کوئی خطی علاقہ نہیں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آندو نے
حاضرین جلسہ میں سے کسی سے یہ نوٹ لکھوا دیا ہو۔

دیوان کے آخر میں ایک ورق ہے جس پر یہ عبارت درج ہے:

”تاریخ ہنم شہر رجب المرجب ۱۲۷۰ جلوس محمد شاہی روز یک شنبہ طرف صبح بخند

مصنف با تمام رسید“

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ عبارت دیوان کے اتمام کی تاریخ بتاتی ہے لیکن خود دیوان مخلص کے قلم کا لکھا ہوا نہیں ہے اس پر میرا گمان یہ ہے کہ اس آخری ورق سے پہلے کے کچھ صفحات گم ہو گئے ہیں۔ اُن پر کوئی نظم مخلص نے اپنے قلم سے لکھی ہوگی۔ یہ تاریخ اس کی کتابت کو ظاہر کرتی ہے۔ تاہم اس سے یہ اندازہ کر لینا آسان ہے کہ اصل دیوان کی ترتیب ۱۲۷۰ جلوس محمد شاہی مطابق ۱۱۵۰ھ سے قبل ہی عمل میں آچکی تھی۔

تفہیم پرسی

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے بیشل تحفہ ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ بانی پشیمانی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گویہ تالیف کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ۔ سالہا سال کی عزیز کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو کاغذ دیگر سامان طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

بدیہ غیر مجلد جلد اول تقطیع ۱۲۹۰ سات روپے، جلد ثانی سات روپے، جلد خاص سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے، جلد ثالث زیر طبع، جلد رابع ص ۷

مکتبہ برہنہ سان ادو بازار جامع مسجد دہلی ۶

تلخیص و ترجمہ ہندی ادب کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ

اس عنوان سے ماہر باور حیات ڈاکٹر نریندر کھنڈی دھرمپال، ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی، صدر شعبہ سنسکرت
”ہندی ادب“ دہلی یونیورسٹی کا ایک قاضیہ مقالہ ”دی اسٹیفینین“ میں طبع ہوا ہے
تاریخ بیان کے لئے ذیل میں اس کا مختصر ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ (س)

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے ہندی ادب کی ترقی میں جو حصہ لیا ہے اس
پر بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ جو لوگ اسلامی کچھ کی تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ صرف ہندوستان
میں مسلمانوں کی حکومت کے عروج و زوال کے مطالعہ تک اپنی کوشش کو محدود رکھتے ہیں لیکن
میرے خیال میں مسلمانوں کی حکومت کی وسعت اور اس کی ترقی و عروج کا مطالعہ ہندوستان میں
اسلامی کچھ کی ترقی اور اس کے نشوونما کی صحیح تاریخ پر مشتمل نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا کی دوسری
حکومتوں کی طرح ہندوستان کی مسلم حکومت بھی ان ارباب سیاست کی تخلیق تھی جن کی سیاسی
پالیسی اپنے زمانہ کے سیاسی تحلیلات کے زیر اثر ہوتی ہے اسلام کے صحیح تصورات و افکار کے
ساتھ اس کا گہرا و نسبت کم تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی اچھائیاں یا برائیاں ان
کی اپنی تھیں۔ اس لئے ان بادشاہوں کے اعمال و افعال کی روشنی میں اسلامی احکام و
مسائل کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا انصاف سے فرین نہیں ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ گزشتہ
چھریاں صدیوں میں اسلام نے ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں جو حصہ لیا ہے اس کا مطالعہ
کریں تو ہم کو اسلام کے روحانی پیشوا جو اس ملک کے عوام کے ساتھ رہتے سہتے تھے اور جنہوں
نے اپنے عقیدہ و عمل کے ذریعہ باشندگان ملک کی بڑی شاندار خدمات انجام دی ہیں ان کی

ہندی زبان کی تصنیفات کا مطالعہ کرنا چاہئے خوشی کی بات ہے کہ صوفیائے اسلام کی یہ گرفتہ تصنیفات زمانہ کے دستبرد سے محفوظ رہ گئی ہیں یہ تصنیفات گنتی میں اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر ہندی زبان کے فضلاء اور ادباء اس تمام مواد کو جمع کر کے مرتب کریں تو اس کے لئے کئی نسلیں درکار ہوں گی افسوس ہے کہ فصل پکی ہوئی ہے لیکن اس کو کاٹنے والے بہت کم ہیں خود میں نے جو فہرست مرتب کی ہے اس میں کم از کم ہندی زبان کے پانچ سو مسلمان مصنفین کے نام مع ان کی کتابوں کے نام اور تاریخ تصنیف وغیرہ کے درج ہیں اور ان میں سے بعض بعض کتابیں تو اسلام کی بہترین تشریح و توضیح پر مشتمل ہیں یہ تصنیفات اس بات کا ثبوت ہیں کہ صوفیاء اور ہندی کے مسلمان مصنفین نے ان مواقع سے فائدہ اٹھایا جو انھیں ہندوؤں کے ساتھ ملنے جلنے سے حاصل ہوئے اور اس طرح اپنے اور ہندوؤں کے دونوں کے فائدہ کے لئے خود ہندوؤں کی زبان اور ادب کے ذریعہ ان کے ساتھ ایک فانی تعلق پیدا کر لیا مسلمان حکومت اسباب طبعی کی وجہ سے فنا ہو گئی لیکن اسلام کے صوفیاء اور ہندی کے مسلمان شاعروں کی کوششوں کی بدولت اسلام جو ظاہر ہے کہ اس ملک کی تخلیق نہیں ہے آج بھی اس ملک میں باقی ہے اور ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں ہندی زبان کے ذریعہ اسلام کی روح ہندی گورنوں کے اندر تک پہنچی اور جیسا کہ میں بتاؤں گا یہی مقصد تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں نے پہلے ہندی زبان کو ایک شکل و صورت دی اور اس کے بعد ترتیب و تہذیب کر کے اس کا معیار ادا کیا۔

یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے روزمرہ کی ہندی بولی کو ادبی مقام کے لئے استعمال کیا وہ مسلمان ہی تھے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ روزمرہ کی اس بولی کو برہمنوں نے ایک ناشائستہ زبان سمجھ کر بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور وہ اس کو اپنی قوم کے لائق نہیں سمجھتے تھے تاریخ ہند کے ایک نہایت تازک دور میں جب کہ ہندوؤں کا قدیم مذہب عوام کے دماغ پر اپنی گرفت قائم رکھنے میں ناکام ہو گیا تھا اور غیر تعلیم یافتہ طبقات میں بیوروہ رسوم و عادات

بزرگ پرانی تہذیب مسلمان مصنفین نے ہندی زبان کے ذریعہ ہندوستان کے لوگوں میں از سر نو تہذیبی شعور و بیداری پیدا کرنے کی غرض سے اسلام کے تعلیمی فلسفے کی تشریح کی اور روحانی باتیں و ہرگز گذشتہ کے اس زمانہ میں صوفیائے اسلام اور دوسرے مسلمان اہل قلم نے اسلام کے اخوت و محبت انسانی اور توحید کے پیغام کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ پھیلایا اور یہ سب کچھ انھوں نے ہندی زبان میں ہی کیا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے یکے بعد دیگرے عوام کی زبان یعنی ہندی میں مختصر افسانے اور کہانیاں لکھیں اور ان کے ذریعہ اس عشق و محبت الہی کا پرچار کیا جس کی تعلیم اسلام دیتا ہے چنانچہ قطبن نے مرگوتی لکھی اور مہمن نے مادہ ہوائی تصنیف کی۔ جانشی نے پدمادتی کا ایک بیش قیمت تحفہ پیش کیا اور عثمان نے چترادتی اور نور محمد نے اپنے عہد میں اندادتی سے ضیافت کی۔ اس عالمگیر اخوت و محبت اور امن و عافیت کے پیغام کا ہی یہ اثر تھا کہ ہندوستان کی زوال پذیر روح پھر ایسی ہی شگفتہ و تازہ ہو گئی جیسے کہ جمع کے سورج کی کرنوں کے اثر سے کنول کا پھول۔

ہندی زبان کے ان مسلمان مصنفین کو اس سے دلچسپی نہیں تھی کہ وہ ہندوؤں کے عیوب اور ان کی کمزوریوں کو بیان کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے سے ان کا مقصد حاصل نہیں ہوگا اور مذہب کے متعلق غلط تخیل پیدا ہو جائیگا اس کے برخلاف وہ ہندوؤں سے اس درجہ گہل مل گئے کہ ہندوؤں کو محبت اور ہمدردی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس طرح ان کو موقع ملا کہ وہ ہندوؤں کے خیالات و احساسات کو طبعاً اور اسلامی پیغام امن و عافیت سے انھیں روشناس کریں۔ ہندی کے مسلمان مصنفین نے اپنی کتابوں میں ہولی اور بسنت جیسے ہندو تہوار اور رادھا اور کرشن ایسی شخصیتوں کی بھی بڑی توصیف کی ہے اور ساتھ ہی انھوں نے عشق الہی کا جو اسلام کا خاص پیغام ہے بڑے جوش و خروش سے پرچار کیا ہے ان دونوں کے امتزاج سے ہندوستان میں ایک نیا کلچر پیدا ہوا اور اس ملک کو ایک نئی زندگی ملی جو مختلف عناصر کے اتحاد و امتزاج کا ایک خوشگوار نتیجہ تھی

ان مسلمان مصنفین ہندی کے متعلق یہ کہنا مبالغہ سے یکسر خالی ہے کہ ان لوگوں نے ہندوستان کو پایا اینٹ کا بنا ہوا لیکن انھوں نے اپنے ہاتھ سے اس کو سنگ مرمر کا بنا دیا برتندو ہریش چندر جو جدید ہندی شاعری کا مجدد ہے اس نے انھیں مسلمان صوفیہ کے متعلق بجا کہا ہے کہ

इन मुसलमान हीरजन पै कोठिन हिन न बारियै

یعنی میں ان خدا پرست مسلمانوں کی خاطر کہ دروں ہندو قربان کر دوں ۔

اپنے امن و خیر خواہی کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ شائع اور عام کرنے کے لئے ان مسلمان مصنفین نے اس زبان کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا جو عوام کی زبان تھی اور جس کا نام ہندی ہے چنانچہ جتنی کتاب ہے :-

तुलसी आरबी हिन्दवी भाषा जती आहि

जाये मारग प्रेम का सबै सराहे ताहि

امیر خسرو نے جدید ہندی شاعری کی ایک شکل ایسی ہی مقرر کی جیسے کہ انشا اللہ خداں نے ہندی نشر کی تھی ملک محمد جاسسی نے دوہے اور چار و پائی کے امتزاج سے ایک خاص شکل پیدا کی اور اس میں اپنی مشہور مفتوی بدماونی لکھ کر تلسی داس کے لئے ہندی را مان لکھنے کا راستہ پیدا کیا ہندی شاعری کے فزنی اسکوں نے تخریک ذہنی کے ذریعہ جو ایک سچی شاعری کی ندرج ہوئی ہے ہندی ادب میں غیر معمولی اضافہ کیا اور ہندی کے مسلمان اہل قلم نے جو عربی اور فارسی کے بھی نامور فاضل ہوتے تھے اچھوتی اور نئی تشبیہات و استعارات اور قدیم ادبیات کے گونا گوں اسالیب بیان کے ذریعہ ہندی شاعری کو مالا مال کیا بعض مسلمان ہندی شاعروں نے تو اس قدر اچھوتی تشبیہات پیدا کی ہیں کہ ان کا جواب نہیں ہو سکتا مثلاً ایک شاعر اپنے محبوب کی آنکھ کی تعریف اس طرح کرتا ہے :-

अमी हलाहल मद भरे सेतु साम रत्नार

जिद्यत मरत भुक भुक परत जेहि चितिवन एक बार

یا مثلاً ایک مسلمان شاعر ایک نوجوان ہندو عورت کو شوہر کی ارتقی کے ساتھ سنی ہونے ہونے دیکھتا ہے تو فوراً اس کو اس کنول کے پھول کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے جو آگ میں پڑا ہوا ہو۔

अग्निकुंड कुलवे कबल

یہ دو مثالیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مسلمان شاعروں نے اپنے اعلیٰ تخیل اور قدرت کلام سے ہندی شاعری میں کتنا زور پیدا کر دیا تھا

شاعری کے دوسرے اصناف کی طرح مسلمانوں نے ہندی گیت کو بھی بڑی ترقی دی اور اس میں بھی انھوں نے طرح طرح کی ایجادیں کیں۔ ان مسلمانوں کی فہرست بہت طویل ہے مختلف سروں کی طرح ٹھمری۔ تھپتھپ اور دادرا مسلمانوں کی ہی ایجاد ہے۔

ہندی کے مسلمان شاعروں کی دو خصوصیات بہت زیادہ نمایاں اور قابل ذکر ہیں ایک اعلیٰ تخیل اور دوسرا حسن بیان و محاکات جن شاعروں کے کلام میں یہ دونوں اوصاف بدرجہ کمال پائے جاتے ہیں ان میں سے چند ایک کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) امیر خسرو (تیرہویں صدی عیسوی) ہندی میں امیر خسرو کو اس شہد کی مکھی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو رنگ رنگ کے پھولوں سے مٹھاس چوستی ہے اور پھر ان سب کی ترکیب سے شہد بنا کر پیش کر دیتی ہے امیر خسرو کی ہندی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی زبان نہایت رسیلی اور شیریں درداں ہے اور ان کے ہاں الفاظ اور جملوں کی خست جو ہندی زبان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا نتیجہ ہے اس قدر حیرت انگیز اور عجیب و غریب ہے کہ ان کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) جانشی (۱۵۵۷ء) ان کی شاعری سوز و گداز سے پر ہے۔ جانشی پہلا شخص ہے جس نے ہندی کے لئے ادبیات کی صفت میں ایک جگہ پیدا کی اس کی پدماوتی اپنے غیر معمولی بلند تخیل کے باعث ہندی زبان کا ایک سلاطانی اور بے حد موثر شاہکار ہے۔

(۳) عبدالرحیم خاننماں راز (۱۵۵۷ء تا ۱۶۲۹ء) خاننماں بہت سی زبانوں کے جن سے

رنگ رنگ کے بھول جمع کرتا ہے اور ان سب کا ایک خوشنما ہار بنا کر اسے ہندی شاعری کے گلے کی زینت بنا دیتا ہے۔ اس کی ست سائی اور اسی طرح کی دوسری تصانیف مابعد کے لئے رہنا کام کرتی ہے خانتال کا عہد ہندی شاعری کا عہد زریں ہے جب کہ عظیم المرتبت مثل بابو شاہوں کے دیار میں اس زبان اور اس کی شاعری کی بڑی محبت اور توجہ کے ساتھ پرورش و تربیت کی گئی۔ (۴) رس خان (از ۱۵۵۷ء تا ۱۶۲۷ء) یہ دہلی کا ایک پٹھان تھا ہندی زبان میں اس کی شاعری پر خلوص عباداتی شاعری کی حیثیت سے اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

(۵) شاہ برکت اللہ (از ۱۶۶۰ء تا ۱۷۲۹ء) اس کی پریم پرکاش ہندی شاعری کا لافانی شاہکار ہے۔ برکت اللہ کی شاعری میں گیت کے سروں کے ساتھ فلسفیانہ افکار کا ایسا حسین امتزاج ہوتا ہے کہ ان کے پڑھنے سے غیر معمولی سرور بھی حاصل ہوتا ہے اور مبیاختہ زبان سے واہ بھی نکلتی ہے ذیل کے شروں دیکھئے اس نے ایک نہایت نفوس حقیقت کو کس سحر طرازی کے ساتھ لطیف و شیریں پیرایہ شروں میں بیان کیا ہے۔

تو م سرجن ہم دیو نیس، آج گات کھئے سوناوے ।

بین دےوے نہہیں رہ سکن، دےوے رہو نہ جاوے ॥

(۶) شیخ رنگریزن (۱۷۷۷ء) یہ ایک مسلمان قانون بھی جو گنگولی اور زندہ دلی کو ہندی

شاعری میں اس طرح جمع کر دیتی ہے۔

کنک بڑی سہ کامی، کٹہر کاہن دین ।

کٹہر کو کچن کٹہر بیڈی کچن پر پڑ دین ॥

اس مختصر دنداد سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہندی شاعری پر مسلمانوں کا احسان بہت

بڑا ہے اور ان مسلمان اربابِ قلم کے ہندی زبان کے جتنے کارنامے سامنے آتے رہیں گے اسی قدر مستقبل میں ان کی عظمت کا اعتراف اور زیادہ کیا جائے گا۔ (۷)

کتاب التقریظ والافتخار

بیان اللسان

۱۸۶

(مولانا محبوب الرحمن صاحب ڈھری لکچر عربی مدرسہ عالیہ کلکتہ)

بیان اللسان یعنی عربی اردو ڈکشنری مولفہ جناب قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی
کتابت و طباعت لیتیمو قسم متوسط جھوٹی تقطیع عام ڈکشنری سائز۔ ضخامت نو تلو صفحات
قیمت مجلد گروپش آٹھ روپیے ملنے کا پتہ :- مکتبہ علمیہ ضلع دارہ میرٹھ (۲) مکتبہ برہان جامع مسجد
تعلیمی مشغلہ کے سلسلہ میں میں نے خود بھی عربی اردو ڈکشنری کی ضرورت محسوس کی اور
اور بعض احباب نے بھی مجھ سے اکثر عربی، اردو ڈکشنری کا مطالبہ کیا اور طالب علم تو ہمیشہ ہی
خواہش کرتے کہ ان کو کسی مستند مفید ڈکشنری کا نام بتلا دوں جس سے وہ استفادہ کر سکیں،
خصوصاً عربی جراند و مجلات کے مطالعہ کرنے والے اور شائقین ترجمہ قرآن کو انتہائی سرگرداں
تھے۔ ان میں سے انگریزی داں تو اپنی ضرورتیں اس طرح پوری کر لیتے تھے کہ پہلے انگریزی عربی
ڈکشنری کا مطالعہ کیا اور پھر انگریزی اردو ڈکشنری سے اردو لفظ معلوم کر لیا مجھے بھی ایک مرتبہ
ترجمہ کے سلسلہ سے یہی کام کرنا پڑا اور اس وقت محسوس ہوا کہ یہ طریقہ بھی باوجود طول عمل کے
غلط خواہ فائدہ مند نہیں ہے۔

بیان اللسان کے ذریعہ سے یہ مفید اور اہم خدمت انجام پاگئی ہے یہ جدید طرز پر المنجد کے
سائز میں عربی الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ ہے اور طالب علموں کے لئے خاص طور پر بہترین رفیق
ہے اس ڈکشنری میں لغات قرآنیہ کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ جدید استعار

کے معنی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے شروع میں قواعد کا جو حصہ ہے وہ بھی بہت اہم اور مفید ہے عربی قواعد اختصار کے ساتھ شگفتہ زبان میں بیان کئے گئے ہیں ان قواعد سے جہاں لغت دیکھنے اور سمجھنے میں مدد ملتی ہے وہاں خود عربی قواعد سے واقفیت بھی ترجمہ قرآن پڑھنے والوں کے لئے ایک نعمت ہے اور ان کو بہت سی خوشیوں سے بچانے والی بھی، مگر ان قواعد سے خود فاضل مصنف نے کم فائدہ حاصل کیا ہے وہ اس ضخامت میں اس سے زائد ذخیرہ جمع کیا جاسکتا تھا، مثال کے طور پر باب الالف، میں باب افعال سے آنے والے مصادر بیان کئے ہیں جو مجرد میں بھی مذکور ہیں، بعض مصادر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے معنی افعال میں تبدیل ہو جاتے ہیں ان کے وہ معنی بھی مجرور کی بحث میں ہونے چاہئیں تاکہ بحث کو تمام معنی ایک جگہ پہل سکیں، اسی طرح افعال، استفعال وغیرہ ابواب کا ذکر بھی دو جگہ طوالت سے خالی نہیں اور اس سے بڑھکر تکرار الفاظ نے کتاب کو اور بھی ضخیم بنا دیا ہے جیسے حائیل ط ۲۳ میں ایک ہی سطر کے بعد مکرر لکھا گیا ہے اور اسی صفحہ پر د اؤد بھی مکرر ہے پھر صرف تذکیر و تانیث کی وجہ سے الفاظ کو مکرر لکھا گیا ہے حالانکہ ایک ہی جگہ مذکر و مؤنث کو جمع کیا جاسکتا ہے ایک کو بیان کرنے کے بعد اس کا مؤنث بیان کیا جاسکتا ہے د الی، د الیۃ، د الی، د الیۃ۔ اسی قسم کے تکرار میں ہیں (ط ۲۳)، مفرد جمع ہونے کے اعتبار سے بھی کتاب میں متعدد جگہ تکرار دیکھنے میں آتی ہے المخلخل اور المخلخل کو ایک ہی جگہ جمع کیا جاسکتا تھا

بعض الفاظ کی جمع کا ذکر نہیں ملا لکن اس کی جمع قرآن میں مذکور ہے اور مبتدئین کے لئے اس کا ذکر از حد ضروری ہے جیکہ دوسرے بعض الفاظ کی جمع اور مفرد دو جگہ ذکر کئے گئے ہیں مثلاً لفظ مؤنثی کہ اس کی جمع مؤنثی کو ضرور ذکر کرنا چاہئے تھا اسی طرح ابابیل کا مفرد بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ اکثر محققین نے اس کو جمع لا واحدہ میں شمار کیا ہے لغات القرآن (مطبوعہ مکتبۃ المدینہ) میں ہے غالباً مصنف نے مفرد نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”احشش و فراء کے نزدیک جمع بلا مفرد ہے ابو جعفر رودی کے نزدیک ابال واحد ہے کسائی

کے نزدیک اگر کوئی فائز اور دیار کی طرح ایسا کہے تو درست ہو سکتا ہے۔
اس میں اول تو اختلاف ہے یہاں تک کہ مختلف اوزان کو مشی نظر رکھتے ہوئے مفروضات
کیا گیا ہے پھر آزاد کے الفاظ تو دیکھئے کہ اگر کوئی کہے یعنی یہ وزن نہیں سنا گیا صرف اگر کوئی کہے
تو ہو سکتا ہے۔

بعض الفاظ کے معنی کچھ عجیب طرح سے مختلف جگہوں میں ذکر کئے گئے ہیں کہ باحث با متبحر
ان کو آسانی سے نہیں پاسکتا، لفظ حدیث کے معنی ص ۱۸۹ اور ص ۱۹۰ کے تین کالموں میں چار
مختلف جگہوں میں دوسرے مادوں کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں پھر بھی اس کے اکثر تو کیا چند
معانی بھی جمع نہیں ہو سکے اور اسی لفظ کا ذکر ص ۱۸۱ میں ہے احادیث کہانیاں۔ باتیں وہ حدیث
جس احادیث کے معنی کہانیاں ہیں اس کا واحد احدثہ ہے نہ کہ حدیث (المحدث مطلقاً) جیسا کہ خود مصنف
نے ص ۱۸۱ میں احدثہ کے معنی بیان کیے ہیں اور اسی صفحہ پر احادیث کو بھی ذکر کیا ہے اس کے بعد ہی
ماوہ ص ۱۸۱ ص ۱۸۲ میں مذکور ہے اسی طرح اکثر ادا سے مختلف جگہوں میں مذکور ہیں اس سے
صرف مبتدیوں کو آسانی ہو سکتی ہے جو عربی قواعد سے بالکل ہی نا بلد ہوں۔

جدید الفاظ یا جدید استعمال | اس موضوع پر ہندوستان کے علمائے مختلف رسالے اور کتابچے تحریر کیے
ہیں اور سب سے زیادہ مفید اور مستند مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی تصنیف ”لغات جدیدہ“
ہے اس میں انہوں نے لفظ کی تحقیق بھی کی ہے کہ کس زبان کا اصل لفظ ہے اور اسے کس تفسیر سے مراد
کیا گیا ہے بیان اللسان میں بھی فاضل مولف نے جدید الفاظ یا جدید استعمال کے ذکر کو نمایاں طور
پر علامت (د) سے ذکر کیا ہے اس جگہ دو مختلف موضوع ہیں جن کے ملائے سے غلط بحث ہونے
کا اندیشہ ہے اس لئے دونوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا ضروری ہے۔

جدید الفاظ کو عربی و کشمیری میں شامل کرنے سے پہلے ایک معیار قائم کرنا ہوگا کہ کس عبارت
یا فرد کے استعمال سے اس لفظ کو عربی کہا جائے گا ظاہر ہے کہ اس کا معیار عرب ہی ہو سکتے ہیں
اگر کوئی ہندی یا فارسی چند روز یا چند ماہ کہہ اور مصرع میں رو کر کسی محلی لفظ کو عربی جہوں میں استعمال کرے

تو وہ لفظ عربی نہیں ہو سکتا اسی طرح ردی کے بجاؤ بچنے والے اخبار رسائل اگر اس قسم کی حرکت کریں تو اس لفظ کو کسی بھی عربیت میں قدم رکھنے کا شرف حاصل نہ ہوگا اس موضوع پر واقعات اور امثالہ اگر ذکر کئے جائیں تو دفتر کے دفتر تحریر ہو سکتے ہیں ان الفاظ کو تو دخل ہوئے کامرتبہ بھی نہ دینا چاہئے چہ جائیکہ ان کو جدید الفاظ کا لقب دیا جائے ہاں الفاظ کی وہ فہرست جو ادب مصر اور شوار کے استعمال کرتے ہیں اگر دکشتری میں شامل کئے جائیں تو اس لفظ کی اصلیت کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے جیسے فارسی کے لئے (ت، دغیرہ

جدید استعمال میں بھی اور پر کا معیار باقی رکھنا ضروری ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر کس و ناکس جس کا عربیت سے ذرا سا بھی تعلق ہے یا ایک مرتبہ وہ حجاز و مصر کو دیکھ چکا ہے کہ وہ جدید استعمال کا ماہر سمجھتا ہے خاص طور پر مترجمین تو نئی نئی اصطلاحیں روزانہ پیدا کرتے رہتے ہیں اور یہ اصطلاحیں یا تراجم ان الفاظ کے لئے ہیں جن کے لئے عربیت میں پہلے سے الفاظ موجود ہیں۔ (مواعید ص ۷۷) ٹائم ٹیبل (د) مواعید تو مبادی کی جمع ہے جس کے معنی خود فاضل مصنف نے ص ۷۷ میں مبادی۔ وعدہ کی جگہ۔ وعدہ کی مدت (وعدہ) بیان کئے ہیں ٹائم ٹیبل کے لئے جدول الاوقات استعمال ہوتا ہے یا پھر رونا مچ براج مستعمل ہے لفظ مواعید تنہا ٹائم ٹیبل کے معنی نہیں ادا کرتا بلکہ مواعید وصول القطارات کا لفظ اپنے لغوی قدیم معنی کے اعتبار سے ٹائم ٹیبل کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

میزان الحر والبرد تھرماسٹر ص ۷۷ یہ کسی مترجم صاحب کی جدت ہے وہ نہ تھرماسٹر کے لئے مقیاس الحرارة صحیح لفظ ہے۔ ہ۔ ع۔ ایم۔ اے۔ (د) ص ۷۷ یہ کسی ایجیٹ ریٹرڈ کی تحقیق ہے اور اس سے وہ خود کو عربی قیاس ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ نہ ایم۔ اے۔ کو م۔ ا۔ سے تعبیر کیا جاتا ہے صرف وہ اے۔ ع۔ بن سکتا ہے جو کسی ع سے شروع ہونے والے عربی لفظ کے شروع میں استعمال کیا گیا ہو اور ایم۔ اے۔ کا اے تو ART آٹ کا اے ہے جس کو عربی حرف میں آت یا زاید سے زاید آرٹ کہا جاسکتا ہے اور عا ر ط کبھی نہیں ہو سکتا ہے پورم ع کیسے ہوگا۔

مواصلہ رد، ذرائع آمد و رفت منجھ یہ لفظ اس معنی میں مفرد استعمال نہیں ہوتا بلکہ مواصلہ
ذرائع آمد و رفت کے لئے صرف جمع ہی کی صورت میں مستعمل ہے اور مینا الجوتی فنائی عربی
سے زیادہ ہندی ہے عربی میں المینا الجوتی ہے اور ہو سکتا ہے یا پھر مینا جوی صفت موصوف
میں تعریف و تنکیر کا قلم ہندیت کی پیداوار ہے عربی فنائی اس کے لئے موزوں نہیں۔

یہ اور اسی قسم کے اور بہت سے الفاظ جو دکشتری میں بھی درج ہیں، ہمارے ان احباب
کی ایجاد (وضع) ہے جنہوں نے عربی ممالک میں زبان کا لغوی اعتبار سے مطالعہ نہیں کیا یا وہاں
کی ادبی اور علمی مجلسوں سے دور رہ کر بازاری زبان کو بھی صحیح طور پر نہ سمجھتے ہوئے ضرورت کے
وقت خود اجتہاد فرمایا ہے اسی طرح جزیرہ عرب کے ساحلی باشندے جو اکثر ہندی فارسی
وغیرہ میں اختلاط کی وجہ سے دوسری زبانوں کے الفاظ اپنی گفتگو میں شامل کرتے رہتے ہیں
میں نے خود لبصرہ کے بازاروں میں عرب نامیہ کو ملی علی عربی اردو یا خالص اردو بولتے
ہوئے دیکھا ہے اگر ایسے اشخاص کی زبان اور استعمال جدید لفظ یا جدید استعمال ہو سکتے ہیں
تو پھر آپ کو اردو فارسی کے تمام الفاظ دکشتری میں جمع کرنے ہوں گے لبصرہ ہی کے ایک
ہوٹل میں کھانے کا اتفاق ہوا تو اس کو میں نے چادل کے لئے ارز۔ رز وغیرہ الفاظ استعمال کیے
لیکن وہ سمجھنے سے قاصر رہا یہاں تک کہ عقدہ میں میں نے کہا ما تفہم! بھات“ اور وہ فوراً چادل
لے آیا۔ عدن، حضرموت کے باشندوں کو کوڑا کرکٹ، کچرا، کوکشرا“ اور کھجڑی کو کشری“
کہتے ہوئے پایا۔ مکہ کے اکثر باشندے پلاؤ“ کو بریانی“ کہتے ہیں بہر حال اس طویل بحث کا خلاصہ
یہ ہے کہ دکشتری میں ایسے الفاظ جمع کرنا مناسب نہیں جو عربی نہ ہوں یا ان کو ادبی اور علمی مجلسوں
میں استعمال نہیں کیا جاتا اور نہ مطالعہ کرنے والے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ یہ لفظ عربی
ہے اور اگر استعمال کئے جائیں تو ان کے ذہن کی طرف اشارہ ضروری ہو۔

فاضل مصنف نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جہاں صلہ کی وجہ سے معنی بدل جاتے ہیں وہاں
صلہ کے ساتھ معنی لکھے گئے ہیں یہ درست ہے عربیت میں واقعی صلہ سے معنی میں بہت بڑی

تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ موصوف نے بہت سے الفاظ کے معانی جو
صلہ کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں صلہ بغیر صلہ بیان کئے ہوئے جمع کر دیئے ہیں مثال کے لئے
ملاحظہ ہو سنی " ص ۳۳

"بیان اللسان" کے مطابق سے خیال ہوتا ہے کہ اس کے مؤلف ایک نوجوان شخصیت میں
اگر وہ ان کے احباب کا بیان ہے کہ یہ خیال زیادہ صحیح نہیں ہیں تاہم اس غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کو
لئے کتاب میں عسبی اور جذباتی معنی کی فراوانی کافی ہے، قاضی صاحب نے کہیں بھی جذباتی
معنی سے درگزر نہیں کیا اور لفظ کے دوسرے غیر جذباتی معنی نظر انداز کر گئے جبکہ جذباتی معنی
سے مختلف لغویں اور مصنفین چشم پوشی کر جاتے ہیں ممکن ہے قاضی صاحب اپنی تالیف نوجوان
طبقے میں مقبول بنانا چاہتے ہوں ملاحظہ ہو فقہ ص ۶۲ جس کے معنی المنجد نے یوں بیان کئے ہیں
نقی یعنی قضا: اشرقت اس مینۃ الفہ فمالمت نحو القصبۃ (الفقہ) ص ۶۸

ترجمہ کرنا تالیف و تخریر کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مشکل اور اہم کام ترجمہ کا ہے لیکن سطحی نظر
دلے یہ سمجھتے ہیں کہ ترجمہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں دوسرے کے تیار شدہ مضمون کو نقل کرنا ہے ترجمہ
کی دقتیں وہی خوب سمجھ سکتے ہیں جن کو اس سے سابقہ پڑا ہو پھر لغت کا ترجمہ کرنا یا معنی بیان کرنا
تو صرف معلّمین ادب ہی کا کام ہے ایک لفظ کے مساوی معنی دوسری لغت میں شاید نادر ہی
ملے ہیں اسی لئے مترجمین لغت ایک لفظ کے چند معنی لکھتے ہیں جن کا مجموعہ اس لفظ کا مفہوم ہوتا
ہے عربی زبان میں تو ایک ہی لفظ مختلف ابواب سے مختلف صلوں کے ساتھ اتنے معنی میں مستعمل
ہوتا ہے کہ المنجد "جیسی لغت کی کتابوں میں کئی کئی کالم صرف ہو جاتے ہیں بہر حال فاضل مؤلف
نے اس اہم اور عظیم الشان کام کو جس محنت اور جانفشانی سے انجام دیا ہے اور اس کی ترتیب
و تالیف میں ان کو جو دشواریاں پیش آئی ہوں گی ان کا خیال کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ کتاب
سی تقریباً تبصرہ کی محتاج نہیں اللہ تعالیٰ ان کو تابہ صدقہ جاریہ کا ثواب بخشتا رہے گا۔ میری
اس دعا میں اس کتاب سے فائدہ حاصل کرنے والے جو بے شمار ہوں گے، دل سے شریک ہو گئے ہیں

ادبیات غزل

(جناب الہم مظفر نگری)

اردو سجادہ کی زیر اہتمام ۲۰ اگست کو یوم آزادی کی تقریب پر جو مشاعرہ ہال قلعہ میں منعقد ہوا تھا الہم صاحب نے یہ غزل اس میں پڑھی تھی۔

ہوا سے ٹوٹ گیا دل کا آہلا کہ نہیں	بلائے جاں تھا مرانا نہ رسا کہ نہیں
بہار گل سے ہے شبنم کا واسطہ کہ نہیں	گرانہ دامن رنگیں سے آنسوؤں کو مے
میں خاک ہو کے دو عالم پہ چھا گیا کہ نہیں	عروج زندگی عجب زو انکسار نہ بوجھ
ہر اک حجاب نظر سے اٹھا دیا کہ نہیں	تعیات کے پردوں سے آ رہے ہو نظر
حرم گوشہ دل میں تجھے ملا کہ نہیں	حرم میں ادب میں ڈھونڈا کیا جسے برسوں
یہاں تو ٹھہرے گی عمر گر بڑا کہ نہیں	لحد کو آخری منزل سمجھ کے آیا ہوں
کسی نے چپکے سے دل میں یہ کہہ دیا کہ نہیں	اُٹھنے ہی کو تھا میں پردہ محباز مگر
جہیں نواز ہے ہر اک نقش پا کہ نہیں	اسے خبر ہے جو ہر راہ میں ہی سجدہ گزار
ہوا ہے طے ابھی دل کا معاملہ کہ نہیں	کسی نظر سے بھی ان کی نہ کر سکا معلوم
تو ہی بتا کہ میں مانگوں کوئی دعا کہ نہیں	گر بڑا در تری مصلحت سے ناممکن

سمجھ رہے تھے تم آساں رہ دقا کو الہم
ہے ذرہ ذرہ یہاں بہت آزما کہ نہیں

قصص القرآن - جلد چہارم - حضرت عیسیٰ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور
متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں
ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

قیمت پندرہ روپے
اسلام کا اقتصادی نظام - وقت
کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی
کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے - چوتھا ایڈیشن

قیمت للغہ جلد چہارم
مسلمانوں کا عروج و زوال -

جدید ایڈیشن قیمت للغہ جلد چہارم
مکمل لغات القرآن - مع فہرست الفاظ
لغت قرآن پر یہ مثل کتاب - جلد اول طبع دوم

قیمت للغہ جلد چہارم

جلد ثانی - قیمت للغہ جلد چہارم

جلد ثالث قیمت للغہ جلد چہارم

مسلمانوں کا نظم مملکت - مصر کے مشہور
مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم اے پی ایچ ڈی کی
محققانہ کتاب انظم الاسلامیہ کا ترجمہ

قیمت للغہ جلد چہارم

ہندوستان میں مسلمانوں کا

نظام تعلیم و تربیت

جلد اول اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب قیمت للغہ جلد چہارم

جلد ثانی - قیمت للغہ جلد چہارم

قرآن اور تصوف - حقیقی اسلامی تصوف

اور مباحث تصوف پر جدید اور محققانہ کتاب -

قیمت عام جلد چہارم

ترجمان السنہ - جلد اول - ارشادات

جامع و مستند و خیرہ صفحات ۴۰۰۰ تقطیع ۲۳

قیمت عام جلد چہارم

ترجمان السنہ - جلد دوم - اس جلد میں

کے قریب حدیثیں آگئی ہیں -

قیمت عام جلد چہارم

تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ

مع تنقید و تحقیق از مترجم و نقشبند

قیمت عام

قرون وسطی کے مسلمانوں کی علمی خدمت

قرون وسطی کے حکماء اسلام کے شاندار علمی کارنامے

جلد اول جلد چہارم

جلد دوم جلد چہارم

وحی الہی

مسند وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بہار

پہلی محققانہ کتاب جس میں اس مسند پر لیے دل

انذار میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی خدمت

کا ایمان از روز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل

گہرائیوں میں سما جاتا ہے -

جدید ایڈیشن قیمت عام جلد چہارم

منیر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد مدنی

مختصر قواعد ندوة المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپے یکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوة المصنفین کے دائرہ محسنین کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم و ادب کے اصحاب کی خدمت میں ادابے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات ہمیں روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوة المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ فاضل ہوگا۔ ادابے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

۳۔ معاونین جو حضرات اٹھارہ روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوة المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور سالہ برہان جس کا سالانہ چھ روپے ہے بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احباب نو روپے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوة المصنفین کے احباب میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائیگا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔ یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

۱۱۔ برہان ہر اگلے مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

قواعد رسالہ برہان ۱۲۔ مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

۱۳۔ باوجود اہتمام کے بہت سے رسائلے ٹاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس رسالہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۵۰ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں کی جائے گی۔

۱۴۔ جواب طلب امور کے لئے مرکز کے ٹیکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے خریداری نمبر کا حال بہر حال ضروری ہے دہا قیمت سالانہ چھ روپے ششماہی میں روپے چار آٹھ روپے وصول آگ، فی پرچہ دس کٹے۔ ۱۵۔ منی آرڈر دینے والے وقت کو یہ ہدایت کرنا کہ پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد اویس پڑھ بھٹہ نے جید برقی پریس میں لکھنؤ میں اردو بازار جامعہ دہلی میں شائع کیا۔

Oct. 50.

مصدقہ دینی کا علمی و دینی مکتبہ
ندوۃ الیمین دینی کالج دہلی

چٹانہ پورہ ضلعہ سوات
پشاور

1 OCT 1950

کریا

مفتی
غیاث الدین
کراچی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست سچ کجائی ہے مفصل فہرست جس سے آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں۔ قیمت ۳۰۰، جلد للہ

سلسلہ تاریخ ملت۔ مختصر وقت میں تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ سلسلہ نہایت مفید ہے۔ اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکمرا ہوا اور شگفتہ بنی عربی صلح علم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشین انداز میں لکھا گیا ہے۔ قیمت پھر جلد ۴

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ) عبدغفارے راشدین کے حالات و واقعات کا دل پذیر بیان۔ قیمت پھر جلد ۴

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ) قیمت پھر جلد ۴

خلافت عباسیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ) قیمت ۴۰۰ جلد ۴

خلافت عباسیہ۔ جلد اول تاریخ ملت کا انچواں حصہ، قیمت پھر جلد للہ

خلافت عباسیہ۔ جلد دوم تاریخ ملت کا چھٹا حصہ، قیمت پھر جلد ۴

خلافت مصر تاریخ ملت کا ساتواں حصہ مصری سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت جلد ۴

فہم قرآن۔ جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت پھر جلد ۴

غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت پھر جلد ۴

اخلاق و فلسفہ اخلاق۔ علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب کو زیادہ دل نشیں اور سہل کیا گیا ہے۔

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات و واقعات تک۔ قیمت ۴۰۰ جلد ۴

قصص القرآن جلد دوم۔ حضرت یسعٰی سے حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن۔

قصص القرآن جلد سوم۔ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت ۴۰۰ جلد ۴

قیمت ۴۰۰ جلد ۴

مکتبہ دارالعلوم دیوبند
پیشکش

بُرْهَان

جلد سبب و پنجم شمارہ دوم

اکتوبر ۱۹۵۰ء مطابق ذی الحجہ و محرم الحرام ۱۳۶۹-۷۰ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|---|------------------------------------|
| ۱۹۴ | سمیع احمد | ۱- نظرات |
| ۲۰۲ | حضرت مولانا سید منظر احسن صاحب گیلانی | ۲- تمدن حدیث |
| ۲۱۸ | جناب مولوی نجم الدین صاحب اسلامی | ۳- دلائل القرآن |
| ۲۳۵ | مولانا ظفر الدین صاحب استاذ دارالعلوم مدینہ | ۴- دربار الہی اسلام کی نظر میں |
| ۲۵۰ | | ۵- ادبیات |
| | جناب آلم مظفر مگر | مذہب |
| | جناب مشیر مجتہاوی | جس کی شیاں پناہ تھیں وہاں شیاں ہیں |
| ۲۵۲ | (دس) | ۶- تبصرے |

نَظَرُ

اللہ اکبر! کیسا انقلاب سا انقلاب ہے۔ کچھ زیادہ نہیں اب سے قین چار برس پہلے عید
بقر عید آتی تھی تو ہفتوں پہلے سے گھر گھر میں اس کی خوشیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ بڑے چاند چوہے
سے اس کی تیاریاں کی جاتی تھیں۔ بچے اور بچیاں، مرد اور عورت، بوڑھے اور جوان سب مل کر
اپنی اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق عید منانے اور اس کی خوشی رچانے کا اہتمام و انتظام کرتے
تھے۔ لیکن ایک آج کا دن ہے کہ بقر عید قریب آئی اور مسلمانوں پر سہم چڑھنا شروع ہوا۔ اتنے تھے
بچے اور بچیاں تو شاید اب بھی اسی طرح دل سے عید کا استقبال کرتے ہوں کیونکہ ان غنچہ ہائے
نور و شکفتہ کو اس کا کیا احساس کہ انھوں نے جس جہن میں آنکھ کھولی ہے اب اس کی آب و ہوا بدل
چکی اور جس ماحول میں قدرت نے انھیں پیدا کیا ہے اب اس کے زمین و آسمان کا وہ پہلو سازنگ
باقی نہیں رہا۔ لیکن ہر حال بوڑھے اور جوان مردوں اور عورتوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ بقر عید کا چاند
نظر آنے کے بعد سے ہی ان کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور وہ بارگاہ ایزدی میں قلبی تسبیح
کی پوری نیاز مندوں کے ساتھ دعا میں کرتے ہیں کہ الہی جان و مال کی خیر رہے عزت و اہم پر پانچ
ہائے اور مقدس نہوار خیریت و عافیت کے ساتھ تیر جائے۔ کہ وروں مسلمانوں نے ہر سال
کہہ کر کہہ کر مرتبہ چاند بکھر کر دیت ہوں کی مشہور دعا "اللہم اھلہ علینا بلا من والامان
والسلامۃ والاسلام" بیسیوں بار پڑھی ہوگی مگر انھیں یہ آج ہی معلوم ہوا ہوگا کہ پیغمبر صادق
و مصدق نے جو "امن" "امان" "سلامت" اور "اسلام" ان چار چیزوں کی حفاظت کے لیے
تعمین فرمائی تھی تو ان کی زندگی میں کیا اہمیت اور کتنی ضرورت ہے حکومت کی طرف سے پیش بنی
کے طور پر جگہ جگہ شہری اور فوجی پولس کے پہرے ہونے میں بہتیار بندگا رہ پیل اور سلاحت
کا گشت کرتی رہتی ہے لیکن حفاظت و انتظام کے اس سارے سامان کو دیکھ کر مسلمان کی غسروست

عید کے چہرہ پر احساسِ حزن و الم کی ایک اور شکن پڑ جاتی ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ پتھر میں تو
بدی راج کی نشانی ہیں آج جب کہ میرا وطن آزاد ہے تو کیا پھر بھی اس کی عزت و تہمت ہے کہ اپنی قوم کو
میں اپنا مذہبی تہوار سنگینوں اور بندو قوں کے پہرہ کے بغیر منادوں اور دل کا ہاتھ اندر سے کہتا ہے
کہ ان پہلوں کے بعد بھی تو امن و سلامتی کے ساتھ اپنا تہوار منائے تو نبیائے غنیمت جان اور خدا کا اکل کا
شکر ادا کر۔

اس نفسیاتی الجھن اور بیم و ہرجا کی اس جاں گداز کشمکش کا اصل باعث گلے کی قربانی کا مسئلہ
ہے۔ یہ مسئلہ ہمیشہ سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں کشیدگی اور کشاکش کا سبب بنا رہا ہے۔
اب ملک کی تقسیم جن حالات میں ہوئی ہے ان کی وجہ سے اس کی نزاکت اور کمی بڑھ گئی ہے جو بحکم
خالص مذہبی معاملہ ہے اس لئے علماء کا فرض تھا کہ تقسیم کے بعد ہی فوراً اس کے متعلق کوئی متفقہ
فیصلہ کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے تاکہ گو گلو کے عالم میں رہنے کے باعث جان و مال کا جو خسارہ
برداشت کرنا پڑ رہا ہے اس سے نجات ملے اور صورت حال کا کوئی خوشگوار حل نکل سکتا لیکن افسوس
کہ علماء نے ایسا نہیں کیا۔ اوداب ایک ایسا مرحلہ آگیا ہے کہ مگر ان کی خوشی کا یہی عالم رہا تو نہیں کہا
جاسکتا کہ اس کے نتائج کتنے خطرناک اور افسوسناک ہوں گے۔

جہاں تک اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے یہ ظاہر ہے کہ گائے کی قربانی نہ فرض ہے
اور نہ واجب بلکہ مباح ہے۔ جس میں اعتقاد ترک کرنے اور نہ کرنے دونوں کا اختیار ہوتا ہے پھر اس
میں شبہ نہیں کہ کبھی خارجی اور سیرانی حالات کے باعث کسی امر مباح کا کرنا واجب بھی ہو جاتا ہے اور
کبھی ممنوع بھی اور ان حالات کی تشخیص و تعیین اگر مسلمانوں کی حکومت ہو تو حکومت کا بمشورہ علماء
اور نہ صرف علماء کا کام ہے ہندو اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنا اسلام میں مباح ہے لیکن
حنیف عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی کے متعلق معلوم ہوا کہ انھوں نے ایک کتاب عورت و شادی

کہا ہے تو آپ نے ان کو بلا کر ڈانٹا اور حکم دیا کہ طلاق دو۔ جب اس صحابی نے کہا کہ کتنا یہ عورت کے ساتھ شادی کرنا ناجائز تو نہیں ہے۔ تو شریعت اسلام کے اس سب سے بڑے باطن و حکیم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اسی طرح غیر ملکی عورتوں سے شادی کرنے لگے تو عرب کی ان دو شیرہ لڑکیوں کا کیا حشر ہو گا! اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ حضرت عمر ثانی کے عہد کا سنئے ظاہر ہے کہ غتہ سنت ہو کر اور اسلامی شعار ہے لیکن اس کے باوجود حضرت عمر بن عبد العزیز کے مختصر عہد خلافت میں جب اہل ذکر کثرت سے مسلمان ہونے لگے تو مردانی اعمال و حکام جو جزیہ کے لالچ سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے شکایت کی کہ یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہو رہے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ یہ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مگر غتہ نہیں کرتے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: ”یہ ابھی نئے نئے مسلمان ہیں جب اسلام ان کے دلوں میں رچ بس جائے گا تو یہ خود غتہ کرا لیں گے یہ وہ واقعات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ صرف مباح کا اقدیا ترک ہی کبھی واجب یا ممنوع نہیں ہوتا بلکہ کسی اسلامی شعار کو بھی کسی خارجی اور وقتی مصلحت کی بناء پر ہنگامی اور عارضی طور پر نظر انداز کیا جاسکتا ہے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں خصوصاً اور دوسرے خلفاء کے دور میں عموماً اس قسم کے اجتہادات کی مثالیں کثرت سے ملیں گی لیکن اس موقع پر ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔“

اب موجودہ حالات میں گائے کی قربانی کے مسئلہ پر غور کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ اگرچہ اصل مسئلہ کی حیثیت سے گائے کی قربانی مباح ہے لیکن یہاں حالات اس قسم کے ہیں جن کے پیش نظر اس کو واجب بھی کہا جاسکتا ہے اور باطل نہیں تو کم از کم چند برسوں کے لئے شرعاً اسے ممنوع بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ہم دونوں قسم کے حالات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ مسئلہ کا ہر پہلو روشن ہو سکے اور وسعت نظر کے ساتھ اس پر غور کیا جاسکے۔

پہلی قسم کے حالات دو اسباب جو قربانی کا ذکر واجب قرار دیئے گئے ہیں یہ ہیں کہ

بجارت کی حکومت ایک سیکور گورنمنٹ ہے اس کے آئین و دستور کی رو سے اس ملک کے مسلمان بھی یہاں کے ایسے ہی شہری ہیں جیسے کہ ہندو اور اس بنا پر بجارت کا دستور مسلمانوں کے شہری حقوق جن میں ان کے مذہبی اور تمدنی واجبات، و مطالبات بھی شامل ہیں ان کی مکمل حفاظت و نگہداشت کا اعلان کرتا ہے اور مسلمانوں نے ملک کے اس دستور کے مطابق ہی اس ملک میں قنارہ شہری کی حیثیت سے رہنے کا عہد کیا ہے پس اگر کوئی مقامی حکومت یا کسی جگہ کے عمال و حکام مسلمانوں کو قربانی گاؤں سے جبراً روکتے ہیں تو اگرچہ یہ قربانی اصلاً مباح تھی اور اس بنا پر مسلمانوں کو خود یہ حق حاصل تھا کہ وہ چاہتے تو اس کو ترک کر دیتے لیکن اب جب کہ ملک کے آئین و دستور کے خلاف اس کو جبراً اس سے روکا جاتا ہے تو یہ ان کے شہری حقوق میں مداخلت ہے اور آگے چل کر مداخلت فی الدین کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ مداخلت فی الدین کا مقابلہ کریں اور جو چیز ان سے جبراً ترک کرائی جاتی ہے اس کو عمل میں لا کر مستقبل میں اس نوع کی مداخلت کا سدباب کریں یہاں یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس مداخلت کی مقادمت مبنی اس پر ہی ہے کہ ملک کا قانون ان کو ملک کا شہری تسلیم کرتا اور ان کو مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دیتا ہے ورنہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو معاملہ اور مسئلہ کی نوعیت بھی مختلف ہوتی مسلمان کسی حالت میں غدار اور فریب دینے کا مجاز نہیں ہے اگر قانون یہ ہوتا کہ اس ملک میں قربانی نہیں ہو سکتی تو پھر مسلمانوں کو حق تھا کہ وہ اگر اس کو برداشت نہیں کر سکتے تو اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں اور اگر وہ اس قانون کے باوجود ملک میں رہنا ہی چاہتے ہیں تو انھیں لا محالہ جب تک اس ملک میں رہیں گے اس کے قانون کی پابندی کرنی ہوگی۔ اسلام میں دوستی اور دشمنی بالکل کھلی ہوئی ہے اور معاہدہ کا پابند رہنا ہر حال میں ضروری ہے مسلمان اگر دشمن سے جنگ بھی کرتے ہیں تو پیچھے سے آکر نہیں بلکہ سامنے کھڑے ہو کر اور حریت پنجہ شکن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے دست و بازو کی قوت آزماتا ہے پس یہ وجہ ہیں جو قربانی گاؤں پر اصرار کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے یہ قربانی اب مباح نہیں بلکہ واجب ہو جاتی ہے۔

اب رہے دوسری قسم کے وجوہ و اسباب جن کے پیش نظر اس قرآن کو شرعاً ممنوع ہونا چاہیے وہ یہ ہیں کہ ایک طرف قربانی کا وہ صرف مباح ہے نہ فرض ہے اور نہ واجب اور عرب میں تو عموماً اور جہاز میں خصوصاً اس کا رواج بھی بہت کم ہے اور دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ گائے ہندوؤں کے ہاں مقدس سمجھی جاتی ہے جن پر اس ملک کی عظیم اکثریت شامل ہے اگرچہ ملک کا دستور اس جانور کی قربانی پر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک ہندو اور مسلمان مل جل کر رہیں گے اس وقت تک محض ملک کے قانون کی وفات کے سہارے مسلمان امن اور عافیت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے عام حالات میں بھی ذبح بقر سے بردار ہونے کی دل آزاری ہوتی اور اب تو ملک کی تقسیم جس منافرت اور عداوت پر ہوئی ہے اس کی وجہ سے دل آزاری انتہائی اشتعال اور غضب کا باعث بن سکتی ہے اور بن رہی ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر ایک گائے کے ساتھ کئی کئی مسلمانوں کی قربانی ہو جاتی ہے اور ان کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے قانون اپنی جگہ پر کتنا ہی اچھا اور اس کی قوت نفاذ بھی کتنی ہی مضبوط ہو لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان ہندوؤں کے ساتھ خوشگوار تعلقات پیدا کئے بغیر امن اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں؟ پس اگر مسلمانوں کا ایک امر مباح کو قطعاً ترک کر دینے کا عزم ان کے لئے یہ خوشگوار فضا پیدا کر سکتا یا اس کے پیدا کرنے میں کسی معقول حد تک مدد و معاون ہو سکتا ہے تو بے شبہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ مباح کی ایک جانب ترک کو ایک عظیم ترین منفعت کے خیال سے ترجیح دے کر اس کو اپنے لئے ممنوع کر لیں۔ محض ایک امر مباح پر اصرار کرنا اور اس کا انکار اس کی وجہ سے شدید ترین جانی و مالی نقصانات پہنچتے ہوں یا ان کے پہنچنے کا امکان غالب ہو یا اسلامی تعلیمات کی رو سے نہ صرف غیر مستحسن بلکہ ایک قسم کی خودکشی ہے جو اسلام میں قطعاً حرام ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذبح بقر کو حرام اسلامی میں شمار کیا ہے ہمیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت مجدد نے ایسا لکھا ہے لیکن

حضرت مجدد کے زمانہ میں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا۔ اور چونکہ کچھ نے ہندو مذہب کے زیر اثر آ جانے کے باعث گاوگشی کو بالکل ممنوع قرار دے دیا تھا اس بنا پر حضرت مجدد نے ”گرہ کشتن ہر دزد اول“ کے مطابق اس کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ بادشاہ نے جس رنگ میں ڈوب کر یہ اعلان کیا ہے اگر اس کو ختم نہیں کرایا گیا تو لازمی طور پر اس کا اثر یہ ہوگا کہ پھر اسلام کے شعائر حقیقی کی بھی غیرت ہوگی اور مسلمان اقتدار اعلیٰ کے مالک تھے اس لیے حضرت مجدد کو اس کا بھی اندیشہ نہیں تھا کہ گاوگشی کی تجدید سے کسی مسلمان کی جان و مال یا اس کی عزت و آبرو پر کوئی حرف آئے گا۔ آج کے حالات اس زمانہ کے حالات کا بالکل عکس ہیں اس بنا پر آج کو کل پر قیاس کر کے کسی مسئلہ کا فیصلہ کرنا عالمانہ وسعت نظر کے یکسر منافی ہے علاوہ برہم جو حضرت اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا نام لیتے ہیں انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں غلبہ سلطنت کے بانی بادشاہ بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کے نام جو وصیت نامہ لکھا ہے اس وصیت نامہ کی نقل بھوپال کی اسٹیٹ آرکائیو میں محفوظ ہے اس میں جہاں اور باتیں لکھی ہیں یہ بھی تحریر ہے کہ ”تمہیں گاوگشی سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ اس کے مذہب کو لوگوں کے دل میں مقبولیت حاصل ہو اور اس طرح وہ تمہارے احسان مند و شکر گزار ہو کر تمہاری اطاعت کریں۔ یہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ یہ صرف ایک بہادر جرنیل اور سیاسی مدبری نہیں تھا بلکہ بڑا خدا پرست اور شعائر اسلام کا احترام و ادب کرنے والا بھی تھا۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ خود عالم تھا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس نے خفی فخر پر ایک کتاب مرتب کی تھی جس کی شرح اس عہد کے مشہور عالم شیخ زینی نے لکھی تھی جنہوں نے ترک بابر کی کاترکی سے فارسی میں ترجمہ بھی کیا تھا علاوہ برہم بابر چونکہ علماء و فضلا کا بڑا قند و ان تھا اس لئے ان حضرات کا اس کی مجلسوں میں جھگڑنا لگا رہتا تھا اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ اگر بابر کو عیلام ہو تاکہ گاوگشی ہندوستان میں اسلامی شعائر کی حیثیت اختیار کر گئی ہے تو نامکن تھا کہ وہ بابر کو اس کے ہند کر دینے کی ہدایت کرتا۔ اب ایک طرف بابر کی وصیت اور دوسری جانب حضرت مجدد کا ارشاد ان دونوں کو ساتھ کر کر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ گاوگشی بذات خود اسلام میں

مقصود نہیں ہے اور ہندوستان ایسے ملک میں اس کا اجراء اس پر موقوف ہے کہ اس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان؟ بابر کی حکومت نئی نئی قائم ہوئی تھی اور وہ بھی وادی ہندوستان میں طے کرنے کے بعد اس کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے ہندوؤں کا اعتماد حاصل کرنا تھا اس بنا پر اس نے گاؤ کشی کو بند کرنے کی وصیت کی لیکن اس کے برخلاف اکبری حکومت پر ہندوؤں کا غالب آ جانے کے باعث بادشاہ کا گاؤ کشی کو ممنوع قرار دے دینا مسلمانوں کی ملی عظمت کو زک پہنچانا تھا اس لئے حضرت مجدد نے اس کو شعاری علی قرار دے دیا۔

اس سلسلہ میں ہمارے بعض علماء کبھی کبھی دبی زبان سے کہتے ہیں کہ جس علاقہ میں حالات سازگار نہ ہوں وہاں کے مسلمانوں کو قربانی گاؤ نہیں کرنی چاہئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ سرتاسر غلط اور مسلمانوں کے لئے شدید مضر ہے کیونکہ اس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے دل میں یہ خیال جا گزرتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کی دلجوئی منظور نہیں ہے چنانچہ جس علاقہ میں وہ طاقتور ہیں وہاں کھلم کھلا قربانی گاؤ کرتے ہی ہیں کسی علاقہ میں اگر انھوں نے نہیں کی تو محض ڈر کے مارے نہیں کی کہ ہندوؤں کے پاس خاطر سے اور دوسری جانب اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کمزور علاقہ کے مسلمان اپنی بے بسی اور بے کسی کا احساس کر کے احساس کتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان کے قومی نشوونما کے لئے زہرِ مرہل سے کم نہیں اس بنا پر ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو کسی خاص صوبہ، ضلع یا شہر کی بنیاد پر نہیں بلکہ بھارت کے سب مسلمانوں کے اجتماعی مسئلہ کی حیثیت سے طے کیا جائے اور سب کے لئے ایک ہی حکم کا اعلان کیا جائے۔

سطور بالا میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مقصد صرف مسئلہ کی تیق اور اس کے ہر پہلو کو روشن کرنا ہے اور اس ہمارا منصب نہ افتا کا ہے اور نہ یہ مسئلہ دو یا تین علماء کی رائے سے طے ہو سکتا ہے ضرورت ہے کہ جمعیۃ علماء اس کی طرف اقدام کرے اور غور و فکر کے بعد جو کچھ حق قرار

نظر آئے اس کو بلا خوف و مقلات مسلمانوں کے سامنے ایک شرعی حکم کی حیثیت سے پیش کر دے۔ اب وقت اتنا نازک آگیا ہے کہ مزید تردد و تذبذب کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس بے یقینی اور گمراہی کے باعث سب سے زیادہ خسارہ ان غریب مسلمانوں کو اٹھانا پڑ رہا ہے جو زیادہ قیمت ادا کر کے بکرے وغیرہ کی قربانی نہیں کر سکتے اور چونکہ قربانی ان کے نزدیک اسلام کا ایک اہم رکن ہے اس لئے غریب مجبوراً چھپے چوری گائے کرتے ہیں اور اگر وہ اس کی قربانی مجبوراً نہیں کر سکتے تو ان کا ضمیر انھیں ملامت کرتا ہے کہ ان پر قربانی واجب تھی مگر نہیں کی۔

علمائے کرام کا فرض ہے کہ شرعی احکام و مسائل پر غور کرتے وقت جماعتی نفسیات کے عوامل و محرکات کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھا کریں کہ دراصل قوموں کا بننا اور بگڑنا انھیں عوامل کی رعایت و عدم رعایت پر بڑی حد تک مبنی ہوتا ہے اور اسلام خود ان کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے چنانچہ طواف میں کاندھوں کو ہلا کر چلنے کا حکم اسی طرح کی ایک ضرورت کے پیش نظر دیا گیا تھا۔ حالانکہ ظاہر ہے اگر اس کے چلنا اور وہ بھی خدا کے گھر کی دیوار کے سایہ میں قرآن کے حکم **وَلَا تَمْشِي فِي الْأَرْضِ مَرَحًا** ترجمہ: اور زمین میں اگر نہ چلنے کی صریح خلافِ وحی ہے

جلد اول

خلافت عباسیہ

تاریخ ملت کا پانچواں حصہ جس میں نو عباسی خلفاء، سفاح، منصور، ہدی، ہادی، ہارون، امین، مامون، معتصم اور واثق باللہ کے سوانح حیات ایک خاص اسلوب سے جمع کئے گئے ہیں خلافت عباسیہ کا یہی بڑا حقیقت میں دور عروج تھا اور اس دور میں عباسی خاندان کی قوت و اقتدار کا عرب تمام ہمسایہ ممالک پر چھایا ہوا تھا کتاب کے اس حصہ میں آپ کو نہ صرف ان عظیم الشان خلافتوں کے جامع و مستند حالات و واقعات ملیں گے بلکہ ہر خلیفہ کے عہد حکومت اور اس کے علمی، مذہبی، تمدنی اور اصلاحی کاموں پر دلچسپی بھرے گی۔ اس حصے میں مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کے مرکز بغداد کی عظمت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے صفات بہت پر قیمت غیر جلد تین سو پچاس بارہ آنے والے جلد دوم

تدوین حدیث

محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۹)

آپس میں لڑائیاں اور جوتے صرف اس لئے چل رہے تھے کہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ بھی تم نے کیوں نہیں اٹھایا یا امام ولا الصالیین پر جب پہنچا تو اس پر نہیں کہ تم نے آمین کیوں نہ کہی کیونکہ آمین تو سب ہی کہتے ہیں، جھگڑا اس پر تھا کہ صرف خدا ہی کو تم نے آمین کا یہ لفظ کیوں سنایا، خدا کے بندے جو تمہارے دائیں بائیں کھڑے تھے ان کو بھی اس نقطہ کے سننے کا موقعہ کیوں نہیں دیا مسلمانوں ہی کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو مسلمانوں ہی کی مسجدوں سے نکال رہا تھا اس لئے نکال رہا تھا کہ امام نماز میں قرآن کے جس حصہ کو پڑھتا ہے تم نے اسے سنا کیوں؟ بجائے سننے کے تم بھی اسی کے دہرانے میں کیوں مشغول ہو گئے جسے امام اپنی طرف سے اور تمہاری طرف سے پڑھ رہا تھا اور بات اسی حد تک ختم ہو جاتی تو سمجھا لیتا تھا کہ خیر ایک حد پر پہنچ کر وہ ختم ہو گئی لیکن قصہ تو یہاں تک دراز ہوا کہ مسلمانوں کی دنیا جن لوگوں نے جبراً ان سے چھینی تھی ان ہی کے سامنے بخوشی درضا یہ اپنے دین کو لے کر بھی پہنچے جن کی عدالتوں میں پیٹ کے جھگڑوں کے لے جانے پر تو سمجھا جاتا تھا کہ مسلمان مجبور ہیں ان ہی عدالتوں کے حکام کے پاس وہ اللہ کی کتاب اور جن کتابوں میں ان کے رسول کی حدیثیں تھیں ان سب کتابوں کو لے کر حاضر ہوئے۔ یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے کہ آپ ہی بتائیے کہ ہم دونوں فریقوں میں ان کتابوں کے دوسرے واقعی

مسلمان کون ہے، اور مسلمانوں کی مسجدوں کے استعمال کا قانونی حق کسے حاصل ہے؟ جس کی آگ اور غصہ کے شعلوں میں ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کا سارا سرمایہ جل کر بھسم ہو چکا تھا ان فیصلوں پر خوشی کے شادیاں بجاتے جاتے تھے جو اللہ اور رسول کے جھٹلانے والوں کی طرف سے کوئی فرق حاصل کرنا تھا اور ان ہی فیصلوں کی آڑ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتے والی امت کی ایک جماعت ان عبادت گاہوں سے دوری جاری تھی جو نہ عیسائیوں کے گرجے تھے اور نہ یہودیوں کی سنی گاہ، بلکہ یہ کیسا دلخراش منظر تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں سے مسلمانوں ہی کو نکالا جا رہا تھا اس لئے نکالا جا رہا تھا کہ جو مسلمان نہیں تھے ان ہی حکام سے ان کے نکالنے کا فیصلہ خود مسلمانوں نے مسلمانوں کے لئے حاصل کیا تھا۔

سوال یہی ہے کہ زیادہ دن نہیں آج سے تیس چالیس سال پہلے غیروں کی تالیوں وہ اپنوں کی گالیوں کے درمیان رسوائیوں اور برسر باز نفیحتوں کے مذکورہ بالا قصے جن کی آگ نصف صدی کے قریب قریب ہندوستان کے مختلف گوشوں کے تقریباً ہر اس گھر میں بھڑکی ہوئی تھی جس میں قرآن کی پڑھنے والی اور رسول کو مانتے والی امت آباد تھی یہی میں پوچھتا ہوں کہ ارادی مخالفتوں کی اس آگ کے سلگانے میں کام لینے والوں نے کس چیز سے کام لیا تھا؟ ان اختلافات کے سوا آپ ہی بتائیے اور بھی کوئی چیز تھی جن کا ان حدیثوں کے علم و عدم کی وجہ سے پیدا ہو جانا ایک قدرتی بات تھی جو پیغمبر کی ہی طرف سے عمومی رنگ میں اس لئے نہیں پھیلائی گئی تھیں کہ ان کے مطالبہ اور گرفت میں نرمی اسی تدبیر سے پیدا ہو سکتی تھی اور اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ”فلا تحد ثوا عن رسول اللہ شیئاً“ رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کیا کرو، اس کا مطلب بھی مذکورہ بالا تفصیلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ ارادی مخالفتوں کو پیدا کرنے کے لئے حدیثوں کے بیان کرنے سے وہ منع فرما رہے ہیں ورنہ جیسا کہ گذر چکا روایت حدیث سے مطلقاً امت کی توجہ اگر ہم اس کو قرار دیں گے تو خود ان کے طرز عمل صحابہ کے طرز عمل بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے طرز عمل کے خلاف العیاذ باللہ یہ تجویز ہوگی بلکہ آگے انہوں نے جو یہ فرمایا کہ جب تم سے کوئی بات پوچھے کہ تو کہہ دیا کرو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس تجویز کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو ارادی مخالفتوں کی آگ بھڑکانے کے لئے حدیثوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے اور پھیلاتے ہیں انہوں نے اسی لئے قاعدہ ہی بنا دیا کہ جب کسی اختلافی اعراض کے لئے حدیثوں کے متعلق کوئی پوچھ گچھ کیج و کاؤ شروع کرے تو اعلان کر دینا چاہئے کہ مسلمانوں کو اتفاقی نقطہ پر سمٹے رہنے کے لئے وہی باتیں کافی ہیں جنہیں ”البیانات“ کی شکل میں قرآن نے محفوظ کر دیا ہے، حاصل یہی ہوا کہ قرآن کے ”البیانات“ پر متحد ہو جانے کے بعد ضرورت نہیں ہے کہ غیر مبانی مسائل میں بھی ایک ہی نقطہ پر مسلمانوں کو جمع کرنے کی فضول کوشش کی جائے کہ اس کوشش سے بجائے ختم ہونے کے اختلاف بڑھے گا۔ بڑھنا ہی چلا جائے گا جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں تم سے زیادہ اختلاف میں سخت ہو جائیں گی بہر حال دین کے غیر مبانی حصے کے متعلق صحیح مسلک یہی ہے اور اسی کو ہونا چاہئے کہ باہم مسلمان اس سلسلہ میں ایک دوسرے کے اختلاف کے برداشت کرنے کی صلاحیت اور گنجائش اپنے اندر پیدا کریں قرآن کے قرآنی اختلاف کو ذریعہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اسی گنجائش کے پیدا کرنے کی مشق صحابہ سے کرائی اور ابو بکر صدیقؓ نے اپنی مذکورہ بالا تجویز کو پیش کرتے ہوئے میرا خیال یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی مبارک منشا کی تعمیل پر ان مسلمانوں کو آمادہ کرنا چاہا تھا جو ان کے زمانہ میں موجود تھے اپنے عہد کے لوگوں کو بھی انہوں نے اسی حکم کی تعمیل کی طرف توجہ دلائی اور خبر احاد والی روایتوں کی بنیاد پر اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں فساد اور فتنے سے بچنے کی ایک دوامی تدبیر یہ بتادی کہ جب وہ پیدا ہو جائیں گے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو اس زہر کے ازالہ کی یہی صورت ہے کہ قرآن کے ”البیانات“ پر سمٹ جائے اور جمع ہونے کی دعوت مسلمانوں کو دی جائے تو دین کے غیر مبانی مسائل کے

تاگزیر قدرتی اختلافات ارادی و اختیاری جنگ و جدال کی شکل اختیار نہ کرنے پائیں، اس خطرے کے انسداد کی واحد تدبیر یہی ہے ورنہ ”البنیات“ سے ہٹ کر ”غیر بنیاتی“ مسائل میں بھی ایک ہی مسلک کا پابند مسلمانوں کو بنانے کا ارادہ جب کبھی کیا جائے گا اور حقیقت یہ اجتماع و اتفاق کی دعوت نہ ہوگی بلکہ مسلمانوں کو مختلف ٹکڑیوں میں بانٹنے کی طرف خطرناک اقدام ہوگا، پس سیدھا۔ صاف، روشن راستہ ”لیلہا و نھاسا سواۃ“ کا یہی ہے کہ البنیات میں جو ایک ہیں وہ بہر حال ایک ہیں خواہ ”غیر بنیاتی مسائل“ میں وہ جس حد تک مختلف ہوں اس اختلاف سے ان کا اتحاد قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ اختلاف کے ساتھ اتحاد، اور اتحاد کے ساتھ اختلاف کی یہی حکیمانہ درمیانی راہ تھی، جس کی عملی مشق کا موقع مسلمانوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ملا، اور ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں قریب تھا کہ راہ سے مسلمان ہٹ جائیں لیکن پُر ہونے سے پہلے فتنے کے اس سرچشمہ پر ہمیشہ کے لئے آپ نے ایک ایسی ڈاٹ لگا دی کہ وقت پر اگر اس کی خیر نہ لی جاتی تو بقول سعدی ہاتھیوں سے بھی اس سیلاب کا روکنا ناممکن تھا صدیق اکبرؓ نے اپنے زمانے میں بھی لوگوں کو اسی مسلک پر قائم رکھنے کی کوشش کی، اور آئندہ رہتی دنیا تک کے لئے آپ نے اختلاف کے ساتھ اتحاد کو بانی رکھنے کا یہ کارگر بے خطائے مسلمانوں کے .. حوالہ فرمایا کہ اتحاد کا معیار ہمیشہ دین کے بنیاتی حصہ کو رکھا جائے جس کی تعبیر حضرت ولانے ”کتاب اللہ“ کے لفظ سے فرمائی،

اور عیساکہ شروع میں میں نے عرض کیا تھا کہ اپنی تیرہ ساڑھے تیرہ سو سال کی طویل تاریخ میں مسلمانوں کی وسیع و عریض امت جو کہ درہا کرور کی تعداد میں دنیا کے اکثر حصوں میں پھیلی ہوئی ہے، دین کے غیر بنیاتی حصہ میں اختلافات رکھتے ہوئے بھی ان کی کثرت عظیم اہل سنت والجماعت کی ایک ہی جماعت کی شکل میں جو پائی جا رہی ہے تو یہ اسی حکیمانہ تدبیر کا نتیجہ ہے۔ اور جب کبھی غیر دینی یا اندرونی یا بیرونی موثرات کے دباؤ سے مسلمانوں کے نہ گستان سعدی کے مشہور مکتبی شریعہ سرچشمہ بایدرگفن بہیل، چہرہ شدہ شاہد گفن بہیل، کی طرف سے

اس راہ سے منحرف کیا ہے نو دہری صدیقی دعوت حسن کا حاصل یہی ہے کہ
 ”ہمارے اور تمہارے درمیان اشتراک کا نقطہ اللہ کی کتاب ہے اور ہم سب اس کی
 حلال کی ہوئی باتوں کے حلال ہونے پر اور حرام کی ہوئی باتوں کے حرام ہونے پر جمع ہو جائیں
 ہمیشہ کام آتی ہے، اور مسلمانوں کی دینی وحدت کی محافظ بن گئی پچھلے دنوں ہندوستان کے
 مسلمانوں میں بھی غیر بنیاتی مسائل کے اختلافات شروع ہوئے اور بعض لوگوں میں اس
 کا جوش پیدا ہوا کہ اختلافی حدیثوں سے پیدا ہونے والے نتائج میں جن پہلوؤں کو اپنا معلومات
 کی بنیاد وہ زیادہ بہتر اور ادنیٰ سمجھتے تھے ان ہی پہلوؤں کا پابند ہندوستان کے ہر مسلمان کو
 بنادیں لیکن پوری صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ ان کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، اور جہاں تک
 میں سمجھتا ہوں کہ ”البنات“ پر متحد ہو جانے کے بعد غیر بنیاتی مسائل کے اختلافات کے برداشت
 کرنے کی گنجائش اب ان میں بھی پیدا ہو چکی ہے اب وہ بھی کسی ایسے امام کے پیچھے ناز و نبھنے
 میں کوئی مضائقہ نہیں محسوس کرتے جو آئین زور سے نہیں کہتا یا رکوع میں جاتے اور سرائیٹھا
 ہونے ہاتھ نہیں اٹھاتا حقیقت ان پر واضح ہو چکی ہے بطور نام نہاد کے اپنے مسلک کو ایک
 خاص نام سے موسوم کر کے جی رہے ہیں شاید یہ نام بھی زیادہ دن تک باقی نہ رہے گا۔

لے پچھلے چند دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ نام پر بھی اتفاق ان میں باقی نہیں رہا ہے، بعض اپنے آپ کو بجا
 اہل حدیث، یا عامل بالحدیث یا محمدی وغیرہ الفاظ کے کہی ”شافعی“ کہی ”حنبلی“ وغیرہ بھی کہنے لگے ہیں
 ”حنبلی“ ہو جانے کے بعد ہی وہی بات سامنے آجائے گی جو پہلے سے چلی آرہی تھی، میں عرض کر چکا ہوں کہ
 لفظ ”حنبلی“ کے ساتھ حنفی یا شافعی وغیرہ الفاظ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے
 کہ سارے حنفی و شافعی وغیرہ مسلمانوں میں جس کی شخصیت قدسیہ ”غوثیت کبریٰ“ کے مقام سے سرخرو
 سمجھی جاتی ہے اور مانا جاتا ہے کہ جن کا قدم مبارک ”علی سقۃ کل ولی“ ہے یعنی سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ ”حنبلی“ ہیں۔ اس موقع پر ایک لطیفہ کا بار بار خیال آ رہا ہے، میں نے براہ راست بات
 مذکورہ العلماء حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت سنی ہے کہ حضرت کے پیر و مرشد مولانا
 شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں فرد اہل حدیث کے ایک ممتاز و نمایاں عالم
 (بقیہ حاشیہ پر صفحہ آئندہ)

اس میں شک نہیں کہ ایک مختصر سی بات کے لئے غیر معمولی طور پر مجھے طول کلامی سے کام لینا پڑا لیکن سچ پوچھتے تو دیکھنے کی حد تک ابو بکر صدیقؓ کے مذکورہ بالا الفاظ مختصر نظر آتے ہیں لیکن سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ ”تدوین حدیث“ کی تاریخ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خدمت ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہے عہد صدیقی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق صرف دو مسئلے اہمیت رکھتے تھے، یعنی ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔ یہ تو پہلی خدمت تھی جس کی نگرانی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل تھی اسی کے ساتھ دوسری اہم خدمت جیسا کہ تفصیل بیان کر چکا ہوں یہ تھی کہ ان حدیثوں کی اشاعت میں چاہا جاتا تھا کہ عمومیت کا البیاب رنگ نہ پیدا ہونے پائے جس کے بعد نرمی اور مسامحت کی وہ کیفیت ان میں باقی نہیں رہ سکتی تھی جسے آنحضرت

دقیقہ حاشیہ صفحہ گذشتہ، جن کا حضرت نے نام بھی لیا تھا، غالباً مولانا ابراہیم اردی مرحوم، وہیں حاضر ہوئے مولانا ابراہیم سے جب ملاقات ہوئی تو حضرت گنج مراد آبادی نے پوچھا کہ مولوی صاحب آپ عامل بالحدیث ہیں یا بے حی ہاں الحمد للہ، مولانا نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت کون سی دعا پڑھتے تھے مولوی صاحب نے کہا کہ اس وقت یاد نہیں ہے پوچھا کہ گھر سے نکلنے وقت کیا پڑھتے تھے بولے وہ بھی یاد نہیں ہے الغرض یوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات اور مقامات میں جو دعائیں پڑھا کرتے تھے جیسے کثرت مولویوں کو عموماً یاد نہیں ہوتی مولوی ابراہیم بیچارے کو بھی یاد نہ تھیں تب مولانا نے مولوی ابراہیم کو خطاب کر کے کہنا شروع کیا کہوں مولانا! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اختلافی حدیثوں کو یاد کیا ہے لیکن جن حدیثوں کے متعلق کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے ان کے یاد کرنے کی ضرورت کومل بالحدیث کے لئے آپ نے ضروری خیال نہ کیا۔ کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے کہتے ہیں کہ مولوی ابراہیم عجیب سے گئے مولانا محمد علی مرحوم یہ بھی بیان فرماتے تھے کہ مدیہ منورہ کی عارضی کے زمانہ میں مولوی ابراہیم نے ایک خواب دیکھا اور اسی خواب کے بعد جنفی مسلک پر واپس ہو گئے تھے شاید اس معنیوں کا ایک مکتوب بھی مولوی ابراہیم کا لکھا تھا حضرت مولانا محمد علی کے پاس موجود تھا۔ ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم ان حدیثوں کے مطالبہ گرفت میں بہر حال باقی رکھنا چاہتے تھے ہر شخص تک ان حدیثوں کو نہ پہنچانا، مکتوبہ مجوسے جو آپ کے زمانے میں لکھے جا چکے تھے ان کا ضائع کر دینا عمومی طور پر آئندہ ان حدیثوں کے لکھنے سے لوگوں کو منع کر دینا۔ ابوبکر صدیقؓ کا اپنے ہاتھ سے جمع کی ہوئی حدیثوں کو تندر آتش کر دینا یہ اور اس کے سوا اس سلسلہ میں جن دوسرے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، بنا چکا ہوں کہ غرض و غایت سب کی یہی تھی اور عہدِ صدیقی سے ان ہی حدیثوں کے متعلق مسلمانوں کے ذمہ یہ دوسری خدمت سپرد ہوئی کہ مسلمانوں کو لڑائے بھڑانے، ان کی ایک ٹولی کو دوسری ٹولی سے جدا کرنے کا ذریعہ ان حدیثوں کو نہ بنایا جائے، بالفاظِ دیگر گویا سمجھنا چاہئے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار بنایا کہ خبرِ عادی حدیثوں میں انفرادی معلومات کے لحاظ سے قدرتا جو اختلافات رہ گئے ہیں ان کو ارادی و اختیاری مخالفتوں کی آگ بھڑکائے گا ایسا نہیں اگر کوئی بنانا چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے اس غلط استعمال سے اس کو روکا جائے۔ اس میں شک نہیں عملی طور پر تدوین حدیث کی تاریخ میں حضرت ابوبکرؓ کی اس خدمت کا اور اس کی قدر و قیمت کا لوگوں نے بہت کم تذکرہ کیا ہے بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ابوبکر صدیقؓ کی طرف مذکورہ بالا روایت جو منسوب کی گئی ہے مسند کی حد تک تو تاریخ حدیث کے پڑھنے والوں کے سامنے دوسری روایتوں کے ساتھ روایت بھی گزرتی ہی ہوگی لیکن اس کا واقعی کیا مطلب ہے، مٹھ کر سوچنے کی ضرورت شاید ہی کسی محسوس کی ہو لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عملاً ابوبکر صدیقؓ کی عاید کی ہوئی اس ذمہ داری کو صحابہ نے قبول کیا اور بعد کو بھی تقریباً ہر زمانہ میں مسلمانوں کو اس باب میں ہم صحابہ کرام کی اس روش کا پابند پاتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کے جو مختلف معلومات ان حدیثوں کے متعلق تھے، اور ان میں ہر ایک اسی پر عامل تھا جو وہ جانتا تھا، لیکن علی اختلاف کے باوجود آج تک کوئی ایسا واقعہ منقول نہیں ہے کہ ان اختلافات کی وجہ سے کسی صحابی نے دوسرے صحابی کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کیا ہو یا ان اختلافات کی بنیاد پر اپنے دین کو کسی صحابی نے دوسرے کے

دین سے الگ قرار دیا ہو، بلکہ جہاں تک میں جانتا ہوں شاید ہی کسی صحابی نے اپنی دینی زندگی کو دوسرے صحابی کی دینی زندگی سے افضل و برتر خیال کیا ہو کم از کم کوئی روایت مجھ تک تو ایسی نہیں پہنچی ہے صحابہ کا یہی طرز عمل تھا، جسے ان کے فیض یافتوں یعنی تابعین نے دیکھا تھا۔ کچھ دیر پہلے حضرت قاسم بن محمد کا یہ فتویٰ جو میں نے نقل کیا تھا کہ پوچھنے والے نے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق جب حضرت سے سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

”اگر پڑھو گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں اس کا نمونہ موجود ہے،

اور نہ پڑھو گے تو اس کا نمونہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں تم کو ملے گا۔

اپنی حکمرانی کے زمانہ میں سلف صالح کے جن بزرگوں اور ان بزرگوں کے علم و تحقیق پر عبور کر کے دین کے غیر بنیاتی شعبہ میں جن پہلوؤں کو ہندوستان کے مسلمانوں نے افضل و اولیٰ قرار دے کر غیروں کے سامنے اس کفرستان میں اپنی مذہبی نظام کی وحدت و یکپارگی کے لئے سینے سے لگا کر رکھا تھا اور قائم رکھا تھا مگر زوال حکومت کے ساتھ ہی یہ معلوم کن اسباب و موثرات کے تحت اچانک بعضوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کا علم اور ان کی تحقیق سلف کے ان بزرگوں کے علم و تحقیق سے زیادہ بہتر اور صحیح ہے جن پر مسلمانان ہند نسبتاً بعد نسل بھروسہ کرتے چلے آتے تھے اس خیال کے زیر اثر عام مسلمانوں سے بھٹ کر اگر اسے علم اور اپنی تحقیق کے وہ صرف پیروں جلتے تو شاید شکایت کرنے والوں کو ان سے کوئی شکایت نہ ہوتی لیکن وہ تو آگے بڑھے اور عہد صحابہ و تابعین کے تربیت یافتہ داعیوں، اسی عہد کے تقویٰ و طہارت سے منور قلوب کے فیصلوں سے بدکا بدکا اور کھڑکا کھڑکا کر وہ اپنے داعیوں کے پیدا کئے ہوئے نتائج کی تقلید کی دعوت احیاء سنت یا اتباع سنت کے نام سے اس ملک میں مسلمانوں کو دینے لگے قرآن جس فعل کو حرم ٹھہرا چکا تھا اور مختلف الفاظ میں اس کے حرام ہونے کا قطعی اعلان کر رہا تھا، تفریق بین المسلمین کا یہ فعل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے نزدیک نہ حرم ہے اور نہ کوئی ایسا کام ہے جو نفس قطعی کے رد سے حرام قرار پا چکا تھا۔

درمیں جرم کا ارتکاب صرف اسی لئے کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو ایسی باتوں کے پابند بنانے میں شاید وہ کامیاب ہو جائیں جن کی پابندی سے انحراف خود اچ کے نزدیک بھی جرم تھا اور سنگناہ۔ ان جائز پہلوؤں میں جن کا ہر پہلو شرعی حدود سے باہر نہ تھا زیادہ سے زیادہ وہ پہلو بہتر اور افضل تھا جس کے لئے وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

اللہ اللہ خیر عباد کی حدیثوں کے اختلاف کا قاعدہ جو نرم تھا موم سے بھی زیادہ نرم تھا ان میں سختی اور شدت بھری گئی ایسی سختی اور ایسی شدت کہ پھر اور لوہا بھی اس کے سامنے شاید پانی نظر آتا تھا، اختلافی حدیثوں کا یہی سرمایہ ان کا گویا اسلحہ خانہ تھا۔ پیغمبر کی ایک ایک حدیث حدیث نہیں بلکہ حرب کا آلہ اور ضرب کے اوزار بن چکی تھی وہ اس پر ان ہی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو ”السکین“ (دھیری) بنا کر مار کر مارتا تھا اور یہ اس پر چیل ڈوری کی شکل میں تھا۔ یہی کی گندھ پھینکتا تھا اور اپنی اسی جنگ میں کہیں اس صفت سے ”ظفر مبین“ کا شادیا نہ بچا جاتا تھا، اور کہیں اس صفت سے ”فتح مبین“ کا ر سنگھا پھونکا جاتا تھا، تحقیق کے بعد ہمیشہ یہی ثابت ہوتا تھا کہ ہر فرقہ جنگ کے پہلے گھنٹے پر جس مقام پر تھا وہاں سے نایک قدم آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا، بلکہ نہ آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا کہ ایک ہتھیاروں کے نہ ختم ہونے والے لا محدود ذخیرے پر قابض تھا۔

بہر حال کچھ بھی ہو اس سارے طویل و طویل قصے کے ذکر سے میری غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے ساتھ ان گنت افغان بازی گروں کو دیکھتے ہوئے اللہ کا بندہ جھگڑنے والوں کے اس گردہ کو اگر یہ مشورہ دے کہ جب تمہارا یہی حال ہے تو ایسی حد میں حدیثوں کا بیان کرنا ہی ترک کر دو، تو کیا مشورے کے ان الفاظ کا یہ مطلب لیتا صحیح کہ مشورہ دینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو دنیا سے ناپید کرنا چاہتا ہے۔

یہ کچھ حدیثوں میں جو رسالے اس سلسلہ میں شائع ہوئی ہیں میں ہی ان کے ناموں کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب کچھ ہے بلکہ دو حدیثیں رسالوں میں ایک رسالے کا نام ”السکین“ (دھیری تھا) جو مستطاب کے لئے لکھا گیا تھا اس سلسلہ میں دو رسالے اصل المبین تھا، اسی طرح المبین اور اس سلسلے کی مشہور حدیثوں میں ایک بڑی طویل تاریخ افغانستان ہے۔

یہ غیر نے اپنی جن حدیثوں سے استفادہ کیا ہے اس امت پر کھلی رکھی ہیں ان کے فوائد سے امت کو محروم کرنا چاہتا ہے۔

کن لوگوں سے کہہ رہا ہے، کیوں کہہ رہا ہے، کن حالات میں کہہ رہا ہے، گفتگو کی بنیاد تمام ماحولی خصوصیتوں سے قطع نظر کر کے مذکورہ بالا دعویٰ گفتگو کے الفاظ، صرف الفاظ سے نہایت تراشی کی میرے خیال میں یہ بدترین مثال ہوگی۔

پس حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کو اس واقعہ سے مطلع کرنے کے بعد یعنی تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں بیان کرتے ہو، اور باہم ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہو، تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے، وہ ان اختلافات میں اور زیادہ سخت ہو جائیں گے، ان الفاظ کے ساتھ جو مشورہ دیا تھا کہ

فلا تتحدثوا من رسول الله شيئا ثم لوگ رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے

کوئی بات نہ بیان کیلے۔

تو صرف ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلیتہً حدیثوں کے بیان کرنے سے صحابہ کو روک دینا چاہا خود ہی سوچئے کہ بہتان و افتراء کے سوا اور بھی کچھ بے صفات اور واضح مطلب اس کا وہی ہے اور وہی ہو سکتا ہے کہ مخالفانہ اغراض کو ہوا دینے کے لئے حدیثوں کے بیان کرنے سے لوگوں کو روکنا چاہتے تھے۔ غرض حضرت کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حدیثوں کا صحیح استعمال یہ نہیں ہے کہ ان کے متعلق جس شخص کے جو معلومات و تاثرات ہیں خواہ مخواہ ان کی پابندی کا مطالبہ اپنے معلومات کے زور پر دوسروں سے کرے بلکہ صحیح مسلک

لے فلا تتحدثوا کی ابتداء میں جو حرف کا حرف ہے عربی زبان کی معمولی واقفیت رکھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ یہ ترتیب بہت اہمیت کے ساتھ ہے یعنی اس سے پہلے جو بات بیان کی جاتی ہے اس کے نتیجہ کا اظہار جب کرنا چاہئے ہے تو اس کے شروع میں حرف کے ساتھ اضافہ کرتے ہیں پس صاف مطلب اس کا یہی ہے کہ ان کا یہ حکم مسلمانوں کے ساتھ مربوط ہے جس سے لوگوں کو آپ نے مطلع کیا تھا اس پر یہ کہ حدیثوں کو ادوی خالقوں کا لادہ ہونا چاہئے نہ ہائے گئے ہیں اگر آج ہی اس کی ردک تمام نہ کی گئی تو آئندہ اس کے نتائج زیادہ سخت اور زیادہ ہولناک شکلوں میں سامنے آئیں گے۔

ہن اختلافات کے متعلق جو اس قسم کی حدیثوں میں پائے جاتے ہیں یا فقہ کے سلسلے میں اجتہادی
نتیجے کے اندر جو اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں مسلمانوں کو اس قسم اختلافات کے متعلق چاہئے
کہ ایک دوسرے کے اختلافات کی برداشت کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں دین کے اس
غیر مبنیاتی حصہ کے اختلافات کے بارے میں مسلمانوں کو ایک ہی نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش غلط
کوشش ہے اس کوشش کے لئے ہمارے پاس "البنیات" کے احکام و مسائل ہیں جن کے متعلق
کسی مسلمان میں خدا نخواستہ کسی قسم کا انحراف اگر محسوس ہو تو بلاشبہ اس وقت فرض ہو جاتا ہے
کہ اس کے سامنے قرآن کی آیتیں تلاوت کی جائیں، نصوص صریحہ کو پیش کر کے اس انحراف
اور اختلاف سے اس کو روکا جائے کہ ان میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی گئی ہے، دین
کا یہی وہ حصہ ہے قرآن میں جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خبر دی گئی ہے کہ "بنیات" کے
ہوتے ہوئے گزشتہ تو میں جدا جدا ہو کر آپس میں مختلف ہو گئی ہیں جس کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے
کہ دین کے اس حصہ کو اتنا واضح اور روشن شکل میں رکھا گیا ہے کہ عام و خاص اعلیٰ و ادنیٰ، عالم
و جاہل سب ہی اس پر متفق ہو کر ایک ہو سکتے ہیں "البنیات" کے ہوتے ہوئے یہ کوئی نہیں کہہ
سکتا کہ دین میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ جس پر ہم سب اپنے اختلافات کو ختم کر کے سمٹ جاتے
ہیں تو سمجھتا ہوں کہ یہی مطلب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ کا یہی ہے جو آخر میں
فرمایا کہ یعنی

فمن سالکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب
اللہ فاحلوا حلالہ و حرما حرامہ
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۷)

پھر تم سے اگر کوئی پوچھے تو کہہ دیا کرو کہ ہمارے
مقابلے درمیان (اشتراک کا نقطہ) اللہ کی کتاب
ہے پس چاہئے کہ اس کتاب سے ہمیں چیز خدا کو
حلال کیا ہے کو حلال قرار دو اور جن باتوں کو حرام
تھرایا ان کو حرام ٹھہراؤ۔

ماجھن کے بعد بھی مسلمانوں کو ہم اسی مسلک کا پابند رہتے ہیں، مطوعات کا اختلاف صرف ظہر تک

محدود تھا، لیکن ”عل“ میں اختلاف کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ صرف دوسری صدی ہجری تک سطوح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم اصلاحی اقدامات کے بطلان کے ماننے والوں میں سے بعضوں کے اندر پھر ان اختلافات کی کچھ لہریں اٹھی تھیں لیکن زہر کے ساتھ ساتھ سیدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں ایک قریاتی وجود اسلام کو عطا ہوا، آپ نے اپنی بے دھن صداقت، بے تھناہ علم، مستحکم تقویٰ کے زور سے ان اٹھنے والی لہروں کو اتنی قوت سے دبا دیا کہ پھر صحیح معنوں میں ان اختلافات کو پھلنے پھولنے کا موقع مسلمانوں کی عمومیت میں کبھی نہ ملا۔ بعض پیشہ ورمولوی ان میں ارادی مخالفوں اور مخالفینوں کا رنگ اپنے خاص اغراض کے تحت بھرنابھی چاہتے تھے تو ان کے تعلیمی حلقوں سے آگے اس کا اثر عام مسلمانوں تک بھلا اللہ کبھی نہیں پہنچا ممکن ہے کہ میرے اس خیال سے بعضوں کو اختلاف ہو لیکن میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ طبقہ صوفیہ سے لوگوں کو اور جتنی بھی شکایتیں ہوں اس وقت ان سے بحث نہیں ہے۔ لیکن انصاف کی یہ بات ہے کہ غیر بنیائی مسائل کے اختلافات کے جس رنگ کو مولویوں کا ایک گروہ سخت کرنا چاہتا تھا صوفیہ کا عام گروہ اس کے مقابلہ میں ہمیشہ اس رنگ کو دھبھا اور پھیکا کرنے کی کوشش کرتا رہا کچھ نہیں تو صوفیہ کے گروہ کا مسلمانوں پر بھی ایک احسان کیا کم ہے۔ بہر حال یہ ایک بڑی مفصل اور مبسوط بحث ہے۔ اہل علم کے لئے تو شاید یہ چند اشارے بھی کافی ہو سکتے ہیں لیکن جن کے لئے اشارے نا کافی ہیں، ان کو میری کتاب ”تذوین فقہ“ کا انتظار کرنا چاہئے کہ ان مسائل کی تفصیل کے لئے وہی کتاب موزوں ہو سکتی ہے امام شافعی کے اصلاحی اقدامات کیا تھے، ان سے بعضوں کو کیا غلط فہمیاں ہوئیں، حضرت امام احمد بن حنبل نے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کن تدبیروں سے کیا، ظاہر ہے کہ فقہ وائے فقہ کے حالات سے ان سوالوں کا حقیقی تعلق ہے ضمناً و فیما بین حدیث کے سلسلہ میں بھی ان کا ذکر کر دیا گیا۔

نہ مختلوا ہے کہ امام شافعی۔ جاز سے تعلیم پر کرب دارانہ طور پر خداداد پیچھے تو خود ان کا بیان ہے کہ جامع سورج میں کس کس حلقوں میں بیٹھنے کے بعد پھر پھر ہوا کہ ہر ٹپ جاننے والا اللہ کا نام لیتا ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل و حرکت کا چاند نہ کل رسول بلکہ ہر ایک حال صحابہ یعنی سب سے سناؤں نے کہا کہ میں ہی سناؤں صرف ڈیڑھ سو سال کے اندر (بقیہ حاشیہ پر صفحہ آئندہ)

بہر حال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حدیث کے متعلق جو اہم خدمت انجام پائی وہ یہی تھی اسی حال میں پیغمبر کے دین اور پیغمبر کی امت کو چھوڑ کر آپ اپنے محبوب نبی کے بازو میں جا کر سو گئے آپ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ آتا ہے **واللہ وصل علی بنیک وحبیبتک وعلی آلہ وصحبہ وخلقائک** (جمعین)

مہناذنی لہ حدیث [آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پائے، اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض احتیاطی طریقہ عمل کا ذکر عہد صدیقی کے واقعات کی ذیل میں کر چکا ہوں اور کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اشیاء میں فی اہل اللہ کی اشد بیت دین کے دوسرے شعبوں میں جیسے نمایاں ہے حدیث کا شعبہ بھی اس سے کیوں مستفید نہ ہوتا۔ عدل و انصاف، سیاست و حکومت اور انہی قبل دوسرے معاملات میں فاروق اعظم کے بے لاگ فیصلوں کا جیسے لوگ اب تک ذکر کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کی تاریخ میں بھی حضرت عمرؓ کے رعب و داب کا وہی اثر ہے ان کے بہت بعد یعنی تقریباً اس وقت جب دوسری صدی ہجری گزر رہی تھی، مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہ کے حالات میں لکھا ہے کہ حدیث کے طلبہ ان کے حلقہ میں جب آتے تو ان کی طرف خطاب کر کے کہتے کہ

دقیقہ حاشیہ منور گذشتہ، دین کے اصل سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے علماء اسلام کی اس بے کو دیکھ کہ فقہاء امام میں برائی پیدا ہوئی اور اعلان کیا کہ علماء جن کا حوالہ دیا جاتا ہے ان میں ہر ایک کے تشریحات اور اجتہادی فیصلوں کو میں ہر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر پیش کر کے جانچوں گا آپ نے بغداد میں بیٹھ کر حنفی مذہب پر تنقید کی اور مصر جہاں من کے استاد امام مالک کا مذہب زیادہ عروج پر تھا وہاں پہنچ کر مالکی مذہب پر تنقید فرمائی، امام شافعی کو اس کا اجر ملتا رہے گا کہ بیٹھنے کے بعد دین کے حقیقی سرچشمہ بن گئے اور سنت کی طرف مسلمانان ہی کے طرز عمل کی وجہ سے لوٹتے رہے ہیں مگر فروری اختلافات کو امام شافعی کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت جب حاصل ہو گئی تو امام احمد نے مفاہمت و مصالحت کی راہ کو بھی من کی طرف ایک ہی مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کے جواز و عدم جواز کا عنوان انصاف کتابوں میں جو کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر پہلو اس مسئلہ کا ان کے نزدیک شرعی حدود سے باہر نہیں سمجھا جاتا ۱۲

لواد سرکنادو ایاکم عمرلا وجعنا اگر پالتے ہیں اور ہمیں عمر تو مار کر دکھائی جائے

ضرر با صلا ج ۲ ج ۲

در اصل سفیان کا اشارہ اشذیت کے ان ہی واقعات کی طرف ہے جن کا روایت حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی طرف انتساب کیا گیا ہے، اور اس زمانہ میں بعض خاص اغراض کے تحت ان کی کافی تشہیر کی گئی ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد ابوسلمہؓ عادی میں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ جس آزادی کے ساتھ آج کل آپ حدیثیں بیان کیا کرتے ہیں کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی ایسا کر سکتے تھے جواب میں ابو ہریرہؓ نے جوابات کہی تھی یعنی

لو كنت احدث في زمان عمر اگر عمر کے زمانے میں اسی طرح میں حدیثیں

مثل ما احدثكم لضربى بیان کرتا جیسے تم سے بیان کرتا ہوں تو اپنے

بمقتله الذی ص ۱ کوڑے سے عمر مجھے مارنے،

اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صرف اندیشہ ظاہر کیا تھا سعید بن ابراہیم کے

حوالہ سے الذی ہی نے یہ دوسری روایت درج کی ہے کہ ان کے والد ابراہیم کہتے تھے کہ

ان عمر حبس ثلاثة ابن مسعود حضرت عمرؓ نے قین آدمیوں کو روک دیا تھا،

و ابالدماء و ابامسعود ابن مسعود کو اور مارا کو اور ابو مسعود و انصار

الانصارى فقال انك قد کو انصار سے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی

الفرع المحدث من رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بہت

زیادہ حدیثیں روایت کیا کرتے ہو،

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اندیشہ واقع کی صورت بھی جن لوگوں کے ساتھ اختیار کر چکا تھا

یہاں ہی قسم کی بعض دوسری روایتیں کو وضع کر کے حافظ ابن عبد البر نے اپنی کتاب جامع بیہکم

نے بعض لوگوں نے جس کا ترجمہ قید ہی کیا ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان قیدیوں کو

قید کر دیا تھا

میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
 "جن لوگوں کو واقعات کا صحیح علم نہیں تھا اور بدعات (نئی باتوں) کے پیدا کرنے
 کا جن میں زیادہ شوق پایا جاتا تھا سنت (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں) سے
 جن کے قلوب میں گرائیاں تھیں انھوں نے مذکورہ بالا روایتوں سے جو حضرت عمرؓ کی
 طرف منسوب ہیں، یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہا ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے دین سے عذوب
 کو بالکل فاسد کر دینا چاہتے تھے" ملکہ جامع ۲۸

پھر اس غلط نتیجہ کی تردید میں حافظ نے ایک طویل بحث کی ہے اور آخر میں انھوں
 نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو ان روایتوں کی صحت میں بھی شبہ ہے، ابن خزم نے بھی
 کتاب الاحکام میں حضرت عمرؓ کی طرف اس سلسلہ کے منسوب روایات کے راویوں پر حرج
 کر کے ان روایتوں کو مشتبہ و مشکوک قرار دیا ہے مگر میں کہتا ہوں اور پہلے بھی کہا ہے کہ جب
 روایت ہونے کے اعتماد کرنے والوں نے ان ہی روایتوں پر حجب اعتماد کیا ہے تو انصاف کی
 بات یہی ہے کہ ان حدیثوں کو بھی چاہئے تھا کہ یہ لوگ نہ بھولتے جو روایات ہی والی کتابوں میں خود
 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ جن روایتوں سے یہ گروہ فائدہ
 اٹھانا چاہتا ہے ان کے اسناد کو یعنی جن راویوں سے یہ روایتیں مروی ہیں اور حضرت عمرؓ
 سے جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن راویوں کے توسط سے مروی ہیں انوں
 میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی یہ حدیثیں عموماً صحاح ستہ بلکہ بخاری اور مسلم میں
 پائی جاتی ہیں اور جن روایتوں کو مخالفت حدیث میں یہ لوگ پیش کرتے ہیں کم از کم صحاح کی
 کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے ابن جوزی نے تلمیح میں ان حدیثوں کی تعداد دو سو و چھتر
 عمر سے مروی ہیں، پانسونستیس بتائی ہے، فرض کیجئے کہ متون کے ساتھ طرق کو بھی اس
 میں شمار کر لیا گیا ہو لیکن ابو نعیم اصفہانی کے اس بیان میں تو اس شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے
 ابو نعیم حافظ کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ

اسناد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من
یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
المتون سوی الطرق مآتی حدیث
صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسو سے کچھ اور حدیثیں مروی
ہیں اس تعداد میں صرف متون کو شمار کیا گیا ہر قرن تک
وینفا مکتبہ

(دانی آئندہ)

”مصباح اللغات“ مکمل عربی اردو کشمیری

پچاس ہزار سے زیادہ عربی الفاظ کا جامع و مستند یہ عظیم الشان عربی، اردو لغت
اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے بے مثال ہے جہاں تک عربی سے اردو میں لغات کے ترجمے اور
تشریح کا تعلق ہے آج تک اس درجہ کی کوئی ڈکشنری وجود میں نہیں آئی، ساہا سال کی عورت
کوششوں کے بعد بڑی قطع کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل یہ عظیم القدر کتاب اصحاب
ذوق کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے

المنہرجو عربی لغت کی جدید کتابوں میں اس وقت سب سے زیادہ جامع اور دلپذیر سمجھی جاتی ہے
”مصباح اللغات“ میں نہ صرف اس کتاب کا پورا عطر کشید کر لیا گیا ہے بلکہ اس
کی ترتیب میں عربی لغت کی بہت سی دوسری بلند پایہ اور ضخیم کتابوں سے بھی اخذ و استنباط کی تمام
صلاحیتوں کو کام میں لا کر مدولی گئی ہے جیسے قاموس، تاج العروس، اقرب الموارد، جمہرۃ اللغة، ہایہ
ابن اثیر، مجمع البحار، مفردات امام راعب، کتاب الانحال، غنئی الارب، صراح وغیرہ،

”مصباح اللغات“ ملار، طلباء عربی سے دلچسپی رکھنے والے انگریزی دان، اردو خواہ

کتاب کے لئے بے حد مفید ہے اور ایک کامیاب استاد و معلم کا کام دے سکتی ہے۔

عربی مدرسوں، کتب خانوں اور لائبریریوں کے لئے یہ ہایت گراں قدر علمی تحفہ ہے ۱۰۲۸ صفحات

سائز شاندار اور موزوں، جلد خوبصورت اور مضبوط ڈھائی سے نام چھپا ہوا مع عمدہ گردپوش قیمت سو روپے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد ہلی

دلائل القرآن

۱۰

(جناب مولوی محمد امجد علی صاحب ملاحی،

اعجاز القرآن کا تعلق کے عاشر پر صاحب نظام القرآن نے اسباب و اعجاز کی جانب متوجہ ہونے کی بجائے اشارات اور عجیب و غریب نکات کا اظہار فرمایا ہے جس کے مفہوم کو ہم اپنے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں ارشاد ہوتا ہے۔

۱) ممکن ہے کہ کلام میں ایک ایسی لطیف چیز پوش روح کے کہ جس کی ماہیت نہ سمجھی جاسکتی ہو لیکن اس کے وجود پر آثار ہدایت سے استدلال کیا جاسکتا ہو کما قل تعالیٰ و اخذوا حکمکم لعلکم تحقرون یعنی جب وہ ہمیں ایسی چیز کی طرف دعوت دے جو ایک بلند زندگی بخشتی ہے۔

قرآن مجید کا موثر ہونا ذوق سلیم سے معلوم ہو سکتا ہے جس کی تائید ان واقعات سے ہوتی ہے جو اس کے عظیم الشان اثر کے متعلق تاریخوں میں درج ہیں اور نیز اہل عرب کی روایات سے بھی پس یا ایک نگہ پڑھنی روشنی اور ناقابل انکار دلیل ہے جیسا کہ توراۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے موقع پر آیا ہے اور مکاشفات بھی میں یہی ہے کہ اس کے منہ سے ایک شمشیر برآں نکلے گی تاکہ اس کے ذریعہ قوموں کو زیر کیا جائے۔

۲) اس مسئلے کے ماتحت معرفت حقیقت اعجاز قرآن ناممکن ہے محض اس کے آثار معلوم ہو سکتے ہیں۔ امام عبدالقادر جیلانی وغیرہم نے غلطی کی کہ قرآن کا اعجاز نحوی یا سالیب اور وجہ بلاغت کو قرار دیا حالانکہ یہ تمام چیزیں اعجاز نہیں۔

۳) اس رائے کو سامنے رکھتے ہوئے فن بلاغت کا فائدہ یہ ہوگا کہ انسانی کلام کا منتہی اس کے اقسام اسالیب اور ان کے مزاج معلوم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کلام معجز اور غیر معجز کا فرق نمایاں

طور پر محسوس ہوگا یعنی یہ معلوم ہو جائے گا کہ اول الذکر اپنے اثر ہی کی وجہ سے اور اس روح ہی کی وجہ سے جو طوں کے اندر پہنچتا ہے اعجاز کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ ثانی الذکر میں یہ چیز نہیں پائی جاتی ہے اگرچہ اس کے اندر کثرت ہی بلاغت پائی جاتی ہو۔

دہم، اس رائے کی بنا پر یہ بحث ختم ہو جاتی ہے کہ بلاغت مصطلح پر اعجاز کا مدار نہیں بلکہ کتاب الہی کے اندر ایسی بلاغت ہے جس کی حقیقت تک پہنچنا ممکن نہیں لیکن اس کا عجیب اثر اربابِ فکر اور اصحابِ تقویٰ پر ظاہر ہوتا ہے۔

دہم، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کے اندر عقلی و معنوی محاسن بھی سحر سحر کی طرح ہیں علماء بلاغت اپنی پوری جدوجہد کے باوجود بھی اس کے کچھ ہی حصہ تک پہنچ سکتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ کائنات کے اندر جو بے پایاں آیات و نشانیوں میں ان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔
خواص یہ کہ اعجازِ قرآن کوئی ایسی چیز نہیں جس کو بڑی آسانی سے متعین کیا جاسکے بلکہ حضرت علیؓ فرمائی کے ارشاد کا مقصد محض غور و فکر کی مزید سراغ دہانی ہے۔

ختمِ نعل | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل عرب نے بہت سعی کی کہ قرآن عزیز کا مطالعہ کر سکیں مگر باوجود اہل زبان ہونے کے معارفہ سے قطعاً عاجز رہے اور قرآن اپنا اثر بڑھاتا اور پھیلتا رہا جب آپ کا زمانہ وصال قریب ہوا تو ایک دوسرا قدم ادا تھا باگیا وہ یہ کہ مکہ کے نبی کے مثل دوسرے خاندان سازا بنیاد ملاحظہ پیدا کئے گئے۔ چنانچہ وہ ام کے لگ بھگ پانچ سو سال قبل از مسیح میں مسیحیہ کذاب کا ظہور ہوا۔ تین میں اسود غنی قبیلہ اسد میں طلحہ بن خولید۔ اور سجاح ذات القلم وغیرہ بنی قریظہ میں نبوت کے دعویدار بن گئے۔ (۱) مسیحیہ نے یہ دعویٰ کیا کہ اس پر آسمان سے وحی آتی ہے جس کا نام (روحِ حق) ہے اس کا نزول آسمان کی تار پٹی میں ہوتا ہے نہ کہ دن کی روشنی میں۔

انفاظ وحی ملاحظہ ہوں کہتا ہے یا صفا ع یا بنت صفا عین۔ نفی ما تقین نصفك فی الماء ونصفك فی الطین۔ لا الماء تکرہا بن ولا الشارب تمنعین۔

سبحان اللہ یہ ہے وحی الہی الموسومہ بہ قرآن۔ حالانکہ جس کو ذرا بھی عربی زبان کی مہارت ہوگی وہ مختصر

کر دے گا کہ یہ الفاظ زبان جاہلیت کے نہیں ہو سکتے اور نہ اس طرح کی باتوں کا کوئی ثبوت ہے مگر اس کو کیا کہا جائے کہ جاحظ جیسے ادیب اور بصیر کلام عرب کو دھوکا ہو جاتا ہے یا بطور استہزاء کہنا پڑتا ہے لا ادری ما الذی ھیم مسلیمة حتی ساء رایہ فی الضفدع“

اسی مسئلہ نے قرآن کی تقلید میں یہ الفاظ کہے والی بات زمر عا، والحاصدات حصدا والذاریات قھما۔ والطارحات طھنا۔ والعاجنات عھنا۔ والحابزات خھزا۔ والناحرات ٹھدا۔ واللاقھات لقھما۔ ابالہ وسمعنا۔ لقد فضلتم علی اھل الورد وما سبقکم اھل المدر... جب طاوہ النمری نے مسیہ کو دیکھا اور باتیں کیں تو کہا اشد کذاب وان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولکن کذاب سابعۃ احب الینا من صادق مفسر۔

(۲) اسود عنی کی وحی کا حال بھی سننے کے لائق ہے وہ کہتا تھا کہ ایک فرشتہ جس کا نام رذاخار ہے آسمان سے وحی لے کر اترتا ہے۔ یہ اسود عنی فی الحقیقت ایک نہایت نصیح و مبلغ آدمی تھا جو زبردست کامن اور صحیح میں مشہور تھا امتداد زمانہ سے اس کا کلام ضائع ہو گیا یہ بھی نبوت خانہ ساز کے باجوہ سواوس میں تھا

(۳) طلحہ کی وحی ایک رذاذون، نامی فرشتہ لے کر آتا تھا پھر اس شیطان کو جبریل کہنا شروع کر دیا گیا۔ اسی کا قول ہے صلوا قیامافان اللہ لا یضیع بتعفیر وجوھکم و قیامادبارکم (۴) سمحہ ذات العلم کی وحی کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

(۵) مشہور شاعر متنبی جس نے بادیہ سوادہ میں ادعا نبوت کیا اور اپنے کلام کو قرآن کہہ کر ثبوت میں پیش کیا تھا نوذیر ہے والحجیم السیاس، والفک الدزاس، واللیل والنھاس، ان الکافر فی الخطا... بعض علی سنک واقف اثر من قبلک من المسلمین فان اللہ قانع ابک ذلیع من اللہ فی حینہ وذل عن سبیلہ الخ۔ بعد کو پھر اپنے اس ارادہ سے باز آ گیا اور شعروء شاعری ہی میں کہاں کو پہنچا مذکورہ بلا شہادتوں کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے اور عربی کے اسی قہر کو پھر دہرا دینا پڑتا ہے ”ولیس شان القرآن کشان کلام الناس۔ بلکہ قرآن ایسا علم

ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایسے مثنوی طریقہ اور اشارہ سربو سے طاری کر دیا گیا جو تحصیل علم کے معروف کسی طریقوں سے مختلف افراد ان الہاموں، صبح اور کھانت کے طریقوں سے جدا ہے جو بعض خواص اور مدعیان نبوت پر تامل اور طاری ہو جایا کرتے ہیں۔

زمانہ شاید ہے کہ نزولِ قرآن سے لے کر ختمِ نزولِ قرآن تک نہ تو قرآن عزیز کا معاملہ مذمتِ مقابلہ ہو سکا اور نہ نفوذِ اثر وغیرہ محاسنِ کلام کی جہانگیری کا انکار کیا جاسکا اور نہ رستی دنیا تک اخراجِ عاکرہ نہایت عیسیکہ کی صداقت پر آئینہ آسکتی ہے یہی تو وہ صداقت اور خداوندی الفاظ و معنی کی شہنشاہی ہے کہ میور جیسے کرم فرما کو مجبوراً اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ”جہاں تک ہماری معلومات میں دنیا بھر میں ایک ایسا ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو“ ایک ایسا عقیدہ محقق لکھتا ہے کہ ”ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد صلعم کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں“ اسی طرح انڈورڈ کین، پروفیسر رابون، مسٹر کارول، ڈاکٹر لی بان اور بڑے بڑے سماجی ہیرو وژلک رو سو لو کفر، مائٹلے اور ہاتا گاندھی قرآن کے قانون سے متاثر اور کلامِ خداوندی کے معترف تھے۔ چنانچہ ممالکِ یورپ میں دیش، ہمبرگ، لیپ وغیرہ مطابع میں قرآن طبع ہوئے اور بارہویں صدی عیسوی سے اس زمانہ تک ممالکِ جرمن، فرینچ، روم، انگلستان وغیرہ کے عالموں، ادیبوں نے قرآن مجید کے تراجم اور اقتباس سے جس قدر فائدہ اٹھایا اس کی تفصیل تطویل کا باعث ہے۔

قرآن کریم کا پہلا ہندی ترجمہ دنیا کے اندر مثنوی زندہ زبان میں ان میں شاید ہی کوئی ایسی بد قسمت زبان ہو کہ اس میں قرآن مجید کا ترجمہ نہ ہوا ہو مگر اولیت کا سہرا جس ملک اور زبان کے سر پہ رہا ہندوستان اور اس کی ہندی زبان ہے۔ مذہبی تعلقات میں یہ چیز حیرت سے دیکھی جائے گی کہ قرآن مجید کا ہندی ترجمہ آج سے ہزار برس پہلے سندھ کے راجہ ہر دگ نے منصورہ (دافع سندھ) کے امیر عبداللہ بن کا لکھا کہ ایسے شخص کو میرے پاس بھیجئے جو ہندی میں ہم کو اسلام کا مذہب سمجھا سکے منصورہ میں ہر دگ ایک مسلمان تھا جو مختلف زبانیں جانتا تھا۔ امیر نے راجہ کے دربار میں بھیجا اور وہ وہاں غیر

میں ملے اور اس کی خواہش سے اس نے قرآن کریم کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا اور بعد از ذہن ترجمہ کیا
اس سے بے حد متاثر ہوا تھا۔

اگر مذہبی یعنی آسمانی کتابوں کے لکھنے والے انسان تھے تو قرآن کے سوا اور کون سی کتاب ہے
جھوٹے چھوٹے سچوں کے سنیوں میں محفوظ اور چودہ سو سال سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو عبور کئے
دئے ہے تاکہ حیرت اور ذہن پر تک کی کمی نہ رہے اور نہ ایک آیت کا معارضہ و مقابلہ کنا دنیا کی تاریخ
پا پناہ صحت اور معیار تحقیق پر پورا اتر سکے تاریخ گواہ ہے کہ جنہوں نے اس طرح کا ارادہ کیا اور چھ
ن بے جوڑ فقرے لکھ مارے کیا قرآنی چیلنج "فَأَنذِرُ السُّورَةَ مِثْلَهُ" اور "مِثْلَهُ" کا جواب
دیا؟ ہرگز نہیں۔ اگر مذہبی کتابوں کے لکھنے والے انسان ہوتے تو ان کے کلام میں بھی انسانی جھلک
دینی اور وہ تمام نقائص پائے جاتے جو فطری طور پر غیر معصوم انسانوں کے اندر ممکن ہیں اگر بحث کے
دل ہو جائے گا ڈرنے ہوتا تو ہم ان تمام مذہبی کتابوں کچھ کے لکھنے اور تصنیف کرنے والے انسان
یا لکھے ایک ایک تاریخ پر دو بکھر دینے اور دکھلا دیتے کہ انسانی کلام اور اللہ کے کلام میں اصولی اور امتیازی
تفریق کیا فرق ہے مگر بے سود ہے کیونکہ بارہا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو چکا ہے قبول حکیم سنائی
عجب نبود گرا قرآن نصیب ما است جزوئے کاز خورشید جز گرمی نہ بیند چشم نامینا

ماہر قرآن کلمہ دلوں | امام ابو بکر باقلانی اور حافظ ابن قیم کی تحقیق یہ ہے کہ ابن المقفع نے قرآن کا معارضہ
ابن المقفع اور ابو العلاء | کرنا چاہا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں جب سورۃ ہود کی اس آیت پر پہنچا حتیٰ انا
مری کا نام اس کی تحقیق | حَاءَ اٰمُرُ نَاوَا سَرَّ الشُّرَّ رَالِی قَوْلَ تَعَالٰی، وَهَلْ يُجِدُ اللِّقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ تُوں

نبال سے باز آگیا د قال هذا امالا يستطيع البشر ان ياتوا بمثل ما ترك المعارضه واحرق ما
ان قد اختلفه۔ یعنی ابن المقفع نے عاجز ہو کر کہہ دیا کہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن کے مثل کیا
ہے۔ اور معارضہ کرنا چھوڑ دیا اور جو کچھ لکھ چکا تھا آگ میں جھونک دیا۔

ابو العلاء معری پانچویں صدی ہجری کا مشہور ادیب گذرا ہے جو مذہب میں نہایت آزاد تھا اس

لہ تعلقات عرب و ہند بحوالہ عجائب الہند

کے متن مشہور ہے کہ اس نے سورۃ رسالت کی آیت اِنَّمَا تَزْمِي لَكَ رِبَّكَ الْقَصِيرَ کا ترجمہ جلالہ صغیر
کامراد اپنے ذیل کے شعر میں کیا ہے ۔

حملہ ساطعت الذوا بم فی الدجی ترجمہ بکل شر اسرۃ کطراف
ترجمہ کہتا ہے آگ سرخ رنگ کی ہے اس کی مینڈھیل تاریکی میں بلند وبالا ہیں ایسی چٹکاریاں بھیکتی
ہیں جو مثل چرے کے سرخ خیمہ کے ہیں۔

حضرت امام رازیؒ نے ابوالعلاء کے شعر مذکور کو آیت کی تفسیر کرنے ہوئے مد نظر رکھا ہے اور
حسب عادت تقریباً ۱۲ اعتراضات اس تشبیہ پر کئے ہیں اور شرکی مٹی پیدا کردی ہے ملاحظہ ہو فہم کی
اپنا خیال یہ ہے کہ جب تک کسی کے کلام کی صحیح توجیہ اور محل متعین ہو سکے خواہ مخواہ اس کی تعلیط
کر کے ہدف ملامت نہ بنایا جائے علامہ مصر نے ابوالعلاء کی کتاب ”الفصول والغایات“ دنیا کے سامنے
پیش کی اس سے ادیب مذکور کے عقائد و خیالات پر روشنی پڑتی ہے اسی کتاب میں ہے خدا کے عباد
میں مناجات کرتا ہے

ادعوك و عملی سئو لیحسن، و قلبی مظلم لکی بنیر۔ وقد عدلت عن المحجة الی بینات
الطریق۔ وانت العدل ومن عدلك اخاف؛ یا من سجد له ذرقة الافق
و ذرقة الماء و حمرة الفجر و حمرة شفق الغروب؛ وان كان الداع بطفی غضبك
فهب لی عینین کاغضا غما متاشقی رشتاء، تیلان الصباح والمساء، واجلنی
فی الدینامتك و جلال فونز بالآخرۃ فی الامان و اسر زقنی فی خوفك بروالدى
وقد فادبرۃ اهداء الدعوة له بالعدو والاصال الخ
ایک دوسری جگہ لکھتا ہے۔

اقسم بجلالت الخیل والریح الهابة طیل، بین الشرط ومطالع سمیل، ان الکافر
لطول الول، وان العنبر لمکفوف الذیل بتعد مدارج السیل، وطالع التوجہ
من قبل، تنجوما اخلاک بناج الخ

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابو العلاء معری نے ہرگز قرآن کا معارفہ نہیں کیا ہے کیونکہ اس کا ادنیٰ درجہ کاموحد اور گہرے درجہ کامومن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ رافعی اعجاز القرآن میں صاف فیصلہ کر دیتے ہیں۔ وذلک ولا سبب فربہ علی المعری اسراۃ بہا عدو حاذق ^{مہیا} ^{المہیا} یعنی اس طرح کی باتیں جو ابو العلاء کی طرف منسوب ہیں ان کے چالاک اور شاطر دشمنوں نے مرحوم کے سر نقوب دی ہیں نہ یہ کہ قرآن کا مقابلہ (معاذ اللہ)

اصل یہ ہے کہ دنیا میں جتنے اچھے درجے کے ادیب ہوتے ہیں وہ سب کے سب ادنیٰ درجہ کے کلام کے حقل، تتبع اور تقلید سے ہوتے ہیں۔ ہر زبان کے انداد ادیب اور اساتذہ فن کا ہونا جس طرح مسلم ہے اسی طرح ان کلام کو شہادت میں پیش کرنا اور سند لانا لسانیات میں حجت مانا گیا ہے چوں کہ قرآن عزیز اپنی فصاحت و بلاغت اور مادرار فہم انسانی صداقت کا علمبردار، تاثیر اور نفوذ کا حامل اور جلا انکار کلام میں انسانی کلام اپنی ایک جدا شان، رفعت اور کمال رکھتا ہے اس لئے دنیا کے ادیبوں زبان اور کلام عرب پر عبور رکھنے والوں کو پہلے دہ میں غلط فہمی ہوئی چنانچہ سلیمہ وغیرہم ماہرین زبان معارفہ و مقابلہ پر اتر آئے اور سختی قبول کر لی جو کچھ ہوا و دنیا کے سامنے ہے قرآن کے اول مخاطبین خاص عرب تھے اور وہ تھے کہ جن کی زبان کا سکھ چل رہا تھا اور دنیا کے تمام لوگ گونگے اور زبانیں عربی طلاقت لسانی اور شیوہ بیانی کے سامنے ماند پڑ گئی تھیں جب یہ عاجز ہو گئے تو پھر کس مائی کے ہال کو ہمت اور جرات ہو سکتی تھی کہ وہ قرآنی چیلنج کا جواب دیتا۔ غمی پیداوار میں متبنی اور ابن المقفع کا ذکر اور پھر چکا ہے کہ منکی کھائی اور سپر ڈال دینی بڑی مگر غریب ابو العلاء معری کا قصہ ان تمام سے بالکل جدا ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک ابو العلاء کے عقائد اور خیالات کا تعلق ہے وہ یقیناً خدا کے بارے میں بڑا متواضع اور کٹر خدا پرست تھا اور آخرت کی زندگی کا نہ صرف قائل بلکہ قیامت کا خوف بکھتا تھا اللہ ابتدائی زندگی جیسا کہ پہلی کی رہی ہے اس کی بھی رہی ہے اعتبار ابتدا کا نہیں ہوتا ہے انتہا اور حسن خاتمہ کا ہوتا ہے اور خاتمہ کا قطعی علم بخیر خدا کے کس کو ہے اس لئے اپنا یہ فیصلہ ہے کہ ابو العلاء نے قرآن کی چھوٹی اور بڑی سورتوں یا آیات کا جو متنبہ کیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں کیا ہے کہ قرآنی چیلنج اور سختی کا جواب دیا ہے بلکہ قرآن عزیز

ایک ایسی فصیح و بلیغ اور ادبی زبان لے کر دنیا کا انداز آیا ہے جس نے فنی ادب کے سارے کارخانہ کو سرور کیا اس سے متاثر ہو کر اس کی تقلید میں خود بھی نظم و نثر میں اس کا اظہار کیا ہے اور کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ دنیا کا ہر ادیب فنی اعتبار سے ہر بلند کلام سے متاثر ہوا ہے مگر کیا انسانوں نے انسانوں کے کلام کا پورا پورا مقابلہ کیا ہے اور کہتے ہیں جو ابن المقفع، متنبی، ابوالعلاء، اور جاحظ ہیں؟ اور کہتے ہیں کہ سعدی کی گلستان کا جواب اور کامیاب جواب دے سکے ہیں؟ اور کہتے ہیں کہ مولانا شبلی کی اردو اور مولانا آزاد کی خطاب نور سحر بیانی کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی ہے؟ جب انسانی مبلغ کا یہ حال اور یہی دامن کا یہ عالم ہو تو خود کے کلام کا مقابلہ کرنا معارضہ پر آنا اور سعدی قبول کرنا تو کسوائے داعی عیاشی کے کیا کہا جاسکتا ہے؟ جس طرح سب نے منکی کھائی اگر خدا خواستہ ابوالعلاء موری نے بھی اردو کی طرح خدا کی جناب میں گستاخی کی ہے تو اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو اردو کا ہوا اور اس کے کلام کی بھی وہی نوعیت ہوگی جو اردو کی ہوئی۔

مصنف عبد اللہ بن مسعود | حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہندی بنو ذہرہ کے حلیف ابی القحیفہ سے
 ادب ایک علمی فطری کا ازالہ | صحابی ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے آپ کو چھ مسلمانوں میں کاچھا
 مسلمان پایا اس وقت سطح ارض پر ہم لوگوں کے سوا کوئی اور مسلمان نہ تھا۔ مکہ میں سب سے پہلے آپ
 ہی نے باعلان قرآن مجید پڑھا جب آپ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خدمت میں رکھ لیا
 اور آپ خدمت میں رہنے لگے۔ آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو اندر آنے کی اجازت لینے کی ضرورت
 نہیں تمہاری اجازت صرف یہ ہے کہ تم میری بات سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو۔ چنانچہ اندر آئے جاتے
 آپ کو جو پھناتے آپ کے ساتھ آگے آگے چلتے جب آپ غسل کرتے تو پردہ کرتے اور جب آپ
 سوتے تو آپ کو بیدار کرتے حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیدا اور خندق بیعتہ الرضواں اور تمام طہانیوں میں شریک ہوئے اور آپ کے بعد
 معرکہ یرموک میں شرکت کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 میں کسی کو غیر مشورہ خلیفہ بنانا تو ابن ام عبد کو بنانا۔ حضرت ابن مسعود کا خود ارشاد ہے کہ خدا کی قسم

قرآن کی کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں اُتری اور کس کے متعلق اگر مجھ کو یہ علم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن کا علم ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکے تو یقیناً اس کے پاس جا کر علم قرآن حاصل کر دوں تمام صحابہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں کہ میں سب سے زیادہ قرآن کی بابت واقف ہوں حالانکہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں (صحاح وغیرہ) غرض آپ کی وفات حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت ۳۲ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ایک طرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہ فضائل و کمالات اور قرآن سے گہرا تعلق کہ گویا وحی الہی کی گود میں پرورش پائی اور دوسری جانب عہد فرقہ اسلامیہ کا اجماعی مسئلہ کہ قرآن عہد نبوی صلعم میں مدون اور مرتب ہو چکا تھا اور صحابہ نے اس کو متعدد بار آنحضرت صلعم کو سنا دیا تھا جو بنفسہ آج ہم تک محفوظ اسی ترتیب پر ہے جو لوح محفوظ میں تھا اور جس کو ہم مدلل طور پر ثابت کر چکے ہیں۔ پھر بھی امام بخاریؒ کے مندرجہ ذیل فقرہ کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے لکھتے ہیں۔

اصحابہ رضی اللہ عنہم جمعوا بین الدفتین القرآن الذی انزلہ اللہ علی رسولہ من غیر ان انزلہ اولاً ولفصوا منہ شیئاً.... وکان رسول اللہ رصلعم یلقن اصحابہ ویعلمہم فانزل علیہ من القرآن علی الترتیب الذی ہوا الان فی مصاحفنا بتوقیف جبریل آیاتہ علی ذلک.... فان القرآن مکتوب فی اللوح المحفوظ علی ہذا الترتیب الخ

نیسری جانب یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں تین سورتیں نہ تھیں اور بقول بعض رمذا اللہ، ابن مسعودؓ اس کے قرآن ہونے کے قائل نہ تھے ابھی تک تو تین سورتوں کی توجہات میں لوگ بلاوجہ پریشان تھے لیکن ہمارے کرم فرما شاہ معین الدین صاحب ندوی کو چوتھی سورۃ کی کمی کی فکر ہے کہ وہ کون سی سورۃ ہے؟ ملاحظہ ہو معارف جون ۱۹۲۲ء ص ۱۲۱ اس کمی کی صحیح توجیہ اور تحقیق سے پہلے ہم ایک اور بات صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ شاہ صاحب موصوف نے حضرت ابی بن کعب کے مصحف کی سورتوں کی تعداد ابن ندیم وغیرہ سے ۱۱۶ نقل فرمائی ہے حالانکہ حسب تصریح

علامہ محمد صبح مصری صبح تعداد ۱۱۵ ہے کیونکہ حضرت ابی سورۃ الفیل اور سورۃ الانشراح کو ایک مانتے تھے۔ بہر کیف ایک سورہ زائد ہو یا دو جو جواب اور حل ایک کا ہو گا وہی دوسرے کا۔ حضرت ابی کا قنوت اللہم انا نستعینک ونستغفرک الخ کا دو سورہ مانتا اور حذف و خلع کے نام سے موسوم کرنا جس طرح کتابوں میں پایا جاتا ہے اسی طرح یہ روایت ان عمر بن الخطاب قنوت بعد الركوع فقال بسم الله الرحمن الرحيم اللهم انا نستعینک ونستغفرک الخ قال ابن جریر حکمة البسملة انهما سورتان فی مصحف بعض الصحابة۔ کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ آئندہ توجہات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

اصل یہ ہے کہ مورخین حتیٰ کہ ارباب سیرت کی روایات میں عموماً بے سرو پا باتیں ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ نہ جرح و تعدیل سے سروکار نہ اتصال و انقطاع کی خبر اگر بعض نے سلسلہ اسناد کا اعتبار کیا ہے تو یہ بھی رطب دیا بس کی تفریق کئے بغیر ہر غث و رقیق کو درج کر دیا ہے خواہ وہ ابن ندیم ہوں یا سیوطی، ابن اثیر ہوں یا ابن قتیہ، ابن سعد ہوں یا ابی الحدید، طبری ہوں یا واقدی وغیرہم ان غیر مستند روایات اور بیانات کو ایک قطعی الثبوت شے کے مقابل لانا کب لائق اعتنا ہو سکتا ہے غور کا مقام ہے کہ کلام ناس اور کلام رب الناس میں جو بون بعد ہے وہ ظاہر و باطن جو فرق اسلوب کلام الہی اور کلام نبوی میں پہلے ہم بیان کر آئے ہیں اس کو تسلیم کرتے ہوئے دعائے قنوت اللہم انا نستعینک الخ کی قرآنیت کو تسلیم کرنا اور پھر محدثین کرام کا اس قنوت پر گفتگو کرنا اور بعض کا عدم صحت کا حکم دینا سن و آثارِ نبوی کے اندر موجود ہے کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اور کیا یہ وہی قرآن تھا اور قرآن کی سورہ کہ جس کی تحدی سے خالص اہل عرب عاجز تھے جس کا خبر رسول ہونا محل بحث میں ہو اس کا قرآن کی سورہ کے نام سے نقل کرنا ابن ندیم اور سیوطی ہی جیسے طوطا اللیل کا کام ہو سکتا ہے نہ کہ ایک دقیقہ رسِ محقق کا۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ سیوطی نے امام زکریا کی کتاب کو نوح کھسوٹ کر اتقان کو مرتب کیا ہے اور کتنی باتیں گھٹائی اور بڑھائی ہیں مانا کہ بعض بعض جگہ رد بھی کیا ہے اور کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ یہی حل ابن ندیم کا ہے اور کہنا پڑتا ہے۔

غشت اول چوں ہند معمار کج تا نژاد می رود دیوار کج
 بات یہ ہے کہ اس طرح کی جو روایات ملتی ہیں ان کا مرتبہ خبر آحاد سے آگے نہیں بڑھتا علماء اہل
 نے اس کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے اور اس طرح کی جملہ روایات یا تو کسی آیت کی شرح و تفسیر
 ہونے یا قرآن اور مذاکرہ میں جن کو اصحاب مصاحف قدیمہ نے لکھ لیا ہے موطا امام مالک میں بسند
 صحیح یہ روایت موجود ہے جس میں یہ فقرہ ہے حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی وصلو
العصر وقوموا للہ قانتین۔ یہ روایت بھی اسی قبیل کی ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ
 سے بطور تفسیر و تشریح کے سنا تھا اور اپنے مصحف میں درج کر رکھا تھا کہ قرآن سمجھ کر اسی طرح کی
 روایات اور تشریحات کو بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے مصاحف کے اندر یعنی متن کے ساتھ درج کر لیا ہے
 چنانچہ کتاب اختلاف مصاحف اہل المدینہ و اہل الکوفہ و اہل البصرہ عن الکساء
 و کتاب اختلاف المصاحف لمخلف، و کتاب اختلاف اہل الکوفہ و البصرہ و الشام فی
 المصاحف للفرار، و کتاب اختلاف المصاحف لابی داؤد السیجستان، و کتاب
 اختلاف المصاحف و جمیع القراءات للمدائنی، و کتاب اختلاف المصاحف الشافعی
 و المجاز و العراف لابن عامر البیضی، و کتاب محمد بن عبد الرحمن الاصفہانی
 فی اختلاف المصاحف ہمارے بیان پر شاہد مل ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے اور تاریخی حقیقت بھی ہے جس کی تائید میں صحیح روایات موجود ہیں
 یہ کہ اہل محقق نے یہ خیال کیا کہ ہم لوگ جس قرأت پر قرآن پڑھ رہے ہیں وہ دوسرے لوگوں کی قرأت
 سے بہتر ہے کیونکہ انہوں نے حضرت مقدادؓ سے قرآن سیکھا تھا۔ اہل دمشق بھی انہیں کی تائید میں
 تھے۔ اسی طرح اہل کوفہ کا خیال تھا اور یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ترجیح دیتے تھے اور اہل بحر
 حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے تشک کرتے تھے چنانچہ ان کے مصحف کا نام (باب القلوب) رکھا گیا تھا
 حضرت عثمان غنیؓ نے اس اختلاف کو محسوس کر کے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے وہ
 قرآن طلب فرمایا جو عہد نبوی میں لکھا جا چکا تھا اور اس کی نقلیں ممالک اسلامیہ میں بجاوادی گئی تھیں

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کا یہ وہ کارنامہ ہے جس پر تاریخ اسلام قیامت تک ناز کر سکتی ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو قاضی ابوبکر انتصار میں فرماتے ہیں انما قصد جمعہم علی القرآن ... الثابتة المعروفة عن النبی صلعم وانما هما اللین کذلک ... خشية دخول الفساة والشبهة علی من یاتی بعد۔

لہذا حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ایک یاد و سورتوں کی زیادتی بھی ہیں سے ختم ہو جاتی ہے کیونکہ حسب تصریح ارباب سیر قتادہ نسخ حضرت ابی کی وفات عہد فاروقی میں مدینہ کے اندر ہوئی ہے اور نقل مصاحف کی تاریخ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ثابت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے سامنے حضرت ابی کا مصحف نہ رہا ہو یقیناً تھا جیسا کہ "سعد السعد" لعلی بن محمد میں ہے۔
 نقل عن کتاب ابی جعفر محمد منصور وروایہ محمد بن زید بن مروان فی اختلاف
 المصاحف ان القرآن جمعه علی عہد ابی بکر بن زید بن ثابت وخالعه فی ذلک ابی
 عبد اللہ بن مسعود ... واخذ عثمان مصحف ابی وعبد اللہ بن مسعود ...
 فضلاهما وکتب عثمان مصحفا لنفسه، ومصحفا لاهل المدينة، ومصحفا لاهل
 مکه، ومصحفا لاهل الکوفة، ومصحفا لاهل البصرة، ومصحفا لاهل الشام۔
 ان شہادتوں کے عہد حضرت ابیؓ اور ابن مسعودؓ کے مصاحف کے اندر سورتوں کی کمی بیشی
 کی بھر کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے ناعتبر وایا اولی الالبصار

رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے مرتب کردہ مصاحف ابن عباسؓ اور
 سبوطیؓ نے خود دیکھے تھے تو حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا مرتب کردہ قرآن تو شیخ زنجانی نے بغداد
 میں نجف کے اندر خط کوئی میں لکھا ہوا دیکھا ہے جس کے آخر میں تحریر ہے کتبہ علی بن ابی طالب
 فی سنة اربعین من الهجرة۔ اگر یہ مشکوک ہے تو ابن ندیم و سبوطی کا دیکھنا کہیں نہ مشکوک مانا جا
 پس سب مشکوک ہیں اور قطعی وہی قرآن ہے جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ وغیرہم کے عہد میں
 میں بطور حکم، خویشی سے پیچھے اور صلح و امن کے لئے اوپر اٹھایا گیا تھا وہی قرآن تھا اور ہے

جو محمد عثمانی میں افق عالم میں بھجوا یا جا چکا تھا اور عہد عثمانی میں صحابہ کا اس پر اتفاق اور اجماع ہو چکا تھا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس لجنہ عثمانیہ میں موجود تھے ملاحظہ ہوا التبیان فی اذاب حملۃ القرآن (ردی) اور امامیہ کے مسلم الثبوت مجتہد و محدث علامہ عبداللہ رنجانی کی تاریخ القرآن۔

مذکورہ بالا تحقیقات کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جانب جو غلط انتسابات ہیں ان کی حقیقت واضح ہو جاتی اور مزید کادش کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے لیکن حسب وعدہ عروس قرآن کے پیر سے اس گرد و غبار کو بھی پاک کرنا ایک دینی اور علمی خدمت ہے جو بد قسمتی سے اپنے ہی ہمدردوں کے عدم تدبیر کی بنا پر اسفارِ حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱۰، قال ابن حجر فی شرح البخاری قد صح عن ابن مسعود الکامل المعوذتین فخرج احمد وابن حبان عنہ انه کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفہ۔

(۲) اخرج غیرہ ان عبد اللہ بن مسعود کان یحک المعوذتین من مصحفہ ویقول انھما لیستامن کتاب اللہ۔

(۳) اخرج النبراس والطبرانی من وجہ اخر ان ابن مسعود کان لا یقرء بمساو کذلک کان یری ہذا للری فی فائحة الکتاب۔

اس لئے حضرت ابن مسعودؓ کے مصحف میں سورتوں کی کل تعداد ۱۱۱ ہوتی ہے نہ کہ ۱۱۰۔ جن کتابوں میں ایک سو دس منقول ہے وہ یا تو سہو کا تب ہے یا غلط ہے لہذا تین کے بجائے چار کی کمی کو ماننا اور معوذتین و فاتحہ کے علاوہ کو پوچھنا ابن ندیم اور سیوطی کی تقلید کی بنا پر ہے نہ کہ تحقیق۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن حجر کی روایت پرستی مشہور ہے اس لئے ہم خود اس سے زیادہ کہنا چھوٹا منہ ٹری بات سمجھتے ہیں البتہ امام ابو محمد علی بن حزم اندلسی کی تحقیق جن کے متعلق ابن بشکوال کی شہادت ہے کان ابو محمد اجمع اهل الاندلس قاطبة لعوم الاسلام و اوسعہم معرفۃ۔

اور حافظ ابو عبداللہ حمیدی کا یہ فقرہ مارا بیٹا مثلہ والناسج المکمل، جلالت علم و تحقیق کے

فے سب سے بڑی دستاویز ہے۔ مذکورہ بالا روایات پر نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں علامہ ابن حزم فرماتے ہیں هذا كذب علي ابن مسعود وموضوع۔ یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود کی جانب سے جو مذکورہ بالا سورتوں کے قرآنیت کا انکار بیان کیا جاتا ہے یہ جھوٹ اور گڑھی ہوئی جعلی روایات ہیں۔

شیخ نووی شارح مسلم کا ارشاد ہے ان المسلمين اجمعوا على ان المعوذتين والفتحة من القرآن، ومن جحد منها سيدا كفر۔ ومانقل عن ابن مسعود باطل ليس صحيح ^{المنهج} امام نووی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن مسعود سے جو نقل کیا جاتا ہے لغو اور باطل ہے اور ہرگز اس طرح کی روایات صحیح نہیں ہیں۔ اور جو قرآن کے کچھ حصے کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں ان ابن مسعود كان ينكر كون سورة الفاتحة والمعوذتين من القرآن، وهو قول في غاية الصعوبة۔۔۔۔۔ والا غلب على الظن ان نقل هذا المذہب عن ابن مسعود نقل باطل

ظاہر ہے کہ صحابہ کے عہد مبارک میں جب متواتر ان سورتوں کا قرآن ہونا مسلم ہو چکا تھا تو پھر انکار کے کیا معنی گویا معاذ اللہ، قرآن کا متواتر ہونا اس وقت ثابت نہ تھا حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں لہذا تواتر کے بعد انکار کفر کے مراد ہے اور یہ بات ابن مسعود کی طرف جو منسوب کی جاتی ہے بے اصل اور لا طائل ہے۔

احادیث کے تشیع سے بھی مذکورہ بالا تحقیقات پر روشنی پڑتی ہے خود موطا امام محمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت موجود ہے واذا صلى وحده فقرأ في الاولين بفتح اللام کتاب وسورة الف۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ ابن مسعود اسی طرح فاتحہ کو قرآن کی سورہ مان رہے ہیں جس طرح دوسری سورتوں کو۔ قتال تدبیر۔

ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ جب عثمان غنیؓ نے تمام ممالک محروسہ میں عہد نبوی کے مدون قرآن مجید کی نقلیں بھیج کر آئندہ کے سارے جھگڑے ختم کر دئے تو پھر ابن مسعود کے مصحف میں کمی کا سوال کئی دفع نہیں رکھا کیونکہ ابن مسعود کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی ہے اور حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ

مسئلہ کے بعد غالباً معلوم ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ نقل قرآن کی تاریخ شہادت سے بہت پہلے کی ہے
یعنی مسئلہ یا اختلاف روایت مسئلہ نہیں اگر کسی کو اصرار ہی ہو کہ مصحف ابن مسعود میں مندرجہ چند
سورتوں کی کمی تھی اور اپنے ثبوت میں انھیں کمزور اور لا طائل، باطل اور موضوع روایتوں اور تاریخی کتابوں
سے استدلال کرے تو ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ جہاں سے تم کو یہ بے سرو پا باتیں ملی ہیں وہیں یہ فقرہ بھی
ہے خوف منہم عبد اللہ یا مرہم بالحدود والتزام الطاعة یعنی بجز عثمان بن اوصاب ابن مسعود
کو جب حضرت عثمانؓ کے مصحف "الامام" میں کچھ توقف ہوا تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اپنی
پارٹی کو عثمانؓ کے مصحف کی مطاعت کا حکم دیا اور خاموشی پر مجبور کر دیا۔ یعنی "جرگٹ گئی تھی تو کیسی"
البتہ شیخ ابن حجر کا یہ فرمانا "صح ابن مسعود الکاسر المعوذتین" کو کیسے غلط مان لیا جائے
کیونکہ حافظ ابن حجر کا تہجیر مسلم ہے تو پھر ابن حجر، قاضی ابوبکر باقلانی، صاحب روح المعانی، صاحب
فرائح الرحمت، فرید وجدی اور صاحب شرح مواقف وغیرہم کی توجیہات کو کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے
اور شاد ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں قطعاً شبہ نہ تھا وہ
وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد رقیہ
اور علاج تھا معلوم نہیں کہ غلو کی غرض سے اناری گئی یا نہیں اس لئے ان کو مصحف میں درج کرنا
اور قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نماز وغیرہ میں مطلوب ہے خلاف احتیاط ہے حالانکہ عبد اللہ بن مسعودؓ
کے اس فعل سے بھی کسی صحابی نے اتفاق نہیں کیا۔ اسی بنا پر اجماع ہو گیا۔ فتلک الاحادیث مالا یلتفت
الیہ لہذا قرآن آج بھی وہی ہے جو لوح محفوظ میں تھا باقی غلط غلامیہ کہ یہ ہے صحت قرآن کی علمی و تاریخی
تحقیق کا ایک ادنیٰ اشارہ و کو کفر الکافرین۔

ان بندگان کے اسم گرامی | افغانی اور اصابہ کے اندر موجود ہے کہ فرزدق کو جریر ہمیشہ پاؤں میں بٹری پڑنے لگی
جنہیں کم سے کم نہیں غلط | عار دیا کرتا تھا لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرزدق شاعر نے کہا کہ ایک بار
میں اپنے والد کے ہمراہ جنگ کی طرف گیا وہاں حضرت علیؓ نے میرے باپ سے کہا کہ اپنے لڑکے کو قرآن مجید
حفظ کر اور چنانچہ جب تک میں نے حفظ نہیں کیا بیٹری پڑی رہی۔ چنانچہ فرزدق نے ایک سال میں حفظ

کیا اور دین کے غم میں اپنے اسی واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔
وما صبہا علی فی حدید مجاشع مع القید الاحاجۃ لی اسریدھا
مباحث کی بشری جو میرے پیروں میں پڑی تھی اس کی وجہ صرف ایک مقصد تھا جسے میں حاصل
کرنا چاہتا تھا۔

باقی اسماء یہ ہیں۔ ہشام بن کلبی نے تین روز میں قرآن حفظ کیا (تذکرہ الحفاظ)۔ سفیان بن عیینہ
نے چار سال کی عمر میں حفظ کیا (تسطلاتی)۔ قاضی ابو محمد اصفہانی نے پانچ سال کی عمر میں حفظ کیا
(علی قاری)۔ امام شافعیؒ نے سات سال کی عمر میں حفظ فرمایا (تاریخ الخلفاء)۔ سہل بن عبد اللہ
مستزی نے چھ سال کی عمر میں حفظ کیا (خزینۃ الاصفیاء)۔ میر سید اشرف سمائی نے سات سال
کی عمر میں حفظ کیا (خزینۃ الاصفیاء)۔ جلال الدین سیوطی نے آٹھ سال کی عمر میں حفظ کیا (حسن الحفظ)
مولانا سید محمد امین نصیر آبادی نے نو برس کی عمر میں ایک سال کے اندر اندر حفظ کر لیا (بادشاہ سلامت)
مذکورہ بالا اسماء حفاظ کے نقل کرنے کا یہ مدعا ہے کہ آج درس قرآن کا بڑا دور اور شور ہے مگر
حفظ قرآن پر کبھی توجہ نہیں درس قرآن ضرور بہتر چیز ہے مگر آج درس کون دے رہا ہے؟ وہ جس نے
تو اساتذہ سے پڑھا اور نہ ادب عربی سے اتنی مہارت ہے کہ تفسیروں کو سمجھ سکے یہ نہایت خطرناک
قدم ہے اور جس کا مشاہدہ آج ہر ہر قدم پر ہو سکتا ہے یہ فریضہ اہل علم کا ہے نہ کہ کالج کے صاحبزادوں
کا۔ سچ ہے ہر لوہا ہوس نے حسن پرستی شعار کی ”ابا بروئے شہوۃ اہل نظر گئی“ البتہ قرآن میں نصیحت
حاصل کرنا بالکل آسان ہے لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے بلکہ اس
عظیم ذخیرہ کے کلام کے متعلق ایسا لگان کیوں کر کیا جاسکتا ہے جس پر عمریں بیت گئیں اور صدیاں گزر
گئیں مگر اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے عجائب و اسرار ختم نہ ہو سکے خود اس کتاب الہی سے معلوم
ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ اس خدا کی آمار ہی ہوئی ہے جس کے احاطہ
ظنی سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی اس کلام کی معجزانہ فصاحت و بلاغت علوم و فنون
اخبار غیبیہ، احکام و قوانین، اور وہ اسرار خفیہ جن کی تک بدون توفیق الہی کے عقول و افہام انسانی

کی رسائی نہیں ہو سکتی اور اس کتاب کی تاثیر اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں مستشرقین یورپ اور ان کے مقلدین کا مبلغ علم سطحی اور قشر تک محدود ہے ان کی ساری کاوش عقلی نظریات، احصاء و ترتیب، جمع اور تفریق قرآن تک ہے لیکن منقرض قرآن سے ان کو دنیا کا وہ نہیں نہ قرآن کی موسیقیت و جاذبیت، اسلوب اور اعجاز سے کوئی سروکار ہے اور نہ تاثیر اور کلام کی قدسیت سے بہرہ۔ بقول سہمائیؒ

عروسِ حضرت قرآن نقابِ نگہ بر اندازد کہ در الملک ایمان را مجروح بینی از غوغا

پھر عروسِ قرآن اپنے جلال جہاں آرا کے نقاب کشائی کی تقریب کرے تو کیوں کر کہے یا تو پھر احمق جیسے ماہر کلام عرب سے پوچھو کہ قرآن کیا ہے جو نہ حافظ تھا اور نہ اسرارِ شرعی کا عالم مگر جب سورۃ مائدہ کی سو آیت کریمہ کسی نے پڑھی السارق والسارقۃ الخ اور بجائے عزیزِ حکیم کے غفور الرحیم پڑھ دیا تو چونک اٹھا اور کہا کہ ذرا قرآن لاد یہاں غفور الرحیم کا موقع نہیں ہے کیا بات ہے چنانچہ قرآن وہاں گویا نو عزیزِ حکیم تھا پھر ایک اٹھا کہ اگر یہ نہ ہوتا تو خدا کے کلام ہونے میں مجھ کو شک ہو جاتا۔ خیر اس بار ایک نکتہ کو تو احمق ہی سمجھ سکتا ہے یا جس کو اللہ تعالیٰ کلام پر بصیرت و فداقت بخشنے لیکن نتیجہ یہی جب ایک ماقط پڑھتے پڑھتے بھول جاتا یا الٹ پلٹ کر دیتا ہے تو غیر حافظ کو کھٹک پیدا ہو جاتی ہے اور بغیرِ احبت قرآن چین نہیں آتا۔ یہ صرف کلام الہی اور اس قرآن کی خصوصیت ہے جو لفظاً و معنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔ جس کے آج ہزاروں لاکھوں حافظ موجود اور بقول حضرت ربیع بن انس صدیقہ انا جملہم دفائنہ ان کے سینے گویا کتبِ منزلہ میں۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ يُوتُوا الْعِلْمَ۔ جس طرح صحیح حدیث پر شاہد عدل اسی طرح وَقَالُوا اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اَلْكِتَابُ هُوَ الَّذِي عَلَيهِ بُكْرَةُ ذَوِ الْأَيْمَنِ جَمْعِ کِتَابِی پر واضح شہادت ہے اگر زمانہ نے مساعدت کی اور پیش نظر کاموں سے فرصت ہو گئی تو انشا اللہ بعض دوسرے اہم مباحث اضافہ کر کے دلائل القرآن کو مکمل کر دوں گا۔ سو اسی پر گفتار کرتا ہوں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ والسلام علی من اُتبع الہدی

دربار الہی اسلام کی نظر میں

از

(جناب مولوی محمد ظفر الدین صاحب استاذ دارالعلوم معینیہ ساکنہ)

زیر ترتیب کتاب ”نظام مساجد“ کے دو باب مختلف عنوانوں کے تحت آپ ”برہان“ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، آج اسی کتاب کا ایک تیسرا باب پیش خدمت ہے۔ (برہان) مساجد کے اجتماعی نظام کی مختصر تفصیل گذشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمائی، جس سے ان گھروں کی دینی اور دنیوی اہمیت کا اندازہ ہوا ہوگا، اور آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ان کا جو ہمارے لئے کس قدر ضروری ہے اور قدرت نے اس سلسلہ کو قائم و دائم فرما کر ہم پر کتنا احسان کیا اب بتانا ہے کہ اسلام نے ان مقدس درباروں کو کیسے سراہا ہے اور ان کی قدر و منزلت کس پیرایہ میں بیان کی ہے، یکسر ان کو مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں دیکھئے اور کتاب الہی میں تلاش سب سے پہلے اس سلسلہ میں کتاب الہی کی چند آیتیں درج کی جاتی ہیں جن میں صاف مطلقاً میں ان کی شرافت و قبولیت کا اعلان کیا گیا ہے، اور ان کی ظاہری و باطنی وقعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

مساجد کی ہیں دنیا اور دنیا کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں اور سب کی سب اسی کی قدرت سے خلعت وجود سے ممتاز ہیں، دنیا کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے، جس کو کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نہیں، لیکن جس کو اللہ تعالیٰ خود کہہ دے ”یہ میرا ہے“ اس کی قسمت کا کیا کہنا اس کی عزت و قبولیت اپنا ایک خاص مقام حاصل کر لیتی ہے جو دوسرے کے حصہ میں نہیں ہے انہی میں، مقدس دربار بھی ہیں جن کو ہم ”مسجد“ کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ان کی نسبت رسالت نے اپنی جانب فرمائی ہے اور ان کو اپنے ذکر کے لئے مخصوص فرمایا ہے، جس میں کسی اور

کی شرکت منظور نہیں۔

اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ
اللّٰهِ اَحَدًا (جن ۲۰)

مسجدیں اللہ ہی کی ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی کو
مت پکارو۔

بلاشبہ نسبت ساری دوسری نسبتوں سے بڑھ کر ہے اور اس نسبت سے جو شرافت
اور بزرگی حاصل ہوتی ہے وہ اور شرافتوں سے بالاتر، پھر تخصیص کی مزید عزت اس کی وقعت و اہمیت
کا زبردست مظاہرہ ہے۔

مساجد کی خدمت کسی کو جب اپنا بنایا جاتا ہے تو پھر یہ گوارا نہیں ہوتا ہے کہ اس کو اس کے حوالہ کر دیا
جائے، جو اس کا مخالف ہو، کیونکہ جب اس کو مالک سے عقیدت نہیں، دل میں اس کی خشیت
و محبت نہیں اور وہ اس کے احکام پر اطاعت کا سر رکھنے والا نہیں ہے تو یقینی طور پر وہ اپنی مقصود
خدمت کو بحسن و خوبی ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لے گا، پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ مشرکوں اور
نافرمانوں کو جب مسجد اور اس کے مالک سے قلمی لگاؤ نہیں تو اس مسجد کی خدمت رب العزت ان کے
ہاتھ میں کیوں کر چھوڑے گا، ارشاد فرمایا

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ
اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى اَلْفُسْهِمِمْ
بِالْكَفْرِ (توبہ ۳۰)

مشرکوں کی لیاقت نہیں ہے کہ اللہ کی مسجدیں
آباد کریں جس حالت میں کہ وہ اپنے اوپر کفر و انکار
کا اقرار کر رہے ہیں۔

یہ دربار الہی کے احترام کا اظہار ہے تاکہ ان گھروں کی قدر و منزلت دلوں پر نقش ہو جائے
اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گھر اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں ان کی وہی خدمت کریں جو خدا کے دوست ہوں
جن کے دل میں اس کی خشیت و محبت گہر کر چکی ہو تاکہ وہ ان کے بنانے میں عقیدت و محبت کی پوری
صرف کر سکیں اور یہ سمجھ کر خدمت کے لئے کمر باندھیں کہ یہ دنیا کے پردہ گار کا گھر ہے اور اس کے
چاند و چل اور اس سے عرض دنیا کا دربار،

حق دوستوں کا یہی دم ہے کہ رب ذوالجلال و الاکرام نے جن کو حق تعمیر بخشا ہے، ان کے لئے ظاہری

اور معنوی دونوں طرح کی پابندی رکھی ہے، یعنی ان کا دل اور باطن بھی مومن ہو اور ظاہر اور جسم بھی،
قلب ایمان کی دولت سے معمور ہو تو جسم عمل کی دولت سے مالا مال۔

إِنَّمَا يَتُخَشَّعُ لِوَجْهِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
وَأَتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ
فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ
الْمُهْتَدِينَ (توبہ-۳)

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا اپنی لوگوں کا کام ہے جو اللہ
پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور نہ کسی کی پابندی
کریں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے ڈریں
ہیں اپنی سے توقع ہے کہ مقصود کو پہنچ جائیں۔

”ایمان باللہ“ لاکر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کو سچی عقیدت ہو، اور اپنے کو صحیح معنی میں
احکامِ الہی کے تابع قرار دے لے اور ”آخرت پر ایمان“ سے یہ ظاہر فرمایا گیا کہ اس کو اپنے سامنے
کاموں کے حساب و کتاب کی ذمہ داری کا پورا احساس بھی ہو اور پھر اس میں کامیابی اور ناکامی پر
ثواب و عقاب کا یقین بھی، یہ دل اور نیت کی اصلاح کی شرط ہے باقی ظاہری طور پر بھی وہ ایسا
ہو جس سے خدا پرستی نمایاں ہو، بدنی اعتبار سے بھی اور مالی لحاظ سے بھی، جس کو ”اقامتِ صلوٰۃ
اور ادائے زکوٰۃ“ سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کاموں میں شہرت و
عزت اور دیار و سمعہ کا فریب آ جاتا ہے اس لئے یہ بھی فرمادیا گیا کہ یہ سب کسی اور کے خوف سے نہ ہو
بلکہ جو کچھ ہو، رب العزت کی خشیت سے ہی ہو جس کو ”وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ“ کے مختصر حصہ میں
بیان فرمایا ہے، ما حاصل یہ ہے کہ مقابلہ کے وقت چاہے وہ ذہنی ہو چاہے خارجی اللہ تعالیٰ کی
خشیت غالب رہے،

کوئی جب ان ساری خصوصیتوں سے سرفراز ہو کر دربارِ الہی کی خدمت انجام دے گا تب
کہیں جا کر وہ اس کام میں حق راستہ کو پائے گا اور یہ کھلی حقیقت ہے کہ ان میں سے شاید کوئی شخص
بھی مشرک میں نہیں پائی جاتی، بخلاف مومن کے، کہ وہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ایمان کا حامل ہوتا ہے
بار بار غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد کی خدمت کے لئے ان قیود کو کیوں بیان فرمایا، کیا ان

سے مسجدوں کی عظمت و شوکت کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔

پھر کے معنی | تعمیر کا لفظ بہت سے معنوں کو شامل ہے۔ کرنخی فرماتے ہیں

انما یعمر مساجد اللہ ای بنحو البناء
والتزین بالفرش والسراج
والبعاده وتروک حدیث الدینا
انما یمر مساجد اللہ کے معنی ہیں جیسے بنانا، فرش
اور روشنی سے زینت دینا، عبادت کرنا اور
دنیا کی باتیں مسجد میں نہ کرنا۔

(جل ص ۲۴۱)

مسجد کی تعظیم و تکریم | اوپر کی آیتوں میں مسجدوں کی بنیادی حیثیت ظاہر کی گئی ہے اب ان کے عملی پہلو پر
اور اس میں عبادت | نظر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا مقصد رکھا ہے اور وہ ان گھروں میں کیا چاہتا
ہے کیونکہ کسی چیز کی تعمیر خود مقصود بالذات نہیں ہوتی، بلکہ اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے
مصلح و حکم مطلوب ہوتے ہیں، ارشاد ربانی ہے۔

فَیُبَیِّنُ اٰذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ
قُبُلُکُمْ فِیْہَا اَسْمَہُ یُسَبِّحُ لَہُ فِیْہَا
ان گھروں میں حکم دیا اللہ نے کہ ان کی تعظیم کی جائے
اور ان میں اس کا نام لیا جائے اور صبح و شام اس
کی پاکی بیان کریں۔

اس آیت میں ”بیوت“ سے مراد مسجدیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ
ان کی تعمیر کے بعد یہ فریضہ ہے کہ ان کی تعظیم و تکریم کا حق ادا کریں اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان میں اللہ
تعالیٰ کی یاد ہوتی رہے اور دن رات اس کی تقدیس بیان کی جائے اور ہمہ دم اسے تسبیح و تہلیل سے
آباد رکھا جائے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو پھر مسجد کا حق پورا پورا ادا نہ ہوا اور یہ سب اس طرح
سے ہو کہ دل و دماغ پر یہ امر مستحضر رہے کہ ہم اللہ کے گھر میں ہیں، تاکہ دربار الہی کے آداب میں فرق
مٹانے پائے، بلکہ آداب کا خیال اس کی لذت کو دوچند کر دے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر اس کو نشین کر لینا
چاہئے کہ تعظیم و تکریم کے لوازمات اس کو میسر نہیں ہیں۔

بہر حال یہ بات تو روشن ہو گئی کہ مسجدوں کا وجود اس لئے عمل میں آیا کہ ان میں ذکر و تشریف

گوئیں ہوا انسان میں پہنچ کر رب العزت کا وہ بیان تازہ ہو جائے، اور جس جگہ اتنا اہم کام ہو جیسا کہ اس نے اس کا وجود مل میں آیا ہو اس کی اہمیت کتنی ہوگی یہ ہر شخص یا سانی سمجھ سکتا ہے۔

اخلاص نصیب | پھر اللہ کی یاد ہو تو کس طرح کہ ظاہر سے زیادہ باطن پر اثر انداز ہو، یاد الہی میں یہاں کسی کی ذرہ برابر آمیزش نہ ہونے پائے، اور دل اخلاص کے انتہا سمندر میں ڈوبا ہو تو یہاں تو باطن جہاں بھی ہوتا نصیبی ہو لیکن خصوصیت سے اس جگہ اور بھی خلوص و شہیت کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے کہ یہ دیباہ الہی ہے، اور محبوب حقیقی کا جلوہ آنکھوں کے سامنے ہے،

وَأَقِمُّوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ اور تم اپنا چہرہ ہر مسجد کے پاس سیدھا رکھ کر دو اور
وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (اعراف-۲)

مسجدوں کی بڑائی کے ذکر کا یہ بھی ایک پیرایہ ہے کہ وہاں پہنچ کر دل میل کھیل سے پاک کر دو اور
نیت کے گل بُوڑے اخلاص کے آبِ زمزم سے دھو ڈالو تاکہ کہیں سے شرک کی بو نہ پھلنے پائے
کیونکہ یہ وہ دربار ہے جہاں خدا سے سرگوشی ہوتی ہے اور یہی وہ گھر ہے جس کو دنیا کی جنت سے تعبیر
کیا جائے تو غلط نہیں،

طہارت و نفاست | باطن میں جس عقیدہ نے جڑ بکڑ لی، ظاہر میں اس کے برگ و بار پیدا ہونے ضروری
ہیں جس کی عزت ہم دل میں کریں گے نفسی طور پر عمل سے اس کو ظاہر بھی کرنے کی کوشش کریں گے
یہی وجہ ہے کہ درجہ کمال میں ایمان و اسلام ایک ہو جاتے ہیں، ایک طرف تصدیق بالہمان کا حکم
ہے تو دوسری طرف عمل بالحوارج کا بھی مطالبہ موجود ہے، توحید قرآن نے مساجد کے باطنی تعمیر
کا حکم فرمایا: اِسْمَاعِيلُ طَاهِرٌ اِذَا اساتھ ہی ظاہری احترام کو بھی نہ چھوڑا، ارشاد فرمایا

يَا اِبْنِ اٰدَمَ خُذْ زِينَتَكَ عِندَ
كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف-۳)

اے آدم کے بیٹو! مسجد کی ہر حاضری کے وقت

اپنا لباس زمینت پہن لیا کرو۔

یعنی جب عرض و نیاز کے لئے، مناجات اور سرگوشی کے لئے دربار الہی میں آؤ تو صفات متہل
لباس زیب تن کر لیا کرو، جو پاک و صاف اور شرعی حدود کے مطابق ہو تو تم احکم الحاکمین کے سامنے

اس کے مبارک حاضری دے رہے ہوں ظاہری آداب کا بھی پورا پورا لحاظ رکھو، تاکہ ظاہری طور پر بھی کسی کو بے ادبی کا شبہ نہ ہو سکے یہ درست ہے کہ وہ پہلے دل کی گہرائی کو دیکھتا ہے مگر دل کی صفائی کا اثر جسم پر ہونا بھی ضروری ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ دل کی دیرانی کے ساتھ زینت و عینت ہوتی ہے وہ کسی درجہ میں مطلوب نہیں۔

لیکن موجودہ دور میں دین کی عدم محبت کی وجہ سے لباس میں جو بے پرواہی ہوتی ہے وہ بھی کسی درجہ میں پسندیدہ نہیں ہے، اس آیت سے مسجد کے لئے حسنِ ہیئت کا حکم بھی مستفاد ہوتا ہے جو مسجد کی بزرگی و احترام کا ایک دلنشین طریقہ ہے، تفسیر ابن کثیر میں ہے اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز کے وقت ہیئت اچھی سے اچھی ہونی چاہئے۔

صاحب تفسیرات احمدی لکھتے ہیں

ومن السنة ان يخذ الرجل
احسن هيئة للصلاة وفيه
دليل على وجوب ستر العورة
سنت ہے کہ نماز کے لئے اچھی سے اچھی ہیئت
اختیار کرے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ نماز
میں ستر عورت واجب ہے۔

في الصلاة (ملا)

بہر حال قرآن پاک نے مسجدوں کی تعظیم و تکریم کے دونوں پہلو بیان کئے ہیں اور ان کی قدردانی و عزت کو ہر طرح ذہن نشین کرنا چاہا ہے
مہر کاغذ سب مسجدوں کی عظمتِ شان کا یہ بھی طریقہ ہے کہ جو ان کی مخالفت کیے وہ عند اللہ سے بڑا ظالم ہے | معنوب قرار پائے اور واقعہ ہے کہ جس کو خدا ظالم کہے اس سے بڑھ کر معنوب اور
کون ہو سکتا ہے چنانچہ ایک آیت میں یہی بیان ہے کہ جو دربارِ الہی کی مخالفت کسی طرح بھی کرتے
ہیں وہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں، کیونکہ ان کی عظمت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان میں داخلہ ہونے
خلیفتِ الہی اس پر چھاتی ہوئی ہو،

صاحب کثیر

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ دَمَعَ مَسَاجِدَ
 اللَّهِ أَنْ يَدَّ كَرَفِيهَا اسْمُهُ وَيُحْيِي
 فِي خَرَابِهَا أَوْلِيَّكَ مَا كَانَ لَهُمْ
 أَنْ يَدَّ يَحْلُوَهَا إِلَّا خَالِفِينَ لَهُمْ
 فِي الدُّنْيَا خِرَئِيٍّ لَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ
 عَذَابٌ عَظِيمٌ (نقرہ - ۱۴)

اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی
 مسجدوں میں ذکر اللہ کو بند کر دے اور اس کی دیرانی
 کی کوشش کرے، ان لوگوں کو تو کبھی بے باک ہو کر
 ان میں قدم بھی رکھنا نہ چاہئے، ان کی دنیا میں بھی بڑائی
 ہوگی اور آخرت میں بھی ان کی سزا سخت ترین ہوگی

شانِ نزول میں اگرچہ یہ آیت خاص ہے مگر اپنے حکم میں عام ہے، اور تمام مسجدوں کا یہی حکم
 ہے، جو کوئی بھی مقاصدِ مساجد کی تکمیل میں مانع بنے گا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی یاد کو قصداً روکے
 گا اور عذاب ہوگا، اور عند اللہ وہ بڑا ظالم قرار پائے گا، اس میں شبہ نہیں ہے کہ اپنے حال کے
 اعتبار سے کفر و شرک ہی ظلمِ عظیم ہے مگر اس لحاظ سے کہ تخریبِ مساجد کے خواہاں دوسروں کو بدعت
 سے روکتے ہیں اور اسلام کے ایک بڑے شعار کو مٹاتے ہیں وہ اپنے اس فعل میں کفر و شرک سے
 بھی بڑھ کر بڑے کام کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ یہ دربار الہی روئے زمین پر اسلام کا ایک بڑا شعار
 اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں مساجد کی اہمیت کا ایک اور طرزِ بیان اختیار فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ دینِ لغت
 ان مقدس گھروں کی حفاظت و نگرانی فرماتا ہے کوئی قوم جب حد سے تجاوز کرتی ہے اور معابد کے
 مٹانے کے درپے ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے اور اس طرح اپنے معبدوں کی
 نگرانی کر کے اسے بچا لیتا ہے،

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
 بِبَعْضٍ لَّهَدَّ بَثَّ صَوَامِعُ وَبِحُجَّ
 وَصَلَوَاتٍ مَسَاجِدُ يَدَّ كَرَفِيهَا
 اِسْمُهُ كَثِيرًا (۷۰)

اگر ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں میں ایک دوسرے کا ہند
 نہ لگاتا تو اپنے اپنے زمانہ میں ہندوؤں کے عبادت
 اور غلوٹ خانے اور یہود کے عبادت خانے اور
 مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں بکثرت اللہ تعالیٰ کا
 نام پکارا جاتا ہے منہدم ہو گئے ہوتے۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا، ہر زمانہ میں اس وقت کی شریعت کے مطابق جو گھر
 بھی بنائے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو دشمنوں کے دست برد سے بچایا اور
 ہمارا یہ دور جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی ہوئی شریعت کا دور ہے اور یہ آخری شریعت
 ہے اس کے مطابق جو مجمع معنی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے گھر میں بن کی بجانب اللہ حفاظت ہوتی
 رہی ہے اور ہوتی رہے گی، بعض حفاظت ایسی ہوتی ہے جس کو ہم محسوس نہیں کرتے ہیں اور
 بعض کو ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔

تاریخ میں مسجد حرام پر ابراہیم بادشاہ کے حملہ کی داستان تازہ ہے اور اس کا جو حشر ہوا
 وہ قرآن پاک جیسی ان مٹ کتاب میں مندرج، ارشاد ربانی ہے
 وَأَسْأَلُ عَلَيْهِمْ طَبْرًا أَبَابِلَ تَرْفَعُهُمْ يَحْرَقُونَ سِجِّيلٌ فَنَحْطُهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُولٍ (الکہف)
 یہ کس قدر کھلی حفاظت تھی، جو تاریخ میں اب تک تازہ ہے،
 مسجد سے متعلق قرآن پاک کی یہ چند آیتیں جو مصرع ہیں پیش کر دی گئیں، غرض جو تذکرہ کیا
 ہے اسے یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے، ان میں بار بار غور کیجئے اور ہر پہلو سے ان میں فکر و نظر سے
 کام لیجئے۔

اب آئیے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات بھی ملاحظہ کر لیں تاکہ ان درباروں کی وقت
 و حرمت کھل کر سامنے آجائے اور جو پہلو جاگرنہ ہو سکا ہے اس پر ایک ہلکی روشنی پڑ جائے، کیا
 عجب ان سے وہ گھر میں کھل جائیں، جواب تک نہ کھل سکی گئیں۔
 مسجد اللہ کو بیاری ہے | حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 رب العزت کے یہاں شہروں میں محبوب ترین مسجدیں ہیں اور منبغوض ترین بازائے اللہ،
 مسجد میں آنے والے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان صبح شام مسجد میں حاضر
 اللہ کے یہاں ہیں | ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مہمانی کا کھانا تیار کرتا ہے، جو جنت میں

۱۔ مسلم باب فضل المساجد ص ۱۲۷ ج ۱

صبح و شام ہمانی پیش کی جائے گی، مسجد میں چونکہ اللہ تعالیٰ کا گھر کہلاتی ہیں، اور یہ مستحب ہے کہ عوام میرا
ہمان کی دعوت کرتا ہے، تو بات سمجھنے کی ہے کہ نمازی حکماً اللہ تعالیٰ کے ہمان ہوتے، لہذا اللہ تعالیٰ
یہاں کے جلد دہاں جنت میں ہمانی پیش کرے گا۔

نور کمال کی بشارت ایک بار آپ نے ان لوگوں کو جو تاریکی میں بھی مسجد حاضر ہوتے ہیں نور کمال کی بشارت
سنائی۔

نشر المشائین فی الظلعالی المسجا

تاریکی میں مسجد جانے والوں کو نور کمال کی بشارت

بالنور التام یوم القیامۃ

دو جو قیامت کے دن حاصل ہوگا۔

التومذی مشکوٰۃ باب المساجد

مسجد کی حاضری رحمت ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں اس دن
اپنی کافذ عیب ہے پناہ دے گا جس دن اس سایہ کے سوا کوئی اور سایہ ہی نہ ہوگا، ان سات
میں ایک وہ شخص ہوگا کہ وہ جب مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا وسیع اسی طرف لگا
رہتا ہے، ایک حدیث ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہے، اب العزت
اسے نقصان، خسران وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا
جس شخص کو دیکھو کہ مسجد سے محبت کرتا ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے، اس کے مومن ہونے
کی شہادت دو،

حدیث میں "تعاهد" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مسجد کی نگہداشت و خبر گیری کرنا، اس
کی محافظت و مرمت کرنا، چار و دینا، نماز پڑھنا، عبادت میں مشغول رہنا، ذکر کرنا، علوم دینی کا درس
دینا۔ ان تمام معنی کو یہ لفظ شامل ہے۔

جہاننی سبیل اللہ ایک دفعہ آپ نے مسجد جانے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ رحمت الہی میں غوطہ
لگائے واسے میں ایک دوسری حدیث میں ہے کہ وہ جہاننی سبیل اللہ ہیں۔

لے مشکوٰۃ باب المساجد مواضع الصلوٰۃ عن البخاری والمسلم ابی داؤد ابی یوسف ابن ماجہ وغیرہ

۳۸ محمد قاضی گھنوی ص ۳ ج ۳ نے کثر العمل ص ۳۸

مساجد شہ کے گھر میں مسجدوں کی عظمت کو مختلف پیرایوں میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ان کو اللہ تعالیٰ کے گھر سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

المساجد بيوت الله وقد ضمن الله

لمن كانت المساجد بيته بالروح

والراحة والجوار على الصراط

الى الجنة ركن العمال ج ۲ ص ۱۱۱

یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گھر اور چار دیواری میں سکونت کا محتاج ہے، ان تمام چیزوں سے اللہ تعالیٰ پاک ہے مطلب یہ ہے کہ ان گھروں پر اس کا خاص فیضانِ رحمت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں مسجدوں کو آخرت کا بازار کہا گیا ہے۔

مساجد جنت کے باغ ہیں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دانشمندان طریقہ سے فرمایا۔ تم جب جنت کے باغوں سے گزرو تو آسودہ ہو کر کھاپی لو، صحابہ کرام نے دریافت کیا، کہ جنت کے باغات کون؟ ارشاد ہوا مساجد۔ پھر پوچھا گیا آسودہ ہو کر وہاں کھانا کیوں کر؟ ارشاد فرمایا، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا ورد۔

مساجد دنیا کی بہتر جگہ اور بار رسالت میں ایک یہودی پنچا اور اس نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے بہتر جگہ کون سی ہے؟ رحمت عالم مسلم نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور کہا مرا یہ سکوت روح الامین کی آمد تک ہے، اب ابھی اسی حال میں تھے کہ حضرت جبریل امین تشریف لے آئے، حضور فرماتے ہیں کہ میں نے وہ سوال ان پر پیش کر دیا، جبریل امین فرماتے تھے مرا علم اس سلسلہ میں آپ سے زیادہ نہیں ہے ہاں پروردگار عالم سے معلوم کر کے بتا سکتا ہوں، پھر تھوڑی دیر میں حضرت جبریل آکر کہنے لگے اے اللہ کے پیارے رسول! میں دربارِ نبوی میں حاضر ہوا، اور اس قدر قریب ہوا، جتنی قربت کبھی نہ ہوئی تھی آپ نے پوچھا وہ نزدیک کی کیسی تھی، روح الامین نے جواب دیا، مرے اور ربِ انجوت

لے مشکوٰۃ باب المساجد عن الترمذی

کے درمیان ستر ہزار فوری پردے مائل تھے، پھر حضرت علی اللہ علیہ وسلم کے پہلے سوال کو جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا کی بدترین جگہ بازار ہیں اور اس کی بہترین جگہ "مساجد" مسجد کی برکت [حضرت معاذ بن جبلؓ ایک طویل القدر صحابی ہیں ان کا بیان ہے کہ ایک دن خلافت موعول صبح کی نماز میں تاخیر ہو گئی، معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب نکل آجئے گا، اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے، اقامت کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی اور بہت لمبی نماز پڑھائی، سلام پھیرنے ہی آواز دی، تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جاؤ، راوی کا بیان ہے کہ پھر آنحضرت ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تاخیر کی وجہ بیان کرنا ہوں، بات یہ ہوئی کہ میں رات میں نیند سے بیدار ہوا، جو کچھ نماز میرے لئے مقدر تھی وضو کر کے ادا کی، پھر حالت نماز ہی میں غنودگی کی کیفیت طاری ہو گئی اور بوجھل سا ہو گیا کہ مٹا اپنے کو پروردگار عالم کے پاس پایا، جو اپنی احسن صفت کے ساتھ جلوہ گر تھے، ارشاد باری ہوا اے محمد! میں نے کہا لبیک ساریت۔ حکم ہوا: بتاؤ ملا علی کے فرشتے کس باب میں جھک گئے ہیں اس سوال کو تین بار فرمایا میں نے ہر بار یہی کہا "لا ادری" میں نہیں جانتا، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت مجھ پر ڈالا۔ تا آنکہ اس کا نمایاں اثر میں نے محسوس کیا، اس کے بعد ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی، اور میں نے ان کو خوب اچھی طرح جان لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! آپ کہتے ہیں کہ میں نے لبیک کہا، حکم ہوا ملا علی کس بات میں الجھ رہے ہیں۔ اب میں نے کہا "کفارات" میں (یعنی گناہوں کا کفارہ کون عمل بنتا ہے) ارشاد باری ہوا، وہ کیا ہیں؟ میں نے جواب میں کہا

(۱) کھانا کھانا دار مسکینوں محتاجوں کو

(۲) نرمی سے بات چیت کرنا دزیدستوں اور ٹوٹے ہوئے دل والوں سے،

(۳) اور نماز پڑھنا رات میں، جب لوگ خواب استراحت کے مزے لوٹ رہے ہوں، پھر

آپ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مانگو جو چاہتے ہو، آپ فرماتے ہیں، کہ میں نے اس وقت یہ دعا مانگی۔

لے مشکوٰۃ باب المساجد من ابن حبان

”اللَّهُمَّ اسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَأَنْ تُخَفِّرَنِي
وَإِذَا أَمَرَدْتَ فِتْنَةً فَتَوَقَّيْ خَيْرَ مَقْنُونٍ وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ
عَمَلِ نَبِيِّكَ إِلَى حَبْلِكَ“

اس کے بعد آپ نے فرمایا یہ سب حق ہے پس اسے یاد کر لو اور پڑھو
مساجد شہار اسلام مسجد شہار اسلام سے ہے، حدیث میں ہے کہ تم جب کوئی مسجد دیکھو، یا اذان
سن لو تو پھر قتال نہ کرو دوسرے یہ کہ مسجد محل صلوٰۃ اور مرکز عبادت ہے جہاں رحمت الہی کا ہمیشہ
ترشح ہوتا رہتا ہے اور یہ مسجد اسی درجہ سے کعبہ کے مشابہ ہو جاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے کہ جو پاک صاف ہو کر گھر سے زمین ناز کے لئے نکلتا ہے اس کا اجر محرم حاجی کے برابر ہے
نیت کی پاک آنحضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رحمت عالم مسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مری تھا
مسجد میں کسی پاک اور اچھی نیت سے آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کی مانند
ہے، اور جو کسی اور نیت سے آتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے، جو دوسرے کی متاع
چھانی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہو، ایک دفعہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں جس ارادہ سے آتا ہے
وہی اس کے حصہ میں آتا ہے۔

صاحب اشعۃ اللمعات نے ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ والی پہلی حدیث کے ضمن میں مثال
دے کر بتایا ہے کہ مسجد میں کتنی مختلف نیتوں سے آدمی آ سکتا ہے اور پھر ہر ایک کا اجر بتا رہا ہے، اور
اور تمام نیتوں کا اجر حدیث ہی سے ثابت کیا ہے تفصیل دیکھنا ہو تو وہاں ملاحظہ فرمائیے،
قرآن اور احادیث میں مسجدوں کے متعلق جو کچھ آیا ہے امید ہے اس کا خلاصہ اس مختصر
مضمون میں آگیا ہے، دانا دینا اور عقل والوں کے لئے اس میں بڑی وسعت ہے،

یہ جو کچھ لکھا گیا وہ یکسر مساجد کے متعلق، مگر مسجد کی عظمت ایک اور طریقہ سے بھی سمجھنے

۱۔ مشکوٰۃ باب المساجد عن الزمذنی راجعہ بحوالہ البانی جلد اول ص ۱۹۲ مشکوٰۃ باب المساجد ج ۱

فضل القمونی المسجد

کی کوشش فرمائیے کہ یہ عظیم الشان دربار، دینی اور دنیوی اعتبار سے کتنا بلند ہے
 مسجد کی قربت اس گھر کی بڑائی کا یہ حال ہے کہ اس کا فیض و کرم پڑوس کو بھی نہیں محروم کرتا، رحمت
 کی پھینٹیں اڑ کر ان پر بھی پڑتی رہتی ہیں، جس سے ان کا درجہ بھی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے ارشاد
 نبوی ہے۔

فضل الدار الفہیۃ من المسجد
 علی الناصحۃ کفضل الغازی
 علی القاعد (کنز العمال ص ۱۲ ج ۲)
 مسجد سے جو گھر قریب ہیں اس کی فضیلت
 دور والے گھر پر ایسی ہے جیسی غازی کو گھر
 میں بیٹھنے والے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے
 دیکھا آپ نے، کہ پڑوس کا مرتبہ بھی کتنا اونچا ہو گیا، یہ قریب اور اس پاس کے مکانات
 اپنے دوسرے مکانات سے سبقت لے گئے، اور ایسا کیوں نہ ہو، جہاں رحمت الہی کی بارش
 ہوتی ہے، جو جلوہ گاہ خدا ہے اور جس کو دنیا کی جنت کہا گیا ہے۔ یقیناً اس کا پڑوس بھی اس سے
 کچھ نہ کچھ نفع اندوز ہو گا ہی۔

تسکین خاطر اگر اس کے ساتھ قدرت کا یہ انصاف بھی ہے کہ جو دور رہتے ہیں ان کو بھی محروم
 نہیں کیا ہے بلکہ ان کو بھی کسی نہ کسی طرح یہ حصہ عطا کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

ان اعظم الناس اجراً فی الصلوۃ
 البعدہم الیہا ممشی فالبعدہم
 والذی ینتظر الصلوۃ حتی یصلیہا
 مع الامام اعظم اجراً من الذی
 یصلیہا ثریام

مسلم باب کثرة الخطا الی المساجد و فضل الشی ایہا

اس حدیث میں ان کے لئے تسلی و تسکین کا مواد فراہم کیا گیا ہے جو مسجد سے دور رہنے اور
 رہتے رہتے ہیں، اور پڑوس کی محرومی کا تدارک اس ثواب عظیم سے کیا گیا ہے جو دور سے مل

کرائے میں ہوتا ہے اور اس چلنے کے ثواب کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوئی قدم ثواب سے خالی نہیں ہے۔

مسجد میں ماثواب حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ہمارا گھر مسجد سے دوری پر تھا، ایک موقع سے میں نے ارادہ کر لیا کہ اپنا گھر بیچ ڈالوں اور چل کر مسجد نبوی کے پڑوس میں (جس حد تک ممکن ہو) بسوں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس ارادہ سے روک دیا اور فرمایا

ان لکم بكل خطوة درجة
بے شک تمہارے لئے ہر قدم پر ایک درجہ ہے

(مسلم باب كثرة الخطا الى المساجد ج ۱ ص ۲۲۲)

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ مسجد نبوی کے پڑوس میں کچھ جگہ خالی ہوئی، قبیلہ بنو سلم جو مسجد سے دوری پر آباد تھا اس کا ارادہ ہوا کہ پڑوس میں آکر آباد ہو، اور پہلی جگہ چھوڑ دے یہ خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا، انہوں نے اثبات میں جواب دیا، آپ نے جب ان کا یہ ارادہ ملاحظہ فرمایا تو ان سے کہا

یا بنی سلمۃ دیار کھٹکتا ہے ناں کھر
اے بنی سلمہ! اپنے مکانوں کو لازم پکڑو، تمہارے

(مسلم باب كثرة الخطا الى المساجد ج ۱ ص ۲۲۲)
نشان قدم لکھے جائیں گے، اپنے مکانوں کو لازم

پکڑو۔ تمہارے نشان قدم لکھے جائیں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان کو ترغیب دی کہ جہاں تھے وہیں رہیں دوری سے نہ گھبرا ئیں یہ دوری بھی باعث ثواب بنتی ہے یعنی وہاں سے چل کر جب مسجد آتا ہوتا ہے تو چلنا زیادہ پڑتا ہے اور اسی اعتبار سے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ یہاں ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے، پھر یہ بھی ایک پر لطف بات ہے کہ آدمی جب گھر سے با وضو مسجد کے لئے نکلتا ہے تو گویا وہ نمازی میں ہوتا ہے اس طرح اجر میں کچھ اور اضافہ کی توقع ہے۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا

مسجد سے جو جس قدر دور ہوتا اور وہ آتا ہے اس

الا بعد فالاعد من المسجد

راہِ وادب باب ماجاء فی فضل الشی الی الصلوۃ

حضرت آئی بن کعبؓ ایک انصاری کا غلام تھا۔ یہ کہتے ہیں کہ یہ صاحبِ مرے علم میں مسجد سے نمازیوں میں، سب سے دور رہتے تھے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ ہر وقت بہ پابندی کھڑے حاضر ہوتے تھے، کبھی بھی ان کی جماعت نہیں چھوڑتی تھی۔ ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ کاش آپ سواری کے لئے ایک گدھا خرید لیتے، تاکہ آپ کو راست کی تاریکی اور پتے دن میں مسجد آنے میں آرام دے، انہوں نے یہ سن کر فرمایا، مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں مسجد کے قبل ہوتا اور چلنے کی مشقت سے بچتا، بلکہ مری تو خواہش یہ ہے کہ آنے جانے میں جو قدم اٹھیں ان تمام کے نشان قدم میرے نامہ اعمال میں لکھ دئے جائیں۔ اس کے بھی اور دایسی کے بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا آمدورفت دونوں کے ثواب اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کیے۔

ایک دفعہ رسولِ تعالٰیٰ صلعم نے ارشاد فرمایا کوئی جب پاک و صاف ہو کر وضو کی مسجد کے لئے چلتا ہے کہ فریضہ ادا کرے تو ایسے شخص کا ایک قدم گناہ کو مٹاتا ہے اور دوسرا جہنم کی پلندی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

سفر کی دایسی میں مسجد کی حامی مساجد کی ایک عظمتِ شان یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے جب واپس ہوتے تو سب سے پہلے مسجد ہی میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے، وہاں لوگوں سے مل کر گھر تشریف لے جاتے۔ آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دایسی سفر کی دستور ہو گیا تھا کہ مسجد میں اترنے نماز ادا کرتے، پھر منزل مقصود کی طرف چلتے اب بھی مسلمانوں کے لئے یہ طریقہ مستحسن ہے۔

احکام جو ایک سنتِ طریقہ ہے اور بیش قیمت فوائد پر مشتمل ہے اس کے لئے بھی مسجد کی طرف

مسلم باب فضل الصلوۃ الکتاب فی جامعہ النوویؒ ج ۱ صفحہ ۲۲۹

احبابِ کات

تذکرہ غالب

(حبابِ آلم مظفر نگر)

وہ نگاہ میں یوں مسلا جی دور و پہاں ہو گئیں
 جلیس میں پھر طور پر شاید نسا یاں ہو گئیں
 ضبطِ کرم کی قوس میں مرنے کا سماں ہو گئیں
 دیکھیں وہ کیا حرمِ حسن کی تابانیاں
 قید میں بھی اشکِ رنگیں نے سجادی ہے بہا
 دقتِ عالم میں وہ، میرِ حب، اہل بیت بقرار
 چند تصویریں ازل میں تھیں جو محفوظ حباب
 ساحلِ مقصد پہ پہنچی ہیں وہ سب کشتیا
 میں ہیں اب قیدِ جسم میں کراے جو شہزادوں
 خط و خطی کی رشتیں گلکاریاں ممکن نہیں
 کئی مدت میں چھٹا قیدِ قفس سے مصنف
 کلامِ اکبرِ شہر کے دن عشق کی ناکامیاں
 اس عین میں کس طرح ٹھہریں بتالے ہم نوا
 میری نظروں سے طیں اور چورگ جاں ہو گئیں
 میرے غم خانے کی سب شمعیں نور ہو گئیں
 گھٹنے گھٹنے - دل میں آہیں کاہش جاں ہو گئیں
 جو نگاہیں پر وہ جلوہ سے حیراں ہو گئیں
 سب قفس کی تیلیاں شلخِ گلستاں ہو گئیں
 کون ان سے یہ کہے زلفیں پریشاں ہو گئیں
 میری خاطر رونق بانا رامکاں ہو گئیں
 ناخدا کہتا ہے جن کو غرقِ طوقاں ہو گئیں
 جسم کی ساری رگیں زنجیرِ زنداں ہو گئیں
 یہ بہاریں وہ ہیں جو باسندِ زنداں ہو گئیں
 گلشنِ ہستی کی بنیادیں بھی ویراں ہو گئیں
 اے زہے قسمت جوابِ نوحہ صیلاں ہو گئیں
 جب نفائیں بھی بہاں کی دشمن جاں ہو گئیں

کادواوندگی میں جبرِ فطرت سے آلم

جتنی تدبیریں تھیں سب تقدیرِ انساں ہو گئیں

جہاں آشیاں پہ ناز تھا وہ آشیاں نہیں

(جناب شیر جہانوی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ملنگ)

اب میرے دل میں کوشش ہوئی نہیں	ریخِ قفس، نراقِ شمعِ گراں نہیں
پہاں تری نظر سے مرا آستان نہیں	جو پہلہ درمیاں تھا وہ اب درمیاں نہیں
اس آگ میں پشت تو ہے لیکن جہاں نہیں	دل جل گیا مگر مرے لب پر فقاں نہیں
محدود آشیاں مری آہ و فقاں نہیں	گلشن کا ذکر کیا ہے لرزنی ہے کائنات
یہ ماجرائے غم ہے کوئی داستان نہیں	حالِ دل تباہ سنیں آپ غم سے
نیری نظر نظر ہے تو مجھے کہاں نہیں	دیدِ حرم کی قید سے ہو کاش بے نیاز
دنیا ہے ناشناس کوئی راز داں نہیں	فطرت نے یہ سمجھ کے اٹ دی نقایح
اب گردِ کارواں بھی پس کارواں نہیں	کہوں کر سکون ہو دلِ حسرتِ نصیب کو
اہلِ نظر کے واسطے ساحل کہاں نہیں	ہر موجِ بحرِ عشق ہے ساحل لئے ہوئے
دنیا سمجھ رہی ہے جہاں میں وہاں نہیں	اک راز ہے کنالِ محبت میں بے خوری

رودادِ انقلابِ چین کیا کہوں مشیر

جہاں آشیاں پہ ناز تھا وہ آشیاں نہیں

جہاں آشیاں پہ ناز تھا وہ آشیاں نہیں
جہاں آشیاں پہ ناز تھا وہ آشیاں نہیں
جہاں آشیاں پہ ناز تھا وہ آشیاں نہیں
جہاں آشیاں پہ ناز تھا وہ آشیاں نہیں

کامیابی آخری ٹکڑہ صبح نہیں ہے متعدد مفسرین کے خلاف جرأت یہاں ہے پھر ”حتیٰ“ کا مطلب
 کے جو معنی انھوں نے خود بیان کئے ہیں ان کی نسبت انھیں خود اعتراف ہے کہ یہ معنی غریب
 ہیں اس بنا پر جب تک سیاق و سباق میں کوئی قرینہ قویہ موجود نہ ہو یہ معنی مراد نہیں لی جاسکتے
 اور افسوس ہے کہ کوئی قرینہ اس کے لئے ایسا قوی موجود نہیں ہے اسی طرح ذبح قبر بعد قتل
 نفس پر بحث کے سلسلہ میں کَذَّالِکَ یُحْیِی اللہُ الْمَوْتِی کی تفسیر میں فاضل مصنف کا حیات
 سے پر امن زندگی اور موت سے پریشان زندگی مراد لیا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاً ”کَذَّالِکَ“
 خود اس کی طرف اشارہ ہے کہ حیات اور موت سے مراد ان کے حقیقی معنی ہیں اگر معنی وہ ہی مراد ہونے
 جو مولف نے بیان کئے ہیں تو اس میں کوئی عجوبہ بات نہ تھی اور اس بنا پر اس واقعہ کو ”کَذَّالِکَ“ قرار
 حیات بعد الموت کے لئے یہ طور استشہاد پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی پھر فاضل مصنف نے ولکم
 فی القصاص حیوة“ اور ایک اور آیت سے جو استشہاد کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں کیونکہ
 قصاص والی آیت میں حیوة سے مراد پر امن زندگی نہیں بلکہ حقیقی زندگی ہی ہے اسی طرح
 کَمَا نَمَّا أَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا“ میں ”کَمَا“ خود اس کا قرینہ ہے کہ ”احیا“ سے مراد حقیقی طور
 پر زندہ کرنا ہے یہ اور اس قسم کی اور بھی متعدد تفسیریں ہیں جن سے ہم کو اختلاف ہے اور
 اس اختلاف کے لئے قوی وجوہ بھی ہیں جن کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت ہے اور نہ تلاش
 لیکن اس سے کتاب کی افادیت اور اہمیت میں فرق نہیں آتا اس میں شبہ نہیں کہ فاضل مصنف
 کا قرآنی ذوق بہت سلجھا ہوا اور شگفتہ ہے۔ اس مجموعہ کے سب مضامین کافی غور و فکر و تلاش
 و تحقیق کے بعد لکھے گئے ہیں پھر انداز بیان بھی دلچسپ اور عام فہم ہے جس میں کوئی گنجلک نہیں
 جو کچھ لکھا ہے وہ سب لکھا ہے خصوصاً بعض مقالات مثلاً حضرت موسیٰ کے واقعہ ایثار سانی کی تحقیق
 ”وَالْجَوَادُ أَهْوَى“ اور بعض اور مضامین بہت قابل قدر اور فاضلانہ ہیں بامعید ہے کہ بار بار
 ادق سے کی قدر کریں گے۔

ہزار سال پہلے از جناب مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانی تقطیع متوسط مقامات

ممنوعات کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد دوم، پتہ: انجمن ثمرۃ التریب سورتیان دیوبند۔
 دارالعلوم دیوبند کے سورتی طلباء نے ثمرۃ التریب کے نام سے ایک انجمن قائم کی ہے
 جس کا مقصد طلباء میں تحریر و تالیف کا ذوق پیدا کرنا اور اچھی کتابوں کا شائع کرنا ہے خوشی کی بات
 ہے کہ اس دوسرے مقصد کا آغاز انجمن نے ایک ایسی فاضل مہستی کے رشحاتِ قلم سے کیا ہے جو
 خود ناظرین دارالعلوم کی انگشتی کا ایک چمکتا ہیرا ہے اس کتاب میں فاضل مصنف نے پتھری
 اور چوتھی صدی ہجری کے نامور مسلمان سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کی مدد سے اپنے سے ایک
 ہزار سال پہلے کے ہند، چین، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں کے
 حالات - رسوم و عوائد - ادب و تخیلات - سماجی اور اقتصادی معاملات و تعلقات اپنے مخصوص
 انداز میں بیان کئے ہیں اور واقعات کے بیان کے ساتھ ان سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان
 کا بھی ذکر ہوتا گیا ہے اس اعتبار سے یہ کتاب معلومات افزا مفید اور دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز و
 نصیحت آموز بھی خاص ہند اور چین کے حالات میں مسلمانوں کے ساتھ اس زمانہ کے ہندوؤں اور
 بدھوں کے شگفتہ و خوشگوار تعلقات کی جو تصویر اس کتاب میں نظر آتی ہے اس سے حقیقت
 بائبل صاف نمایاں ہو جاتی ہے کہ آج کل دونوں قوموں میں جو کشیدگی بلکہ منافرت پائی جاتی ہے
 اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن ہر حال مذہب اس کی بنیاد ہرگز نہیں ہو سکتا جیسا کہ فاضل مصنف
 نے خود مقدمہ میں لکھا ہے یہ کتاب دراصل موصوف کی چند منتشر اور غیر مرتب یادداشتوں کا
 مجموعہ ہے جو پہلے تسطوار رسالہ دارالعلوم میں چھپتا رہا اور پھر طلباء کے اصرار سے مولانا نے
 اس کو نظر ثانی اور ترتیب کے بغیر ہی کتابی صورت میں چھاپنے کی اجازت دے دی۔ اس بنا پر
 میں مذکور ترتیب اور ربط مضامین ہے جو ایک پہلے سے سوچی ہوئی تالیف میں ہونا چاہئے
 اور نہ وہ جامعیت معلومات ہے جو مولانا موصوف ایسے وسیع النظر عالم کی تصنیف میں متوقع
 ہو سکتی ہے۔ تاہم کتاب موجودہ حالت میں بھی بلائی مطالعہ اور دلچسپ ہے اور اگر یہ کتاب
 و طباعت کی غلطیاں بھی بکثرت رہ گئی ہیں لیکن پہلا کا نامہ ہونے کے لحاظ سے اس کی انجمن

حاصلِ افزائی اور واد کی مستحق ہے

نوائے حیات | طبعِ دوم از جناب سیمئی اعظمی صاحب تقطیع کلاں ضخامت ۲۰۴ صفحات کتابت و طباعت بہترینیت ہے۔ ۱۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

جناب سیمئی اعظمی اردو کے مشہور اور معیاری شاعر ہیں۔ موصوف شاعری کے شبلی اسکول کے تخلص رکھتے ہیں اس لیے ان کے کلام میں اس اسکول کی تمام خصوصیات مثلاً خیالات میں نادر اور عظمتِ بیان میں صفائی اور سہجائی، روانی اور سلاست، زکاکیب میں شکوہ و متانت پورے درجہ پائی جاتی ہیں ابتداء اور دہشِ عام سے بچنے کا بہاں تک اہتمام کیا ہے کہ قبول ہونا سید سلمان ندوی کے جنہوں نے اس مجموعہ پر آٹھ صفحات کا مقدمہ لکھا ہے۔ اس پورے مجموعہ کلام میں نئی ایک شعری مصرعہ بھی ایسا نہیں ہے جو تخلص یا شاعر کے نام کی شرکت سے آلودہ ہو۔

اس مجموعہ میں غزلیں تو برائے بیت ہی ہیں اگرچہ جتنی بھی ہیں کیفیت سے خالی نہیں پورا بڑے نظموں اور قطعات پر ہی مشتمل ہے جو مختلف عنوانات مثلاً حمد و نعت، صلوة و سلام، احوال، ہم عصر، قومی، ملی و سیاسی، اخلاقی، ادبی اور نچرل مناظر سے متعلق لکھی گئی ہیں اردو کے علاوہ فارسی کی بھی چند نظمیں اور قطعات ہیں اس میں شبہ نہیں کہ یہ مجموعہ کلام ہمارے خیالات کے عناصرِ صالحہ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے جس میں دعوتِ عمل بھی ہے اور حسنِ خیال حسنِ ادابی جو شاعری بھی ہے اور حکمت بھی جس میں کیفیت و رنگینی بھی ہے اور لطافتِ خیالی۔ اردو و آخر بھی ہے اور حوصلہ و امید بھی جیسا کہ ہم نے کہا لائقِ مصنف کی زبان شگفتہ اور باوقار ہے لیکن اس کے باوجود یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بعض بعض متروک الاستعمال الفاظ مثلاً ”تک“ کے بجائے ”تک“ سکھانے کے بجائے ”سکھانا“ (ص ۱۵۰ و ۱۵۱) سے اجتناب نہیں کیا گیا ہے۔ سی طرح بعض حکایات بھی صحیح نہیں ہیں مثلاً ”سراپا درد مند حیات“ اور اشرف المخلوقیت (ص ۱۵۰ و ۱۵۱) کہ سراپا درد مند حیات اور اشرف المخلوقیت ”ہونا چاہئے تھا۔“

امورِ پٹیاں | از محترم سید ندوی تقطیع خورد ضخامت ۹۷ صفحات کتابت و طباعت

بین قیمت ۱۲ روپے ۱۔ ادارہ علمی و معنی رام روڈ نئی انارکلی لاہور۔

اس مختصر کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت ہاجرہ سے لے کر مصر کے مشہور لیڈر سعد زاقول پاشا مرحوم کی بیوی صفیہ ہانم تک مختلف اسلامی ملکوں کی اٹھائیس نامور خاتون کے حالات اور ان کی زندگی کے بعض اہم واقعات بہت مختصر طور پر بیان کئے گئے ہیں کہیں کہیں بعض شخصیتوں کے متعلق جو تاریخی مباحث پیدا ہو گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت ہاجرہ کون تھیں؟ باندی ہاجرہ کشمیر کی لاد مجذوبہ ہندو تھی یا مسلمان؟ ان کی طرف بھی اشارے کئے گئے ہیں۔ زبان صاف ستھری اور سلیس ہے کتاب سمیٹیت مجموعی اور ہر ایک قانون کے قلم سے جو شخصیت کے میدان میں نوادہ ہیں وادارہ قدر افزائی کی مستحق ہے۔

تفسیر منظر سبزی

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے بہتیل تحفہ ابواب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیات کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوہر ناباب کہلاتی بلکہ ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ۔ ساہا سال کی اس سیرت کو ششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہوجانے کا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں طبع ہو چکی ہیں و ہر جلد دو جلدیں طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں مل رہی ہیں۔

ہر جلد جلد اول تقطیع ۲۹۰۱۲ سات روپے، جلد ثانی سات روپے، طبع خاص

سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے، جلد ثامن دس روپے، جلد رابع ص، جلد ششم و کتابت

مکتبہ برہان احمدی بازار جامع مسجد علی

قصص القرآن - جلد چہارم - حضرت عیسیٰ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

قیمت پانچ روپے

اسلام کا اقتصادی نظام - وقت کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے - چوتھا ایڈیشن

قیمت للہ

مسلمانوں کا عروج و زوال -

جدید ایڈیشن قیمت للہ

مکمل لغات القرآن - مع فہرست الفاظ

لغت قرآن پر یہ مثل کتاب - جلد اول طبع دوم

قیمت للہ

جلد ثانی - قیمت للہ

جلد ثالث - قیمت للہ

مسلمانوں کا نظم مملکت - مصر کے مشہور

مصنف طاہر حسن ابراہیم حسن ایم اے پی ایچ ڈی کی

محققانہ کتاب انظم الاسلامیہ کا ترجمہ

قیمت للہ

ہندوستان میں مسلمانوں کا

نظام تعلیم و تربیت

جلد اول اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب قیمت للہ

جلد ثانی - قیمت للہ

قرآن اور تصوف - حقیقی اسلامی

اور مباحث تصوف پر جدید اور محققانہ کتاب

قیمت عام مجلد پانچ روپے

ترجمان السنہ - جلد اول - ارشادات

جامع و مستند ذخیرہ - صفحات ۶۰۰ - تقطیع

قیمت عام مجلد پانچ روپے

ترجمان السنہ - جلد دوم - اس جلد

کے قریب حدیثیں آگئی ہیں -

قیمت عام مجلد پانچ روپے

تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن

معہ تنقید و تحقیق از مترجم و نقشبند

قیمت پانچ روپے

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی

ترویج کے مکمل اسلام کے شاندار علمی کا

جلد اول مجلد پانچ روپے

جلد دوم مجلد پانچ روپے

وحی الہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے

پہلی محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر لیے

انذار میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کا

کا ایمان افروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہے

گہرائیوں میں سما جاتا ہے -

جدید ایڈیشن قیمت پانچ روپے

منجھرتہ المصنفین اردو بازار جامع مسجد ملی

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپے بیکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ تحریکیت سے حرج بخشیں گے ایسے علم و ادب کے صاحب کی خدمت میں اداسے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر یاگی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

ن۔ جو حضرات کہیں روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ تحریکیت میں شامل ہوں گے۔ اس سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خاص ہوگا۔ اداسے کی طرف سے ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض اور ادارہ کا رسالہ "برہان" کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

ا۔ تحریکیت۔ جو حضرات اشعار و نثر پر پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان (جن کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے) میں کیا جائے گا۔

نہا۔ نو روپے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے اہل میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت و مطلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔ یہ حلقہ خاص طور پر طلباء کے لئے ہے۔

رسالہ برہان ہر اگلی مہینہ کی ۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔
(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے
ان میں خالص لکھے جاتے ہیں۔

راہتمام کے بہت سے رسالے ٹرانسکریپشن میں شائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے
سے زمانہ ۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرم دو بار بلا قیمت بھجوا دیا جائے گا۔
در شکایت قابل اعتنا نہیں بھیجئے گی

طلباء امور کے لئے ہر آدھ کے مکمل یا جوابی کارڈ بھیجا جائے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ہر حال ضروری ہے۔
سالانہ چندہ ۵۰ روپے ششماہی میں بھیج دیا جائے (مع وصول ایک) فی پرم دس روپے
رہے روکوتہ وقت کہیں ہر پانچ روپے ضرور بھیجئے۔

دعا ہے کہ ہر شخص نے جتنی بھی ہوگی میں اس کا ذکر دفتر برہان آمد و بانار جائے دہلی نہیں لکھتا۔

No. 50.

مصنفین دینی کا علمی و دینی مآبنا

پیشکش کنندہ: مولانا محمد رفیع
پتہ: لاہور

18 NOV 1950

برکات

مرتب
سعید احمد کسٹریادی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست سچ کی جاتی ہے
مفصل فہرست جس سے آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت۔ جدید
ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں۔ قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱

سلسلہ تاریخ پنج ملت۔ مختصر وقت میں تاریخ
اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے، اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی
ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر ہوا اور شگفتہ
بنی عربی صلح تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں
سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص
ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشیں انداز میں لکھا
گیا گیا ہے۔ قیمت پھر مجلد ۱۱

خلافت راشدہ تاریخ ملت کا دوسرا حصہ
عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا
دل پذیر بیان۔ قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱

خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ
قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱

خلافت عباسیہ۔ جلد اول تاریخ ملت کا
پانچواں حصہ، قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱
خلافت عباسیہ۔ جلد دوم تاریخ ملت کا
چھٹا حصہ، قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱

خلافت مصر تاریخ ملت کا ساتواں حصہ
سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۱۰۰، قیمت مجلد ۱۱
فہم قرآن۔ جدید ایڈیشن جس میں بہت سے
اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو
مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱
غلامان اسلام اسٹی سے زیادہ غلامان اسلام
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی
بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱
اخلاق و فلسفہ اخلاق۔ علم الاخلاق
پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب
کو زیادہ دل نغیز اور سہل کیا گیا ہے۔

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن
حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات
واقعات تک۔ قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱
قصص القرآن جلد دوم حضرت یسعٰی سے
حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن۔

قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱
قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام
کے واقعات کے علاوہ باقی قصص و آئی کا بیان
قیمت ۱۰۰، مجلد ۱۱

بُرْهَان

شماره ۵

جلد سبت و پنجم

نومبر ۱۹۵۰ء مطابق صفحہ المظفر ۱۳۰

فہرست مضامین

- ۲۵۸ سید احمد
۲۶۱ حضرت مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانی
۲۶۳ مولانا ابوسلمہ شفیق احمد بھاری استاد مدرسہ اسلامیہ
۲۹۱ حضرت مولانا محمد حنفی الرحمن صاحب سکریٹری
۳۰۳ جناب منشی عبد القدیر صاحب
۳۱۰ از خواجہ احمد قادری ایم۔ اے

- ۳۱۶ جناب آلم مظفر بخاری
۳۱۷ (دس)

- ۱۔ نظرات
۲۔ تحوین حدیث
۳۔ امام دارقطنی
۴۔ مسئلہ قرآنی اور مسلمان
۵۔ مولوی محمد
۶۔ چندی کتابیں
۷۔ آیات
۸۔ داستانِ قفس
۹۔ تقدیر تھری
۱۰۔ سنی پبلشرز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَظَرَات

ایک خبر ہے کہ ابھی حال ہی میں پنڈت نہرو لکھنؤ تشریف لے گئے تو اپنے ایک بیان میں انھوں نے اپنے تاثرات کا اس طرح اظہار فرمایا

”میں بہت دنوں کے بعد لکھنؤ آیا ہوں یہاں تو بڑی تبدیلی معلوم ہوتی ہے جو مکانوں اور دکانوں کی تبدیلی نہیں ہے بلکہ یہاں کی بولی میں جو تبدیلی ہوتی ہے اس کا اثر میں نے محسوس کیا ہے میں نے اپنے آپ کو اچھی محسوس کر رہا ہوں۔ نہ جانے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ اسے سمجھیں گے یا نہیں؟ یہاں جو اشتہار چسپاں دیکھے ہیں اور نوٹس دیکھے ہیں ان کا تو میں ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں یا تو دہلی میں رہ کر بہت کچھ بھول گیا ہوں یا اس شہر نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ میں خود بہت پیچھے رہ گیا ہوں۔“

(ہماری زبان مورخہ یکم نومبر ۱۹۳۷ء)

بھارت کے وزیراعظم اور انٹرنیشنل شخصیت کے مالک ہونے کے باوجود ہمارے پنڈت جی کتنے بھولے ادا سچان ہیں کہ ان کو آج تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہونے کے بعد کسی قوم کے انتہائی ترقی یافتہ ہونے کی دنیا میں صرف دو ہی علامتیں ہیں ایک یہ کہ زبان بگڑنے کے ساتھ ساتھ اس کا ذہن بھی بگڑ جائے اور دوسرے یہ کہ اس ملک کا سب سے بڑا شہری اور اس قوم کا سب سے بڑا آدمی بھی اس ماحول میں اپنے آپ کو ”اچھی“ محسوس کرنے لگے اور یہ آج کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ ابھی پوری ایک صدی بھی نہیں ہوئی کہ کی سی بات ہے کہ انگریزوں نے اس ملک کے لوگوں کو جوان کے خیال میں ناشائستہ غیر مذہب اور ادھام پرست تھے تہذیب و تمدن اور ترقی و شائستگی کے زور سے آراستہ کرنا چاہا تھا تو انھوں نے بھی تو یہ ہی کیا تھا کہ یہاں کے لوگوں کی زبان بدلی۔ صورت اور شکل بدلی اور یہی ملک

کہ ان کا دل اور دماغ بھی بدل ڈالیں جب بدلنا ہی معیار ترقی ہو گیا تو اب اس کی بحث ہی غلط ہے کہ تبدیلی نے شکل کیا اختیار کی ہے بہر حال جمود تو باقی نہیں رہا۔

جو شخص پنڈت جی کے خلوص اور ان کے اس جذبہ بیکار سے واقف ہے کہ وہ کس طرح اپنے ملک کو امریکہ اور انگلینڈ کی طرح خوشحال اور ترقی یافتہ بنا دینا چاہتے ہیں وہ اس دروازہ سوز و گداز کو محسوس کر سکتا ہے جو ان کے اس فقر میں کہ ”میں یہاں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہا ہوں“ چھپا ہوا ہے۔ ہمیں پنڈت جی کے ساتھ اس معاملہ میں پوری ہمدردی ہے لیکن ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ یہ حالت رہنے والی نہیں ہے پنڈت جی آخر بھارت کی ناؤ کے کھین ہار رہی ہیں نا غائب مولانا عالی اس قسم کے موقع کے لئے کہہ گئے ہیں۔

رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا کوئی دن میں گنگا اتر جائے گی

خدا قبر ٹھنڈی رکھے مولانا عبید اللہ سندھی کی ان کی بعض باتیں اس وقت سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور دل انہیں قبول نہیں کرتا تھا۔ لیکن آج حرفِ سحر ان کی تصدیق ہوتی جا رہی ہے فرمایا کرتے تھے کہ ”گاندھی جی دنیا کے بہت بڑے انسان اور بلند پایہ روحانی بزرگ ہیں میرے دل میں ان کی بڑی عظمت و محبت ہے لیکن میرے نزدیک ان سے یہ بہت بڑی بھول ہوئی ہے کہ انہوں نے سیاست کے ساتھ مذہب اور کلچر کا رشتہ جوڑ دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ملک میں سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ مذہبی پرستی اور رجعت پسندی بھی ترقی کر رہی ہے مولانا فرماتے تھے کہ ایک مذہبی ملک میں سیاست کے ساتھ مذہب کا اتنا تعلق تو نہ صرف مناسب بلکہ ضروری ہے کہ لوگوں اور ممالک سے معاملہ کرنے وقت مذہب کے بنیادی اصول اخلاق کا لحاظ رکھا جائے یعنی محوٹ نہ بولا جائے کسی کو قریب نہ دیا جائے کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کی جائے لیکن ہندوستان ایسے ملک میں جہاں مختلف قومیں اور مختلف مذاہب کے ملتے والے آباد ہیں وہاں سیاست پر گفتگو کرنے وقت مذہب کا نام

بہت یا کسی خاص فرقہ یا قوم کے کلچر اور اس کی روایت کہن کا چرچا کرنا ملک کو سیاست میں آگے بڑھانے کے بجائے پیچھے ہٹانے کا سبب ہو سکتا ہے اور اس سے فرقہ وارانہ فضا پیدا ہو کر قوم میں حیت پسندی کے چوائیم پیدا کر سکتی ہے۔

مولانا اس سلسلہ میں ترکی کا حوالہ دیکر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کمال اتاترک کو مذہب کو سیاست سے الگ رکھنے کا نسخہ ہاتھ نہ آتا تو ترکی کا اس درجہ ترقی یافتہ ہونا تو کجا اس کا زندہ رہنا و شہر ہو جانا لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ ترکی سے مذہب رخصت ہو گیا ہے سخت غلطی ہے کیونکہ ترک بہر حال مسلمان ہیں اور اسلام ان کے جسم و جان میں اس درجہ پیوست ہو چکا ہے کہ وہ اگر اس کو چھوڑنا بھی چاہیں تو نہیں چھوڑ سکتے البتہ ہاں اگر سیاسیات میں ترک ہمیشہ کی طرح مذہب اور خلافت کا نام لیتے رہتے تو ملکی اور سیاسی معاملات میں ان کا نقطہ نظر کبھی ترقی پسندانہ نہ ہوتا اور دوسری جانب ترکی کی عربی ملاقاتیں اس کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھ کر کبھی اسے سینے اور سیاسی طور پر مضبوط ہونے کا موقع نہ دیتیں۔

ملک میں سیاسی شعور پیدا ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک غلامی سے آزاد ہو گیا لیکن چونکہ اس سیاسی شعور کے ساتھ فنی پرستی۔ رجعت پسندی اور کلچرل عصبیت بھی بھلتی بھولتی رہی تھی اس لئے اس کا انجام یہ ہوا کہ بھائی بھائی سے جدا ہو گیا اور باب وطن اپنے دیس میں پر دسی ہو گئے اور انسانی شعور و بھوکہ خاک و خون میں تڑپنا پڑا۔ اور پھر معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا ہے بلکہ ہر ترقی پسندانہ نظریہ کو نفرت اور دشمنی کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ چنانچہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت جس کی پرانی حکومت بھی ہے۔ اس کے دیرینہ سال ویدار معرصر کا کھلم کھلا یہ ارشاد اور پورے ملک سے اس کی اپیل کہ وہ گوشت نہ کھائیں۔ نمک اور گھی نہ کھائیں۔ مکھن اور شہد نہ کھائیں۔ جو تو نہ پہنیں کسی دروا کا استعمال نہ کریں۔ ٹیکہ یا انجکشن نہ لگوائیں یہ سب کچھ اسی سیاست کے ساتھ مذہب اور کلچر کے سمبند کا نتیجہ ہے چونکہ یہ صدر کانگریس کا ارشاد ہے اس لئے بھارت کے ہر شہری کا ذہن ہے کہ اس پر عمل کرے اس بنا پر اگر اس ملک کے ۳۳ کروڑ انسان سب کے سب ان ہدایات پر عمل کرتے تھیں تو ذرا سوچئے اس ملک کا نقشہ کیا ہوگا اور موجودہ اقوام عالم کے مرتج میں اس کا کیا مقام

تدوین حدیث

محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید منظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ کراچی)

(۱۰)

مان لیجئے کہ دوسو حدیثیں سہی، خیال تو کیجئے کہ جس شخص کا مسلک یہ قرار دیا جاتا ہو کہ وہ دنیا سے حدیثوں کے قصے ہی کو ختم کر دینا چاہتا تھا، وہی کیا ڈولیک نہیں دود دوسو حدیثوں کا خود راوی بن سکتا ہے؟

اور تعداد کا یہ قصہ تو محدثین کی خاص اصطلاح کی بنیاد پر ہے، درمذ شاولی اللہ نے ازادہ الحفا میں فن حدیث کے بعض نکات کا ذکر کر کے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت کرنے والوں میں حضرت عمرؓ کا شمار صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طبقہ میں کرنا چاہئے جنہیں مکثرین کہتے ہیں، یعنی جن کی حدیثوں کی تعداد ہزار یا ہزار سے بڑھ کر ہو۔ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

پس ایسے عزیزاں از مکثرین باشند و شواہد ای مقدمہ بسیار است لکن بسط مقالہ در آن آن باب فرصت می طلبد ص ۲۱۱ ازادہ

یعنی ان بزرگوں کو چاہئے کہ طبقہ مکثرین (ہزار یا ہزار سے بڑھ کر حدیثوں کی روایت کرنے والوں میں ان کو شمار کیا جائے اس دعویٰ کی تائید میں بہت سی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں مگر اس کی تفصیل کے لئے فرصت کی ضرورت ہے)

لہذا صاحب نے اس سلسلہ میں چند دھماکیوں کو بھی شمار کیا ہے "عزیزاں" کے لفظ سے سب ہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں حضرت عمرؓ بھی شریک ہیں ۱۲

فلا حد یہ ہے کہ جن روایتوں کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کر کے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ حدیثوں کی روایت کے قصے ہی کو ختم کر دینا چاہتے تھے قطع نظر ان کمزوریوں کے جو ان روایتوں کی سندوں میں پائی جاتی ہیں میں پوچھنا ہوں کہ ان کے مقابلہ میں صحاح کی ان حدیثوں کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے جن کی اتنی بڑی تعداد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے کتابوں میں ملتی ہیں۔ اور یہ بحثیں تو اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب خواہ مخواہ یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمرؓ کی طرف یہ روایتیں جو منسوب کی گئی ہیں ان کا مقصد یہ ہے جو حدیث کے مخالفین ان سے سمجھنا یا سمجھانا چاہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ معمولی تامل سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو روایتوں کے انکار سے منع فرماتے تھے، یعنی چاہتے تھے کہ کثرت حدیثوں کے بیان کرنے میں کثرت کی راہ لوگ نہ اختیار کریں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ جن صحابیوں کو آپ نے روکا تھا، ان پر الزام حضرت کا یہی تھا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے بیان کرنے میں انکار کی راہ اختیار کی آپ کے الفاظ انکار کثرت حر الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بہ کثرت حدیثوں کی روایت کو وہ روکنا چاہتے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے کس لفظ سے یہ سمجھ لیا گیا کہ سرے سے کلیتہً روایت حدیث کے رواج ہی کو وہ مسدود کرنا چاہتے تھے بلکہ اسی سلسلہ میں قزح بن کعب صحابی جو شعبی نے یقیناً نقل کیا ہے اور مخالفین حدیث اس کو بھی عموماً اپنے خیال کی تائید میں پیش کرنے کے مادی ہیں۔ یعنی شعبی کہتے تھے کہ حضرت قزح بن کعب نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ

ہم حدیث سے نکلے، تو میری مشائخت میں

حضرت عمر صرار نامی مقام تک آئے پھر آپ

نے بانی طلب کیا اور وضو کیا، پھر فرمایا تم

خرجنا فشیعنا عمر الی صرار

ثم دعاء جاء فتوضا و ثم قال

انذرون لہو خرجت معکم

قلنا اس وقت ان تشیعنا وکفرنا
 قال ان مع ذلک الحاجة
 خرجت انکم تاتون بلدة
 راحلها دوری بالقرآن
 لکد وی النحل غلا تصدوهم
 بالاحادیث عن رسول الله
 صلی الله علیه وسلم فتشغلوهم
 جود القرآن و اقلوا المراهیة
 عن رسول الله صلی الله
 علیه وسلم امضوا وانا
 شریکم جامع ص ۱۲۰ و تذکرۃ الحنفی

لوگوں نے سمجھا بھی کہ تمہارے ساتھ میں بھی
 مدینہ سے نکل کر یہاں تک کہوں آیا میں
 نے عرض کیا ہم لوگوں کی مشائعت کے لئے
 آپ تشریف لائے اور ہماری عزت افزائی
 فرمائی حضرت عمرؓ نے تب کہا کہ اس کے سوا
 ایک اور ضرورت بھی تھی جس کے لئے میں
 مدینہ سے نکل کر تمہارے ساتھ یہاں تک آیا
 ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم ایک ایسے شہر میں
 پہنچو گے جس کے باشندوں میں قرآن کی
 غلوت اس طرح گونجتی ہے جیسے شہد کی
 مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے گونج پیدا ہوتی
 ہے، تو دیکھنا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی حدیثوں کو بیان کر کے تم لوگ ان لوگوں
 کو قرآن کی مشغولیت سے، مدک نہ دنیا
 قرآن کو استوار کرتے چلے جاتو، اور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے
 حدیثوں کے بیان کرنے میں کمی کججو۔

اب جاؤ، اور میں تمہارا ساتھی ہوں،

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان تین صحابیوں والی روایت میں حضرت عمرؓ نے حدیثوں
 کے اکتانہ کی جہاں شکایت کی وہیں قرظہ کی اس روایت میں اپنے غشا کو ظاہر کرنے
 کے لئے جوئے قطعی طور پر حدیثوں کی روایت سے لوگوں کو منع نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا کہ

ماہنامہ اقلال من الروایۃ عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب
کر کے حدیثوں کے بیان کرنے میں کمی کچھ،
ممانعت تو خبر دور کی بات ہے، میں تو حضرت عمرؓ کے ان الفاظ کو روایت حدیث
کا حکم سمجھتا ہوں، البتہ یہ حکم ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے، یعنی کثرت کی راہ نہ اختیار
کی جائے۔ ورنہ اقلال اور کمی کی شرط کی تکمیل کرتے ہوئے اپنے مذکورہ بالا الفاظ کے
ساتھ حضرت عمرؓ حدیثوں کی روایت کا یقیناً حکم دے رہے ہیں، حافظ ابن عبد البر نے
یہی ان روایتوں کا تذکرہ کر کے یہی لکھا ہے کہ

هذا يدل على نهيه عن الاكثار
واحد بالاقلال من الرواية
عن رسول الله صلى الله عليه
وسلم
حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا الفاظ یہ بتاتے ہیں
کہ روایت حدیث میں کثرت اور زیادتی کو وہ
روکنا چاہتے تھے اور اس کا حکم دے رہے
ہیں کہ روایت حدیث میں کمی کی راہ اختیار
کی جائے۔

پھر آگے چل کر وہی لکھتے ہیں اور بالکل سچ لکھتے ہیں کہ

ولو كثر الرواية وذهب النفع عن
الاقلال والاكثار
اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں
کی روایت مطلقاً ان کے نزدیک ناپسند ہوئی
اور اس فعل کو وہ کلیتہً بُرا خیال کرتے تو چاہتے
تھا کہ روایتوں کے بیان کرنے میں کثرت و
زیادتی اور قلت و کمی دونوں ہی سے لوگوں
کو روک دینے

باقی اقلال سے کیوں منع کرنے لگے؟ ظاہر ہے کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
کسی بات کے منسوب کرنے میں منسوب کرنے والوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں

ان کے ہاں یہی ہے عہدہ برائے کرنے کی توقع احتیاط کے اسی طریقے سے ممکن ہے۔ حافظ
ابن عبد البر نے بھی اسی توجہ کو پیش کرنے ہوئے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے
کثرتِ روایت سے مخالفت اور قلتِ روایت کا حکم حضرت عمرؓ نے اسی سے دیا تھا کہ کثرت
کی صورت میں اس شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات کے منسوب ہو جانے کا زیادہ
اندیشہ تھا۔ نیز اس کا بھی خوف تھا کہ جو حدیثیں لوگوں کو اچھی طرح محفوظ نہ ہوں اور پورا بھروسہ
اپنی یاد پر نہ ہو اس قسم کی حدیثوں کے بیان کرنے پر لوگ جری ہو جائیں گے۔

آخر میں اپنے اس بیان کو حافظ نے ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

ان ضبط من قلة روايته اكثر
من ضبط المستكثر وهو الجدل
من السهو والغلط الذي
لا يؤمن مع الاكثر ص ۱۲۱ ج ۲

روایت میں کمی اور قلت کی راہ اختیار کرنے
والوں کے لئے ضبط و احتیاط کی توقع روایتوں
میں کثرت کی راہ اختیار کرنے والوں سے بھی
زیادہ ہے، نیز بھول چوک اور غلطی سے وہ
محفوظ نہیں رہ سکتا جو روایت میں کثرت کی

راہ اختیار کرے گا۔

اب خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ قطعاً تھا کہ کثیر لوگوں کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت کرنے سے روک دیا جائے بلکہ وہ یہ
چاہتے تھے کہ ان ہی حدیثوں کی حد تک لوگ اپنے بیان کو محدود رکھیں جن کے متعلق
پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا یا سنا ہے وہی وہ بیان کر رہے ہیں، ایک خاص
ضبط جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بیان کئے
ہوئے لوگوں سے کیا تھا کہ

ما من حديث الا حقا او حقا او حقا
ن الحديث بصاحب قتيبي

جس نے اس حدیث کو اچھی طرح حافظ میں
جالیا، اور اس کو سمجھ لیا اور یاد کر لیا چاہئے

بہتہا جلدہ ومن خشی ان لا
یعہا فانی لا اجل لہ ان
بکتاب علی ص ۱۲۲

کہ وہی اس کو ان مقامات تک بیان کرنا چاہیے
جہاں تک پہنچ کر اس کا ادنیٰ تک جائے مگر
جسے اندیشہ ہے کہ حدیث کو دل میں پورے
طور پر جانیں سکا ہے میں اس کے لئے کبھی
اس کو جائزہ قرار دوں گا کہ میری طرف جھوٹ
کو وہ منسوب کرے۔

حافظ نے حضرت عمرؓ کے ان الفاظ کو جو صحاح ستہ بلکہ بخاری و مسلم میں بھی موجود
ہیں پیش کرتے ہوئے پوچھا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کا وہی مسلک ہوتا، جسے مخالفین حدیث
ان کا طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں تو لوگوں کو اس حدیث کے بیان کرنے کا حکم کیوں دیتے
بلکہ ان کے آخری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اپنی یاد پر پورا اطمینان اور
موجود نہ ہو صرف ان ہی کو روکنا ہی حضرت عمرؓ کا اصل مقصود ہے، حافظ کے اپنے
الفاظ یہ ہیں کہ

مخرج معناہا علی ان من
مکلف فی شئی ترکہ ومن حفظ
شیئا و انتقہ جازلہ ان یحدث
بہ و ان اکثر بحیل لا یسلک
فی التعمین ان یحدث بکما
کثر سمع من جید و سادی و غث
وسمین ص ۱۲۳

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے بھی سمجھ میں آتا
ہے کہ حدیث کے متعلق کسی قسم کا شک اگر
رکھنا ہے تو چاہئے کہ اس حدیث کی روایت
تک کر دے اور جس نے حدیث کو یاد رکھا
ہے اور اچھی طرح سے اس کو محفوظ کر لیا ہے
اس کے لئے جائز ہے کہ لوگوں سے اسے بیان
کرے، بہر حال کثارت یعنی روایت میں کثرت
و زیادتی کے جس طریقہ کا حضرت عمرؓ اسناد
کرنا چاہتے تھے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جن

لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ پہلی بری حدیث
و نادریست جو بات بھی ان کے کان ٹپی اسے
بیان کرنے لگتے ہیں، وہی اس حکم کے مطابق
ہیں اور ان ہی سے اس حکم کا
تعلق ہے

آخوندی زندگی کی جو بری تعمیر خبر آحاد کی ان حدیثوں پر جب موقوف نہیں ہے،
اسی لئے ہر مسلمان تک ان کا پہنچانا بول ہی غیر ضروری ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان کی تبلیغ میں عمومیت کی راہ اسی لئے اختیار نہیں فرمائی ایسی صورت میں کھلی
ہوئی بات ہے کہ جو کچھ بیان کر رہا ہے بیان کرنے والے کو جب اس پر پورا اطمینان بھی نہ
ہو تو خواہ مخواہ ان کے بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے، بلکہ مسلمانوں پر جو خطبہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت کرنے میں عائد کی گئی ہیں، ان کا اقتضار
یہی ہے کہ ایسی روایت سے آدمی دامن کش ہو کر گزر جائے مشہور حدیث نبوی جس
میں فرمایا گیا ہے کہ

كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل
ما سمع
کسی شخص کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ جو
کچھ سنے اسے بیان کرنا چلا جائے۔

اس میں جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے بھی لکھا ہے، احتیاط کے اسی طرز عمل کی طرف
اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ نقطہ نظر تھا جس کا ذکر بعض صحابہ اس وقت کرتے تھے، جب لوگ ان سے
کہتے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کیوں نہیں بیان کرتے، بخاری میں حضرت
عبد اللہ بن زبیر کے حوالہ سے یہ مکالمہ نقل کیا گیا ہے، یعنی عبد اللہ بن زبیر کہتے تھے کہ میں
نے اپنے والد زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ عرض کیا کہ آپ کو میں دیکھتا

ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں بیان کرتے، جواب میں حضرت زبیر
نے فرمایا کہ

ہنا انی لم افارقہ منذ ہسلت
وکفی سمعہ یقول من کذب
صلی اللہ علیہ وسلم سے میں کبھی جدا نہ ہوا لیکن
میں نے ان ہی سے سنا ہے کہ قصد آنحضرت پر جو
جھوٹ باندھتا ہے چاہے کہ اپنا ٹھکانہ آگ

من الناس

میں بنائے۔

حالاں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثوں کی کافی تعداد مروی ہے لیکن
معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو پھر بھی حضرت سے کمی روایت کی شکایت تھی، ان ہی شکایات کو
گو سن کر آپ فرماتے

انی لمنعنی ان احدث حلثیا
کثیراً من النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال من تعدد علی الخیرین
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو میں
کثرت سے جو بیان نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ
ہے کہ من تعدد والی روایت مجھ کو اس سے
روکتی ہے۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ روایت کی کثرت میں حضرت انس کو اس کا اندیشہ تھا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے بعض صحابی جب
زیادہ عمر اور بوڑھے ہو گئے تھے لوگ ان سے عرض کرتے کہ رسول اللہ کی کچھ حدیثیں
بیان کیجئے تو فرماتے

کبراً و تسیناً و الخدایت عنہ
صلی اللہ علیہ وسلم لشدید
ہم اب مسن ہو گئے، کہول گئے بلکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر سکتے
حدیث کا بیان کرنا بڑا سخت معاملہ ہے

قرظ بن کعب جن کو کوفہ رخصت کرنے ہوئے حضرت عمرؓ نے اقلال روایت کی وصیت کی تھی ان کے متعلق بھی لکھا ہے کہ جب وہ کوفہ پہنچے، اور لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیں کچھ بیان کیجئے تو انھوں نے صفات لفظوں میں انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ

مناہا عمر بن الخطاب ص ۱۲۱ ج ۱ میں عمر بن الخطاب نے اس سے منع کیا ہے

بعض روایتوں میں ہے کہ قرظ نے کہا کہ عمرؓ کی اس وصیت کے بعد

ماحدث بعد اجل ثمانين حضرت عمرؓ کی ممانعت کے بعد رسول اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے میں

منہ ۱۲ ج ۱ نے کوئی حدیث نہیں بیان کی

حدیثوں کے باب میں احتیاطی کی روش تھی جس کی پابندی بعد کو لوگ کرتے رہے، امام مالک کے متعلق ان کے شاگرد رشید امام شافعی تو کلیہ ہی بیان کرتے تھے کہ

كان مالك اذا اشك في الحديث امام مالک کو جب کسی حدیث میں شک پیدا

ترکہ کلامه الدياج الذہب ص ۲۲ ہو جاتا تو اس کو کلیتہ ترک کر دیتے یعنی اس

حدیث کو بیان ہی نہیں کرتے تھے،

لوگوں نے لکھا ہے کہ حضرت امام مالک کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کے کمرے سے سات صندوق نکائے، جن میں صرف ابن شہاب زہری کی حدیثوں کے مستودات بھرے ہوئے تھے، مسودوں کی حالت یہ تھی کہ

ظہور ہا و بطونہا ملا یعنی ہر ورق کے دونوں صفحات بھرے ہوئے تھے

ان کو باہر نکال کر لائے اور امام مالک کے شاگردوں کے حوالہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا شروع کیا۔ ان کی حیرت کی انتہاء رہی جب ان کو معلوم ہوا کہ ان مسودوں میں جو کچھ

لکھا ہوا ہے، امام مالک نے ایک چیز بھی کسی کے سامنے ان سے بیان نہ کی تھی ان ہی کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ

ایسا منت مالک، فاصیب فی
جب امام مالک کی وفات ہوئی تو گھر میں چند
بنیہ صنادیق بن جن ابن عمر
صدقہ پائے گئے جن میں حضرت عبداللہ بن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہیں
کی روایتیں تھیں ایسی روایتیں جن میں سے
ان کی کتاب موطا میں صرف دو حدیثیں پائی
جاتی ہیں۔

امام مالک کی کتاب موطا کے متعلق لوگوں نے لکھا ہے کہ شروع میں دس ہزار حدیثیں
پر یہ کتاب مشتمل تھی، لیکن ہر سال امام مالک اس پر نظر ثانی کرتے اور جس روایت میں معمولی
شک بھی ہوتا، اس کو کتاب سے ساقط کر دیتے۔ اس طریقہ سے بڑا حصہ روایتوں کا موطا
سے خارج ہو گیا، ص ۲۵۱ دیباچہ۔ امام مالک خود بیان کرتے تھے کہ ابن شہاب زہری
سے میں نے جتنی حدیثیں سنی ہیں ان میں ایک بڑا حصہ ایسا ہے جس کا میں نے کسی سے
ذکر نہیں کیا۔

الخطیب نے امام بخاری کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ

ترک حشر آلف حدیث
کسی شخص (راوی) کی روایت کردہ دس ہزار
لوکل فیہ نظر و ترک مثلہا و
حدیثوں کو میں نے اس لئے چھوڑ دیا کہ اس شخص
میں کوئی بات محل غور و فکر نظر آتی تھی اور اس سے
اکثر بخیرہ فیہ نظر چھوڑا بخیر بخیر
قدریا اس سے زیادہ مقدار والی حدیثوں کو میں
نے اسی لئے ترک کر دیا کہ ان کے بیان کرنے
والے میں بھی کوئی بات قابل غور نظر آتی،

احتیاط کرنے والے اس سلسلہ میں کن حدود تک پہنچ گئے تھے اس کا اندازہ اس

واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے جس کا ذکر ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں کیا ہے، تیسری صدی
ہجری کے ایک محدث ابن رستم ہیں جن کا نام احمد بن ہدی بن رستم تھا، ان کے حالات
میں لکھا ہے کہ

اقتد من کتبہ کتاب قبصہ
ثم ساد علیہ فترک قرائۃ ھذا
قبصہ (تالعی) کی روایت کردہ حدیثوں کا
مکتوبہ مجموعہ گم ہو گیا، بعد کو گم ہونے کے بعد
وہی نسخہ ابن رستم کو مل گیا، مگر اس لئے کہ
درمیان یہ نسخہ غائب ہو گیا تھا، اس کی مندرجہ

روایتوں کا پڑھنا چھوڑ دیا۔

یعنی ان کو شبہ ہوا کہ جس زمانہ میں کتاب غائب رہی، ممکن ہے اس میں کسی نے کچھ
کی دہشی کر دی ہو، صرف اس شک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس حصہ کا پڑھنا ہی انہوں نے ترک کر دیا
اس میں شک نہیں کہ حدیثوں کی روایت میں احتیاط کی ان تراکٹوں کا احساس خود
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا کرایا ہوا تھا، عرض کر چکا ہوں کہ من کذب علی متعمداً والی
روایت قریب قریب تو اتر کے درجہ میں جو پہنچ گئی ہے اس کی وجہ وہی تھی کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم عموماً صحابہ میں روایت حدیث کی ذمہ داریوں کو مختلف طریقوں سے راسخ
کرنا چاہتے تھے، صحاح کی کتابوں میں تو مجھے یہ روایت نہیں ملی لیکن امام ابو جعفر طحاوی نے
مشکل آثار میں اپنی متصل سند کے ساتھ اس کو درج کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی
مجلس میں ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ایک
حدیث بیان کی، مجلس میں حضرت مالک بن عبادہ صحابی بھی شریک تھے، آپ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع)

(آخری حج) میں ہم لوگوں کو اس عہد کا پابند بنانا

فرمایا کہ چاہئے کہ قرآن کو پکڑے رہو، قریب

ان البیح صلی اللہ علیہ وسلم

عہد البیانی حجۃ الوداع

انہی آیتیں قرآن و انکھ مسترحون

الی قوم یشتہون الحدیث
 ہنی نفس عقل شیئا فلیحدث
 بہ ومن افتری علی فلیتبع
 بیتا او مقعدانی جہنم ^{لہ اشک}

ہے کہ تم ایسے لوگوں کے پاس واپس کیجئے جو
 جو جاپس گئے کہ میری حدیثیں ان سے بیان کرو
 پس اس سلسلہ میں جس کسی نے کسی بات کو
 سمجھ لیا ہے اور یاد کر لیا ہے اسے چاہئے کہ
 اس حدیث کو بیان کر دے (اور یاد رکھو) کہ
 قصدا میری طرف جو جھوٹ کو منسوب کرے گا
 اسے اپنا ٹھکانہ یاد فرمایا، کہ اپنا گھر چاہئے کہ
 جہنم میں بنلے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائی وصیت کے ان الفاظ میں اور
 حدیثوں کی روایت کرنے میں حضرت عمرؓ لوگوں پر جن الفاظ کے ساتھ تاکید فرماتے تھے۔ کچھ
 فرق ہے اور یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی مبارک وصیت کی تجدید
 حضرت ابو بکرؓ بھی اور حضرت عمرؓ بھی اپنے اپنے عہد خلافت میں فرماتے رہے، صحابہ
 کو بھی روایت حدیث کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلانی جاتی تھی اور صحابہ کے بعد مسلمانوں
 کی جو جماعت حضرت عمرؓ کے سامنے آئی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض وصیت
 سے استفادے کا موقع تو کیا ملنا، ان میں بڑی تعداد ایسوں کی تھی جنہوں نے پیغمبر کو دیکھا ہی
 نہ تھا مگر حضرت عمرؓ کی دار و گیر کی غیر معمولی سختیوں ہی کا نتیجہ تھا کہ جب بڑے بڑے صحابہ میں
 کامل اطمینان کے بغیر حدیثوں کی روایت کرنے کی بہت باتیں نہیں رہی تھی تو دوسروں کے
 لئے جسارت کا موقع ہی کیا تھا یہی وجہ تھی جو امیر معاویہؓ اپنی حکومت کے زمانہ میں لوگوں
 سے کہا کرتے تھے کہ

الہام دار قطنی

اس

(جناب مولانا ابوسلمہ شفیق احمد بھاری اساتذہ مدتہ عالیہ کلکتہ)

دار قطنی چوتھی صدی کے ان مشہور محدثین میں سے ہیں جن کو مورخ کبھی فراموش نہیں کر سکتا اور غیر ان کے تذکرہ کے چوتھی صدی کی تاریخ نامکمل ہوگی۔

نام و نسب | نام علی کنیت ابوالحسن اور حافظ بغدادی کے نام سے مشہور ہیں اب وطن کی نسبت سے دار قطنی کہتے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن ہمدی بن مسعود بن دینار بن عبداللہ الدار قطنی البغدادی بعض تذکروں میں مسعود اور دینار کے درمیان ایک اور نام نعمان کا اضافہ ہے۔

وطن | دار قطن بغداد میں ایک بڑا محلہ کرخ اور نہر عیسیٰ بن علی کے درمیان واقع ہے اسی محلہ میں عباسی خلیفہ المقتدر باللہ کے زمانہ میں ماہ ذوی القعدۃ ۳۶۶ھ مطابق ۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔
طاش کبریٰ زادہ م ۹۶۲ء نے لکھا ہے کہ ولد سند خمس ادست ثلثائہ لیکن یہ شک صحیح نہیں کیونکہ تمام تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ان کی پیدائش ۳۶۶ھ میں ہوئی اور خود دار قطنی کا یہی بیان ہے۔
ولادت سنہ ۳۶۶ھ و ثلثائہ لہذا دار قطنی کے اس بیان کے بعد کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ہے۔

دار قطن | دار قطن علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے اسی محلہ میں محمد بن احمد بن عبداللہ بن زیاد القطنی
اور اکثرتے تھے اور اسی خطہ پاک کے محمد بن زیاد بن ہارون الدار قطنی م ۳۵۱ھ اور ابوالفرح محمد
بن کشف الطنونی م ۳۵۱ھ بستان المحدثین م ۳۵۱ھ تعلیق المغنی م ۳۵۱ھ بحم البلدان م ۳۵۱ھ دول الاسلام اللہ ہی نہ اہل قطن
م ۳۵۱ھ اعلام ج ۲ م ۳۵۱ھ مفتاح السجادہ ج ۲ م ۳۵۱ھ کتاب الاموات والقیح، نسخ خطیہ کتبہ علم و حکمت جامعہ شریف
م ۳۵۱ھ بحم الاموات ج ۲ م ۳۵۱ھ ایضاً ج ۱۸

بن الحسن الدار قطنی میں سمعانی صاحب کتاب الانساب جب ادھر سے گذر رہے تھے تو ان کے رفیق شیخ سعد اللہ بن محمد المقرئ نے دار قطن میں اپنی مسجد دکھائی تھی

نظیم الدار قطنی نے ابتدائی تعلیم بغداد میں حاصل کی پھر علوم و فنون کی تحصیل کے لئے کوفہ بصرہ شام، واسطہ اور مصر وغیرہ کی بادیہ نوردی کی۔ وقت کے ائمہ فن اور اساطین حدیث سے فیض و کتاب کر کے ائمہ وقت کی صف میں شامل ہوئے علم حدیث اور معرفت علما اسکا بھل میں وہ کمال پیدا کیا کہ محدثین کے بیان کے مطابق یہ فن انہی پر ختم ہو گیا۔

محققین انکس علوم و فنون کے بعد مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے اور اس میں بھی ایسی شہرت ہوئی کہ اطراف و جوانب سے تشنگان علوم جوق در جوق ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے لگے اور اس درس گاہ نے بڑے بڑے علماء اور فضلاء کو پیدا کیا۔

اساتذہ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز النبوی م ۳۱۰، ابوبکر محمد بن حسن نقاش م ۳۵۱

ابو سعید اصطخری، ابو سعید الفزار، محمد بن الحسین الطبری، ابوبکر بن مجاہد، ابراہیم بن عبد

م ۳۲۵، ابوبکر بن ابی داؤد م ۳۱۶، یحییٰ بن محمد بن صاعد م ۳۱۸، ابن درید، ابن سیرور

علی بن عبد اللہ بن عیشر، محمد بن القاسم الحاربی، ابو علی محمد بن سلیمان المالکی، ابو عمر القاضی

ابو جعفر احمد بن اسحاق بن ہلول التوحی م ۳۱۸، ابن زیا والنیسابوری م ۳۲۲، قساصی

بدر الدین البیہق، احمد بن القاسم الفرائسی، حسین محالی، عمر بن احمد بن علی القطان، محمد

بن عبد اللہ بن غیلان، محمد بن اسحاق ابن عبد الرحیم، الحسن بن رشیق العسکری م ۳۴۰،

ابو احمد حمزہ بن محمد الدہقان العقی، ابوزید محمد بن محمد بن احمد الفاشانی الفقیہ م ۳۴۱، ابوبکر محمد

بن محمد بن احمد لامکانی، ابوبکر احمد بن محمد بن عیسیٰ، ابوبکر محمد بن علی بن الحسن نقاش زری

م ۳۶۹، حسین بن احمد بن رستم المعروف بابن زہور المازنی، ابوبکر محمد بن جعفر الصبی

اسماعیل الخطیبی م ۳۵۰، محمد الدار قطنی م ۳۵۱، احمد بن سہل ابوبکر الرطبی المعروف بابن النابی

ابن عقیقہ م ۳۳۲، ابن الاثیر م ۳۲۸، ابو حفص عمر بن احمد المروزی م ۳۲۵،

لے تذکرہ ج ۳ لے انساب لے اشعۃ السمات

ابو بکر محمد بن سلیمان البغدادی م ۳۴۸، ابوالحسن عبد الرحمن، علی بن الفضل م ۳۴۸
 محمد بن محمد بن العزوف بالخازنی م ۳۲۱، احمد بن عبید، محمد بن عبد اللہ البغدادی م ۳۵۲
 علی بن احمد م ۳۵۱، عبد الباقی بن قانع البغدادی م ۳۵۱، ابوالحسن حاد بن احمد بن محمد بن
 احمد المروزی م ۳۲۸، ابوبکر محمد بن محمد بن محمد بن العباسی م ۳۵۵، ابوسعد احمد بن محمد بن محمد بن محمد بن
 م ۳۵۴، حمزہ بن محمد ابوالقاسم الکنتانی المصری م ۳۵۴، ابواسحاق ابراہیم بن حاد الازدی م ۳۴۸
 ابوعبد اللہ الحسین بن اسماعیل م ۳۲۸، محمد بن نوح م ۲۲۱، محمد بن احمد بن حفص م ۳۲۱
 ابوطالب احمد بن نصر بن طالب م ۳۲۳، ابوالحسن علی بن محمد بن عبید م ۳۳۰، ابوطالب
 محمد بن جعفر بن درون البغدادی م ۳۵۴، ابومحمد عبد اللہ م ۳۴۳، ابن ہریر بن ابوسلم عبد الرحمن
 بن محمد بن عبد اللہ البغدادی م ۳۵۵، محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ ابوالحسن البغدادی
 م ۳۴۹، ابراہیم بن عبد الصمد بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم وهو اخر من سادات المطاطین
 ابی المصعب تمام مورخین اور تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے کہ دار قطنی نے نبوی سے کئی علم حدیث
 اخذ کیا ہے اور نبوی کی وفات ثلاثہ میں ہوئی اور دار قطنی کی پیدائش ذوالقعدہ ۳۲۷ھ ہے
 اس لحاظ سے نبوی کی وفات کے وقت دار قطنی کی عمر زیادہ سے زیادہ چار سال کی ہوئی ہے
 چنانچہ ابویوسف قواس کا بیان ہے کہ جب ہم نبوی کے پاس جاتے تھے تو دار قطنی بچے تھے
 ان کے ہاتھ میں روٹی اور اس پر سالن ہوتا تھا اگر اس وقت کے سماع کو صحیح تسلیم کر لیا جائے
 تو ان کے حافظہ اور ذوق و شوق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے لیکن پھر بھی نبوی سے روایت میں
 دار قطنی تدلیس کرتے ہیں ابن طاہر کا بیان ہے کہ للدار قطنی مذهب حنفی فی التدلیس
 یقول فیما یشہد من البغوی قرئی علی ابی القاسم البغوی حدثنا فلان
 تفسیر ابوبکر البرقانی م ۲۲۵ ان کا نام صاحب تعلیق النبی نے ابوبکر محمد بن احمد بن غالب
 المعروف بالبرقانی لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں محمد ابوبکر برقانی کے والد کا نام ہے خود برقانی کا
 لہ طرح التشریب لہ تذکرہ ج ۳ لہ تعلیق النبی

نہیں اور طرح التشریح میں ہے ابو منصور محمد بن محمد بن احمد البرقانی، لیکن یہ بھی درست نہیں، یہاں نسبت میں اختلاط ہے یہ ابو منصور، برقانی نہیں بلکہ برقانی ہیں، مشتبه النسبہ للذہبی میں ہے اس لئے اب صحیح نام و نسب اس طرح ہوا ابو بکر احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن خالد بن عبد اللہ بن عبد الغنی بن سید الخیر صاحب روضة الشعلیہ لکھتے ہیں کہ عبد الغنی منذری صاحب ترفیہ و ترمیب ابو بکر منذر شاگردی کردہ اند لیکن منذری ترفیہ و ترمیب واسطے دارقطنی سے بہت متاخر ہیں اور ان کا نام عبد السلام بن ابی الدین م ۲۵۶ ہے اور جو دارقطنی کے شاگرد ہیں وہ عبد الغنی بن سید الخیر بن سید الخیر م ۲۰۹ صاحب کتاب المؤلف والمختلِف میں اور دوسرے تلامذہ حافظ ابو نعیم اصبہانی صاحب طلیۃ الاولیاء م ۳۰۰ حاکم صاحب مستدرک م ۵۰۵ تمام رازی صاحب فوائد مشہورہ م ۱۰۱ ابو حامد الاسفرائینی ابوذر عبد بن احمد ہروی م ۳۳۴ ابو محمد خلّال، ابو القاسم بن محسن، ابو طاہر بن عبد الرحیم، قاضی ابو الطیب طبری، ابو بکر بن بشران، ابو القاسم حمزة السہمی م ۲۲۷، ابو محمد جوہری، ابو الحسن بن الاَبوسی، عبد الصمد بن مامون، ابو الحسن بن المہدی بابید م ۲۶۵، ابو جعفر محمد بن احمد بن محمود السمنانی، ابو سلیمان فاؤد بن حبیب السینیزی، عبد الواحد بن الحسن المقرئ ابہری عبد الوہاب بن عبد اللہ اللؤلؤی بابن الاورعی، ابو مسعود صالح بن احمد، ابن النابسی، ابو عبد الرحمن محمد بن الحسن المسلمی م ۲۱۴ الحسن بن علی التمیمی الواقدی م ۲۱۴

مشتبه النسبہ للذہبی میں ہے

البرقانی بالفتح برقان من قرى خوارزم منها الحافظ ابو بکر

برقانی باء کے فتح کے ساتھ برقان خوارزم میں ایک گاؤں ہے، اسی گاؤں کے حافظ ابو بکر

احمد بن محمد بن احمد بن غالب صاحب تصانیف

غلب صاحب تصانیف

میں ان کی وفات ۳۲۴ھ میں ہوئی

تذکرہ ج ۲ طہ بیان الحدیث

سنة ۲۷۵ وبنون الاولى مفتوحة

نوقان هي قصبة طوس منها

..... وابو منصور محمد

بن محمد بن احمد النوقاني

حدث عن الدارقطني بالسنة

حافظ ابن حجر م ۵۲ ۸۵۲ لکھتے ہیں

البرقاني نسبة الى برقان من

قرى خوارزم الحافظ ابو بكر

احمد بن محمد بن احمد بن

غالب صاحب التصانيف ما

سنة ۲۷۵ وبالضم نسبة الى والد

جعفر بن برقان ما علمته،

وبنون مفتوحة وقبل القاف

واو بدل الراء نسبة الى

نوقان قصبة طوس منها.

..... وابو منصور محمد

بن محمد بن احمد النوقاني

حدث عن الدارقطني بالسنة

اور دونوں سے جس میں پہلے کو فتح یعنی نوقان

تو یہ طوس کا قصبہ ہے اور وہیں کے ابو منصور

محمد بن محمد بن احمد النوقانی ہیں دارقطنی سے

ان کے سن کے راوی ہیں

البرقانی یہ برقان کی طرف جو خوارزم میں ایک
گاؤں ہے۔ منسوب ہے۔ یہیں کے حافظ ابو بکر

احمد بن محمد بن احمد بن، غالب صاحب تصانیف

ہیں ان کی وفات ۵۳۲ھ میں ہوئی اور اگر باکو

ضمر سے پڑھا جائے تو اس وقت جعفر کے والد

برقان کی طرف منسوب ہوتا ہے جہاں تک مجھ

کو علم ہے۔ اور اگر نون کو فتح اور بجائے راء کے

واو کے ساتھ یعنی نوقان پڑھا جائے تو اس وقت

میں یہ طوس کے قصبہ کی طرف منسوب ہوتا ہے

..... اور اسی خط کے ابو منصور محمد بن محمد

بن احمد النوقانی ہیں جو دارقطنی سے ان کے

سن کے راوی ہیں۔

اوپر لغت | علمائے سلف لغت و ادب کی طرف خاص طور پر اپنی توجہ مبذول کرتے تھے اور

علم لغت کے بغیر کلام اللہ میں گفتگو کو ناجائز تصور کرتے تھے اس لئے محدثین کرام حدیث و فقہ

یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام ادب و زبان کے ماہر ہوتے تھے چنانچہ قطادہ مطابق ۱۱۸ کے متعلق ہے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

سے پہلے علم ادب کی طرف رجوع کرتے تھے چنانچہ دارقطنی نے بھی پہلے اس طرف توجہ کی اور
نئے وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے ادب و شعر میں کمال حاصل کیا۔

ازہری کا بیان ہے کہ جب دارقطنی مصر پہنچے تو وہاں مسلم بن عبداللہ نامی مدینہ کے
ایک علوی شیخ تھے ان کے پاس کتاب الانساب حصر بن داؤد زہیر بن بکار کی روایت سے
تھی یہ انساب کے علاوہ اشعار کا بھی مجموعہ تھا اور اس میں وحبیب ادبی لطافتیں تھیں، مسلم خود
میدان فصاحت کے شہسوار اور عربی زبان کے ماہر تھے لوگوں نے دارقطنی سے سوال کیا
کہ آپ اس کتاب کی قرأت کیجئے کیونکہ آپ کی زبان سے سننے کے لئے لوگ مشتاق ہیں
انہوں نے قبول کر لیا اور اس کے لئے ایک وقت مقرر ہوا اور اہتمام کے ساتھ مجلس ترتیب
دی گئی، مصر کے تمام اہل علم و ادب اور صاحب فضل و کمال اس ارادہ سے شریک ہوئے
کہ دارقطنی کی غلطیوں یا لغزشوں پر گرفت کی جائے لیکن اس میں لوگ ناکامیاب رہے اور تمام
حاضرین اس پر متحیر تھے شیخ علوی سے رہانہ گیا اور وہ جلا آئے وعرابہ البضا یعنی آپ کو
عربی زبان پر بھی اتنی قدرت حاصل ہے۔

ان کو شعرا کے دیوان کے دیوان ازہری تھے فقیل کان یحفظ وادین جماعۃ چنانچہ
سید حمیری کا مکمل دیوان محفوظ تھا۔

رقبہ حاشیہ صفحہ گذشتہ، کان من اسافی اللغۃ و العربیۃ و ایام العرب و النسب (تذکرہ ج ۱)
شعبہ م ۱۶۰ کا جو درجہ حدیث میں ہے وہ کسی سے قطعی نہیں ان کے متعلق اصمعی جیسے ماہر علم و ادب کا
بیان ہے کہ لحدیث احد قط اعلم بالشعر من شعبہ ابن المبارک المرزئی م ۱۸۱ کے متعلق علما
کی رائے ہے کہ جمع العلم و الفقه و الادب و النحو و اللغۃ و الزہد لہ انساب للسمانی
یہ تذکرۃ الحفاظ ہی تھے ان کی کنیت ابوہاشم نام اسماعیل بن محمد معروف بہ سید حمیری ہیں علمائے ادب
کا خیال ہے کہ جاہلیت و اسلام میں تین ہی شعرا بہت پرگو ہیں بشار ابو العتاہیہ اور قیس سید
حمیری ان کے مضامین بلند اور بندش چست ہوتی تھی، الفاظ غریبہ کے استعمال سے محرز اور محتلا
تھے، ایک بار لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ آپ عام شعراء کے دستور کے مطابق غریب
(رقبہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

خلاصہ یہ کہ عربی زبان و ادب پر پورا عبور اور کافی مہارت تھی حقیقت تو یہ ہے کہ نہ صرف ادب سے بلکہ ہر علم و فن سے ان کو دلچسپی تھی ابوالقاسم الازہری کا بیان ہے کہ جس علم کا تذکرہ آتا تو ان کے پاس معلومات کا ذخیرہ ہی نکلتا محمد بن طلحہ النخعی دارقطنی کے ساتھ ایک روز دعوت میں شریک ہوئے جس میں کھانے کا ذکر چھڑ گیا پھر کیا تھا دارقطنی نے اس کے متعلق نوادرات و عجائبات کا انبار لگا دیا جس سے رات کا بیشتر حصہ ختم ہو گیا

دارقطنی پر شیعہ | یہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ دارقطنی دیوان سید حمیری کے حافظ تھے اور سید حمیری شیعہ ہونے کا الزام | بڑا وریدہ دہن گستاخ شاعر تھا اس لئے دارقطنی بھی تشیع کے طرف منسوب کئے گئے اور ان کو شیعہ کہا گیا حافظ ذہبی فرماتے ہیں وھذا النسب الی التشیع ابن خلکان میں ہے فنسب الی التشیع من ذلک اور اس الزام کی تقویت اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ جوزجانی صاحب کتاب الصنعاقم ۲۵۶ پر آپ نے جمع ایسے لفظوں سے کی ہے جو خاص

بہت حاشیہ میں گذشتہ الفاظ استعمال کیوں نہیں کرتے کہ اس کی تشریح آپ سے کرائی جاتی کہا کہ ایسا کلام جو دلوں کو بھائے اور قوت سامعہ محفوظ ہو یہ اس شعر سے بدرجہا بہتر ہے جس میں تعقید ہو اور طائر خیال کی بلند پروازی وہاں تک نہ پہنچ سکے، شراب کا دلدادہ تھا امرائے امواز میں سے ایک نے سید حمیری کو دیکھا کہ چہرہ کا رنگ فق ہے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا میں نے آپ کی وجہ سے شراب پینا چھوڑ دیا ہے اسی وجہ سے میری یزیدوں حالی ہے امیر نے کہا نہیں اجازت ہے تم پیا کرو۔ سید حمیری نے کہا میرے پاس کچھ نہیں ہے کیسے ہوں؟ امیر نے اپنے خازن سے کہا اکتب بمئی دوسق مہ ختم سید حمیری نے کہا اس میں بلاغت نہیں ہے بلکہ اس طرح کہئے اکتب بمئی دوسق مہی اور ختم کو حذف کر دیجئے مئی نبیذ کو کہتے ہیں، شاعرانہ کمال کے باوجود سید حمیری کا نام اور کلام دونوں صفحہ ہستی سے ختم ہو گیا اور لوگوں نے ان کو بھلا دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بعض ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شان میں گستاخی اور سب و شتم کیا کرتا تھا نہایت بد زبان اور وریدہ دہن عالی شیعہ تھا، اسی کا کلام ہے انی امیر حمیری غیر مؤتشب نجدی رحین و اخوالی (میں و تو مجھ) میں خالص حمیری ہوں اور مرے دادار رحین اور ماموں قلعہ یزید واسے ہیں پھر ابوالحسن (علیؑ) کی محبت و ولایت مجھے حاصل ہے جو قیامت کے دن میری نجات کا ذریعہ ہوگی۔

عقائد شیعہ کی صدا معلوم ہوتی ہے وہ الفاظ یہ ہیں وکان فیہ انحراف عن علی بن ابی طالب لیکن یہ محض الزام ہی الزام ہے اس کو حقیقت اور صداقت سے کوئی تعلق نہیں، ان کے علاوہ اور بھی سلف صالحین ہیں، جن پر شیعیت کا غلط الزام لگایا گیا ہے لیکن ان بزرگوں کو شیعوں کے خیالات فاسدہ، عقائد باطلہ، اور اداہام کاذب سے کوئی علاوہ نہیں جو اہل تشیع کے بنیادی عقائد ہیں، بعض فروعی خیالات میں اتحاد ہو یہ دوسری بات ہے، جس طرح حاکم کے متعلق حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں

معنی تشیع اداں است کہ قائل بود بہ تفضیل حضرت علیؑ بر حضرت عثمانؓ کہ مذہب مجھے از اسلام ہم بود۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ دارقطنی تو شیعہ کے اس قسم کے فروعی عقائد سے بھی بے ہوا تھے ان کا کوئی عقیدہ جمہور محدثین و سلف صالحین کے خلاف نہ تھا ابن طاہر کا بیان ہے کہ بغداد میں ایک بار تفضیل علیؑ میں جھگڑا ہوا لوگ دارقطنی کے پاس پہنچے ان کا بیان ہے کہ میں نے (دارقطنی) اس مسئلہ میں خاموش رہنا پسند کیا مگر پھر خیال آیا کہ دین میں سکوت بہتر نہیں اور کہا کہ حضرت عثمانؓ افضل ہیں کیونکہ تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے اور یہی اہل سنت کا مسلک ہے اور اسی مقام سے رفض کی ابتدا ہوتی ہے جو زجانی کے متعلق جو انحراف عن علیؑ فرمایا ہے اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ جو زجانی تفضیل علیؑ کے قائل نہیں اس لئے ان پر جرح کی جا رہی ہے بلکہ یہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی شان میں گستاخی اور سوء ادبی کے کلمات استعمال کرتے تھے اس لئے ایسا کہا۔ ایک روز جو زجانی مرغی ذبح کرنے کے لئے آدمی تلاش کر رہے تھے اتفاق وقت کہ کوئی صاحب تیار نہ ہوئے تو انھوں نے کہا کہ تم لوگ مرغی ذبح کرنے سے جاگتے ہو حالانکہ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے ایک دن میں ستر ہزار آدمیوں کو ذبح کر ڈالا لہذا دارقطنی کا یہ جرح عقیدہ شیعہ کے ماتحت نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے صحیح الاعتقاد جذبات کے ماتحت ان پر جرح کی گئی ہے کیونکہ حضرت علیؑ کیا بلکہ کسی صحابہ رضوان اللہ علیہم کی شان میں گستاخی

لے بہتان لے تذکرہ تہ خلاصہ تخریجی انصاری

اور سورادہلی کو اپنی سنت جائز نہیں قرار دیتے ہیں۔ پھر جہاں تک جوز جاتی کی توشیح کا قطن ہے اہل کے متعلق فرماتے ہیں کان من الحفاظ الثقات المصنفین ابن عقده م جو دار قطنی کے اساتذہ میں ہیں لیکن چونکہ وہ خالی شیعہ اور غالب صحابہ کا اقرار کرتے تھے اس لئے دار قطنی ان سے خوش نہیں تھے ابو عبد الرحمن السلمی م ۱۱۲ھ نے جو دار قطنی سے فنی سوالات کرنے میں مشہور ہیں ایک روز ابن عقده کے متعلق پوچھا تو دار قطنی نے کہا فاظظحدث ولحمین فی الذین بقوی لا انزید فیہ علی هذا ابن طاہر کاسیان ہے کہ دار قطنی کو میں نے کہتے ہوئے سنا کہ ہو (ابن عقده، حجل سورہ۔ ابن عقده کو حجل سے کہیں کہا اور اس سے کیا مراد ہے؟ سنئے کانہ یشیر الی الرض، یہی سلمیٰ ابن مظفر نے فرمایا ہے) جو دار قطنی کے استاد اور بر قانی کے خیال کے مطابق دار قطنی نے کئی ہزار حدیث ان سے نقلی ہیں ان کے متعلق دار قطنی سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ مائل شیعیت ہیں؟ کہا ہاں مگر مقدار کم ہے جس سے ان شاء اللہ ضرر نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ ایک ایسا شخص جو اپنے اساتذہ کو عقاید شعی کی وجہ سے رطل سور سے نفرت کیا کرتا تھا ان پر شیعہ ہونے کا الزام کتنا بے بنیاد اور غلط الزام ہے ابن قسبی فرماتے ہیں ما بعدہ من التشیع یعنی دار قطنی کو شیعیت سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا خطیب بغدادی ان کے محنت عقیدہ کی توشیح ان نفلوں میں فرماتے ہیں مع الصدق وصدقہ الاعتقاد یعنی عقیدہ صاف اور صحیح تھا ابو ذر ہر دی کا بیان ہے کہ ایک روز دار قطنی کے ساتھ گیا تھا اہل بیت میں تاحی ہو کر ملے ان کو دیکھتے ہی دار قطنی نے چٹایا اور ان کے رخسار کو چومنے لگا جبکہ یہ جھوٹے ہیں چاہیں کون ہیں دار قطنی نے جواب دیا هذا امام المسلمین والذین لا یفرقون علیہ قطنی کا یہ عقیدہ تھا کہ سب کو معلوم ہے حضرت شامی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ مذہب قاضی حاکم غفرلہ تاریخی واقعات اور عملی شواہدات کے ہوتے ہوئے دار قطنی پر شیعہ ہونے کا کسی طرح شیعہ کہہ

نہ تذکرہ الیضا الیضا نیز ان الاعتدال ش روح الشریب الی بیان

چاہکتا اور یہ قلم ازام ہے جس سے دار قطنی کا دامن بالکل پاک و صاف ہے۔
 ذہانت و حافظہ انہایت ذکی و فطین تھے غضب کا حافظ تھا، حافظہ کے بارے میں محدثین کرام
 کی ہزاروں روایات مشہور ہیں اس کا ایک نمونہ اور مصداق آپ بھی تھے، کم سن ہی تھے
 کہ اہل اعیان الصغار کی مجلس میں حاضر ہوئے موصوف اطار کر رہے تھے دار قطنی کے پاس
 رسالہ تھا اسے نقل کرنے لگے، اور سماع بھی جاری تھا حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ
 آپ کا سماع صحیح نہیں کیونکہ آپ لکھتے جا رہے ہیں دار قطنی نے کہا میں دونوں کام ساتھ ساتھ
 کرتا جا رہا ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شیخ نے کتنی حدیثیں اطار کرائی ہیں؟ کہا نہیں دار قطنی
 نے کہا اب تک ۸۸ حدیثوں کا اطار ہوا ہے پہلی حدیث کی سند اس طرح ہے اور متن اس طرح
 دوسری حدیث کی سند اس طرح اور متن اس طرح ہے خلاصہ یہ کہ تمام احادیث کے متون و
 وسندات کو با تفصیل بتلا دیا۔ تمام حاضرین متعجب ہوئے پھر محدثین نے اس واقعہ سے دوسرا
 مسئلہ استنباط کیا جس کے لئے اصول حدیث کا مطالعہ کیا جائے

سمعی کہتے ہیں کہ و کان یضرب بہ المثل فی الحفظ

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ جب میں خطیب سے ملا تو کہا انت الحافظ ابو بکر خطیب
 نے کہا میں تو احمد بن علی الخطیب ہوں، حفظ تو دار قطنی پر ختم ہو گیا۔

فطانت اور انتقال ذہنی بھی بلا کا پایا تھا ایک روز نفل نماز پڑھ رہے تھے پاس ہی
 ایک صاحب حدیث پڑھ رہے تھے اس میں ایک روای سیر بالنون والسمین مضمون تھا
 اس کو انھوں نے سیر فربھا دار قطنی نے بازی میں کہا سبحان اللہ وہ شخص خوشیار ہو گیا
 سمجھا کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے جس کی طرف توجہ دلا رہے ہیں لیکن پھر تصحیح کر کے سیر
وبالبار پڑھا دار قطنی نے پھر سبحان اللہ کہا اب وہ چپ ہو رہے تو دار قطنی نے پھر سبحان اللہ
 و بالسطرون

لے مقدر بنی صلاح و تذکرہ لے اوشاب لے تذکرہ لے بستان

اسی طرح کا ایک واقعہ اور ہے نازی میں تھے کہ ایک شخص حدیث پڑھ رہے تھے انھوں نے عمرو بن شعیب کو عمرو بن سعید پڑھا دارقطنی نے سبحان اللہ کہا، قاری مسجد کا احادہ کے خاموش ہو رہا آپ نے فوراً یہ آیت تلاوت کی یا شعیب اصلو تک تھم کر رعب دارقطنی کی مجلس میں بہت ہیبت و وقار طاری رہتا بڑے بڑے علماء فضلاء جن کے علم و فضل کا غلغلہ بلند تھا ان پر بھی ایسی ہیبت طاری رہتی کہ چوں نہیں کرتے، محمد بن عمر الدؤدی کا بیان ہے کہ ابن شاہین دارقطنی کے ساتھ ایک مجلس میں جمع ہوئے لیکن ہیبت اور خوف سے ایک لفظ نہ بول سکے کہ شاید کوئی غلطی ہو جائے۔

فقروفاۃ احمد بن کرام کی ایک جماعت فقر و فاقہ میں مبتلا رہی ہے امام بخاری اور دیگر محدثین کو مالی مشکلات کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتیں بھگینی پڑی ہیں لیکن کبھی بھی یہ مشکلات ان کے شاہراہ علم کے لئے سد راہ نہ بن سکیں غم و ارادہ کی پختگی کے ساتھ علم و دین کی لذت سے ایسے سرشار رہتے تھے کہ اپنی عسرت اور فقر و فاقہ کا احساس ہی نہیں تھا، یحییٰ بن خالد ص ۲۷۶ اپنے متعلق فرماتے ہیں انی لا عرت رجلاً کانت تمضی علیہ الا یام فی وقت طلبہ لیس له عیش الا وراق الکرب

ابو بکر بن ابی وادو کہتے ہیں

دخلت الکوفۃ و معی درہم

واحد فاشتریت بہ ثلثین

مداً باقلاً و فکنت اکل منہ کتاب

عن الشیخ فہما قرع الباقلاً

حق کتب عنہ ثلاثین الف حدیث

ما بین مقطوع و مرسل

بستان نہ تذکرہ نہ ایضاً

جب میں کوڑہ پہنچا تو مرے پاس صرف ایک

درہم تھا جس سے میں نے باقلا خرید لیا اور

اسی کو کھا کھا کر حدیثیں لکھتا رہا جب تیس

ہزار حدیثیں ہیں لکھ چکا تو باقلا ختم ہوا

بالکل اسی طرح کار قاتی کا واقعہ ہے

لا حظت الفرائد ومعنی ثلاثہ دینار
و در ہر فضاحت الدنا نادر
و فی الدنا ہر قدر ضحکہ الی خباہر
فلکنت آخذ منہ کل یوم عنیفین
و آخذ من احمد بن بشر جزء
فالکعبہ وافرغہ بالعشی فلکنت
ثلاثین جزء و قد ما عند الخباہر

میں جب الفرائد پہنچا تو سرے باس کچھ دیکھا
تھے مگر سب ضائع ہو گئے ایک درہم بچا ہوا
جسے نابائی کے حوالہ کیا اور اس کے عوض دو
روٹی روڈ لیتا رہا۔ اور اپنے شیخ احمد بن بشر سے
مسودہ لے کر حدیث لکھتا رہا جس وقت ضرورت
ختم ہوا ہے اس وقت میں تیس جزء لکھ چکا
تھا پھر چلا آیا

منازعت

دار قطنی بھی ارباب علم و فضل کے اس وراثت سے محروم نہ رہے۔ (ابتدائی، عمر نہایت مختصر
و مسکنت میں گندی، فراخی و وسعت کا نام و نشان نہ تھا مگر پھر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا کیونکہ فضل
کے پاس پیچھے انھوں نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی ان کے علم کی خوب قدردانی ہوئی اور بہت
کچھ مال دیا جس سے فارغ البالی حاصل ہو گئی۔

دار قطنی در معاصرین مشہور ہے کہ معاصرۃ سبب منافرت ہے اور اکثر بڑے بڑے بزرگوں کا دامن

بھی اس سے ملوث ہے، امام بخاری، محمد بن یحییٰ اللہلی، یحییٰ بن معین، امام شافعی، ابن حجر عسقلانی
و غیر ہم نے ایک دوسرے کے خلاف جو کچھ کیا وہ صرف معاصرۃ ہی کا اثر سمجھا جاتا ہے یہی وجہ ہے
کہ محدثین کو کہنا پڑا فلا یلتفت الی کلام الاخران بعضهم فی بعض لیکن دار قطنی کا دامن اس
سے پاک ہے یہ معاصرین اور تلامذہ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان تھے، معاصرانہ رفتار
ان کو کسی قابل قدرستی کی قدر افزائی سے باز نہ رکھ سکی اپنے ایک معاصر عبد اللہ بن ابی اسلمی
م ۱۲۲ کے متعلق کہتے ہیں اس شان کا آدمی میں نے نہیں دیکھا۔

لے ابن خلکان نے تذکرہ طبع الشریب ج ۱ گم تذکرہ

دارقطنی جب مصر سے آئے تو برقانی نے سوال کیا کیا آپ نے کسی کو ایسا بھی پایا جس کو علم کا فہم ہو فرمایا مصر میں ایک نوجوان کو جسے عبد الغنی کہا جاتا ہے، آگ کا شعلہ ہے پھر آپ نے زبردست توصیفی کلمات سے ان کا ذکر کیا۔

دارقطنی معاصرین | دارقطنی کو معاصرین اور محدثین نے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا وہ ان کی کی نگاہوں میں نہایت عزت و احترام کرنے لگے تھے حاکم فرماتے ہیں دارقطنی حفظ، فہم، ورع میں میں بچائے روزگار اور قزاق و نحو کے امام تھے ان کے متعلق جو کچھ میں نے سنا تھا اس سے زیادہ ہی پایا ابو ذر ہروی کہتے ہیں میں نے حاکم سے پوچھا کیا آپ نے دارقطنی جیسا کسی کو دیکھا ہے؟ کہا خود انھوں نے اپنے جیسا نہیں دیکھا ہے میں کیا دیکھوں گا قاضی ابوالطیب فرماتے ہیں دارقطنی ملک حدیث کے امیر المؤمنین ہیں "خطیب بغدادی فرماتے ہیں دارقطنی اعجوبہ روزگار فرید الدہر اور اپنے زمانہ کے امام تھے ان پر معرفۃ علل و اسرار الرجال و حدیث کا علم منتهی ہو گیا، حدیث کے علاوہ کئی علوم میں دستگاہ رکھتے تھے ماقط عبد الغنی بن سعید فرماتے ہیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین شخص اپنے اپنے وقت کے بہترین کلام کرنے والے ہیں علی بن المدینی، موسیٰ بن ہارون دارقطنی عبد الغنی جب بھی ان کا تذکرہ فرماتے "استاذی" کہتے وہی فرماتے ہیں میں مدینہ میں رہ کر ان جیسا کسی کو نہ پایا۔

حدیث نعمۃ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل عطا کیا تھا اور جو تفوق و منزلت حاصل تھی اسے اچھی طرح سمجھتے تھے چنانچہ کبھی کبھی حدیث بالنعۃ کے طور پر اظہار بھی کرتے تھے ابوالقاسم زہری کا بیان ہے کہ دارقطنی سے ابن ابی الفوارس نے کسی حدیث کی علت یا راوی کے متعلق سوال کیا جواب سے غدرغ ہو کر کہا ابو الفتح! ایسا ن سب چیزوں کا جاننے والا مشرق و مغرب میں میرے سوا اندکن ہے؟

ایک دن لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے جیسا بھی کسی کو دیکھا ہے تو یہ آیت پڑھ کر خائف

لہ تذکرہ مکہ بستان

چور ہے فلا تنکوا انفسکم الخ اور کچھ جواب نہ دیا لیکن لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا اگر کوئی ایک فن مراد ہے تو بے شک میں نے اپنے سے اعلیٰ و افضل لوگوں کو دیکھا ہے اور اگر وہ تمام فنون مراد ہیں جو مجھ میں ہیں تو ایسا آدمی میں نے نہیں دیکھا ہے۔

ابو الطیب طبری کا بیان ہے دار فطنی کی مجلس میں حاضر ہوا اور مسند ذکر کی حدیث جس کے طرق کو دار فطنی نے جمع کیا تھا پڑھی جارہی تھی قاری فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا اگر اس وقت امام احمد بن حنبل بھی حاضر ہوتے تو وہ بھی ان احادیث سے استفادہ کرتے۔

نرم مزاجی | نہایت نرم مزاج اور رقیق القلب تھے بہت جلد آبدیدہ ہو جاتے آپ کے استاد ابو بکر الزلی ابن نالمسی جو قید کر کے دار پر بٹھائے گئے تھے بن کا تذکرہ جب بھی آپ کے سامنے آتا تو رو دیتے اور فرماتے کہ جس وقت ان کی چٹری ادھیری جارہی تھی اس وقت یہ آیت ان کی زبان پر تھی کَانَ ذَا الْفِی الْکِکَلِ مَسْطُورًا

انکاری | منکر المزاج اور متواضع تھے اور علم سے جو خاکساری و تواضع پائی ہوئی چلتے بوجہ اتم موجود تھی کسی بھی کسی چھوٹے سے علم حاصل کرنے میں بھیجتے نہیں تھے فرماتے ہیں من احب ان ینظر تصویرہ لہ فلینظر فی علی حدیث الزہری لمحمد بن یحیی الذہلی (م ۲۵۸) عبد الغنی الاندلی المصری جو آپ کے تلامذہ میں ہیں ان کا بیان ہے کہ جب میں الموطع والمختلف لکھے لگا تو دار فطنی پہنچے اور میں نے اس سلسلہ میں ان سے استفادہ کیا اور ان تمام مضامین کو موطع و مختلف میں جمع کر دیا جب تصنیف سے فراغت ہو گئی تو استاذ نے مجھ سے کہا اس کی قراءہ کیجئے تاکہ مجھ کو آپ سے سماع ہو جائے میں نے کہا حضرت! اس میں جو کچھ ہے سب آپ ہی کا تو نہیں ہے فرمایا یہ سب کچھ نہیں سنا جائے گا تم نے جو کچھ لیا ہے وہ مجھ سے متفرق لیا ہے اور اس میں سب مجتمع ہیں اس کے علاوہ اس میں آپ نے دوسرے شیوخ سے بھی استفادہ کیا ہے غرض ان کے اصرار پر میں نے قراءت کی۔

لہ بستان لہ ابن خلکان لہ النسب سماعی لہ معجم البلدان لہ تذکرہ ج ۲ لہ ایضاً ج ۳

شگفتگی | مزاج میں شگفتگی اور تفریح بھی مٹی ایک روز ابو الحسن بیضاوی نے ایک شخص کو جو حدیث کی طلب میں آیا تھا ان کے سامنے پیش کیا اور کہا یہ شخص مسافر ہے آپ کچھ اٹھا لیتے دارقطنی نے معذرت کی اور کہا کہ فرصت نہیں ہے لیکن بیضاوی کب مانتے دانتے تھے اصرار کیا آخر دارقطنی نے ایک حدیث اٹھا کر کرائی جس کو تقریباً بیس طرق اور سند سے روایت کی اور سب کا متن یہ تھا فعم الشی الہدیۃ | امام الحاجۃ دوسرے روز وہ صاحب پر آئے اور مناسب ہدیہ لے کر آئے دارقطنی نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور ایک حدیث سترہ طرق سے اٹھا کر کرائی متن ان سب حدیثوں کا یہ تھا۔ اذا اناک کس یعرفوم فلک مودہ دارقطنی کا علم و فضل میں اپنے وقت کا امام ہونا اور مختلف علوم و فنون میں ان کا تفوق مسلم ہے خصوصاً علم حدیث کے ہر شعبہ میں جو ان کی خدمات جلیلہ میں وہ تاریخ کے سینے پر ثبت ہیں علم حدیث کے ہر موضوع پر نہایت قابل قدر تصنیفات ہیں جنہیں ارباب علم و فضل نے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ذیل میں ہم ان کی تصانیف سے ناظرین کو روشناس کرانا چاہتے ہیں اس تذکرے سے ان کے تجر علمی کا اندازہ ہو سکے گا۔

سنن دارقطنی | تیسری صدی حدیث کی ترتیب و تدوین کے لحاظ سے نہایت مبارک و مسعود زمانہ رہی ہے سنت کی خدمت اور اس کی تحیص اور رواۃ کا نقد اسی زمانہ میں ہوا اس کے قبل حدیثی کتابیں تالیف ہوئیں وہ سب کی سب اقوال صحابہ و تلامذہ سے مخلوط و مزوج ہوا کرتی تھیں لیکن اس دور میں تالیف کا طریقہ ہی بدل گیا اور نئی راہ نکالی گئی اور صرف سند کو جمع کیا جانے لگا لیکن صحیح و سلیم رطب و یابس کا اعتبار نہیں کیا گیا اور ہر جمع و ضعیف کو جگہ دے دی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ جو ارباب نظر و فکر نہ تھے ان کے لئے سخت دشواری پیش آئی لیکن امام بخاری م ۲۵۱ و امام مسلم م ۲۶۱ و دیگر ائمہ جہاں دہ نے اس کوتاہی کو محسوس

کرتے ہوئے ایسی کتابیں تدوین کیں جن کی نظیر دنیا کی کسی زبان و مذہب میں نہیں ملتی
چوتھی صدی کے ابتدائے علم ہی اسی نقش قدم پر چلنے لگے اور ان کا کام زیادہ تر افتد کا ہوا
اس صدی کی مشہور کتاب معجم طبرانی م ۳۶۰ دگیر و صغیر و اوسط سنن دار قطنی م ۳۸۵
صحیح ابن حبان م ۳۵۴ وغیرہ ہیں دار قطنی اور ان کی تصانیف کو قدر سے دیکھا گیا اور اس
سے فائدہ پہنچا ابن صلاح کا بیان ہے کہ سات مافظ ایک ہی طبقے میں ایسے ہیں جن کی تصانیف
ابھی میں اور ہمارے زمانہ میں اس سے فائدہ عظیم ہوا ان میں سے ایک ابو الحسن علی بن عمار دار قطنی
ہیں سنن دار قطنی اسی دور کی قیمتی کتاب ہے جس نے عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کی
علامہ سیوطی اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے کہ بخاری و مسلم کے علاوہ جو صحیح حدیثیں ہیں ان
کی صحت اور تلقی بالقبول کا معیار کیا ہوگا؟ فرماتے ہیں اس کے متعلق علمائے حدیث کا یہ مسلک
ہے کہ جب معتد مصنف یا معتد تصنیف میں اس کی صحت کی تصریح کر دی جائے تو وہ حدیث
صحیح ہوگی اس مقام پر معتد تصانیف کو علامہ موصوف غمار کرتے ہیں اور اس میں دار قطنی کا
بھی ذکر ہے، فرماتے ہیں کسنن ابی داؤد، والترذی، والنسائی و ابن خزیمہ والدار قطنی والحکم
والبیہقی وغیرہ کشف الظنون نے حدیث کی صحیح کتابوں میں دار قطنی کو داخل کیا ہے الا
ان السلف والخلف قد اطلقوا علی ان اصح المکتب بعد کتاب اللہ سبحانہ و تعالیٰ
البخاری ثم مسلم ثم الموطا ثم بیئۃ الکتب الستۃ وھی ابوداؤد والترذی والنسائی وابن
الدار قطنی بالکل اسی طرح کا خیال طاش کبری زادہ نے بھی ظاہر کیا ہے علمائے متاخرین نے
اس کو اپنی تصنیفات کا موضوع قرار دیا اور اس پر کام کیا ہے۔ حاکم ابن حجر نے دس کتابوں
پر اطراف لکھی ہے جس کا نام استخاف المہرۃ باطراف العشرۃ ہے ان دس میں دار قطنی بھی شامل

لہ مقلح السنۃ ۴۰۰ تدبیر ۴۰۰ کشف الظنون ۴۰۰ بقیہ کتابیں یہ ہیں موطا مالک بسند شافعی بسند احمد
بسند داؤد۔ ابن خزیمہ۔ شافعی ابن جارد۔ صحیح ابن حبان۔ مستخرج ابی عوانہ۔ مستدرک حاکم شرح
مطی الآثار۔ اور ایک دار قطنی کل گیارہ کتابیں ہو جاتی ہیں مگر دس ہی کا اعتبار کیا ہے صحیح ابن حبان
(بقیہ حاشیہ برسطح آئندہ)

سے علامہ ابن الملحق م ۸۰ نے حدیث کی چھ کتابوں کے رجال پر کام کیا ہے اس میں دارقطنی بھی ہے علامہ عراقی نے سنن دارقطنی کے ان رجال پر کام کیا ہے جو تہذیب کے علاوہ ہے علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں جن کتابوں کی احادیث کی تخریج کی ہے ان میں ایک سنن دارقطنی بھی ہے اور اس کی علامت قسط ہے۔

علامہ شمس الحق دیانوی البہاری صاحب عون المعبود نے سنن دارقطنی پر تعلق لکھی ہے جس کا نام تعلق المغنی علی سنن دارقطنی رکھا ہے اور سنن کو موہ تعلق کے شارح کیا ہے۔

سنن دارقطنی کے چند نسخے ہیں دا، ابو بکر محمد بن عبد الملک بن بشران الحافظ (۲)، ابو محمد بن احمد بن محمد بن عبد الرحیم الکاتب (۳)، ابو منصور محمد بن محمد النوقانی (۴)، ابو بکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب البرقانی (۵)، ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ بن طاہر الطبری (۶)، ابو الحسن محمد بن علی م ۴۶۵ اول الذکر تینوں نسخوں میں اصولاً فرق نہیں ہے صرف تقدیم و تاخیر اور رواۃ کے نسب و نسبت میں زیادتی و نقصان کا تھوڑا فرق ہے ابو الحسن سب سے آخری شاگرد اور آخری راوی ہے، ہندوستان میں ابن بشران کا نسخہ ہے۔

اس سنن کی سب سے اعلیٰ سند پانچ واسطہ سے ہے سب سے پہلی حدیث ثلثین والی ہے اس حدیث کے طرق و اسانید میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور تحویل پر تحویل کرتے چلے جاتے ہیں تقریباً ۵ سندوں سے اس کو ذکر کیا ہے جس سے دارقطنی کے قوت حافظہ اور استیفاء تام کا پتہ چلتا ہے پہلی سند حضرت جابر بن عبد اللہ سے ہے جس کے الفاظ ہیں بلغ من الماء ثلثین فما فوق ذلك لم يجسه شیء ایک حضرت ابن عباس سے ہیں الفاظ ہیں اذا كان الماء ثلثین فصاعد الم يجسه شیء اور باقی حضرت ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

و لقیہ ماشیہ صفو گذشتہ کا شمار نہیں کیا ہے کیونکہ حافظ ابن حجر کے پاس صحیح ابن خزمہ کا نسخہ تھا جس کا معنی صرف ایک ربع اس لئے نام باطراف المعشرہ ہی رکھا اس کا ایک قلمی نسخہ مکتبہ ملائیاستان میں موجود ہے خط لکھا ابن ہند اور حیدرآباد میں بھی ہے یہ بقیہ کے نام یہ ہیں مسند احمد۔ صحیح ابن خزمہ۔ صحیح ابن حبان۔ مسند ک حاکم۔ بیہقی۔ تہستان۔

یا ابن عمر عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

دارقطنی، سنن میں پہلے حدیث کے تمام طرق کو جمع کر دیتے ہیں پھر اس کے مستند پر کلام کرتے ہیں اگر راوی ضعیف ہے تو اس پر جرح کرتے ہیں پھر حدیث حسن یا ضعیف ہوتی تو اس کی تصریح کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے یا ضعیف۔

حدیث حسن کے شناخت کا ذریعہ مشائخ متقدمین جیسے امام احمد و بخاری رحمہما اللہ وغیرہا کے متفرق کلام میں یا پھر جامع ترمذی ہے لیکن اس کے نسخے مختلف ہیں اس لئے صحیح طور پر پتہ چل نہیں سکتا الا یہ کہ معتد لستعمل جائے اور پھر تفسیر از ذریعہ سنن دارقطنی ہے کیونکہ یہ اپنے سنن میں نص کر دیتے ہیں اور تصریح کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

پھر فقہاء کے مذاہب کو بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معرفت بذمائم الفقہاء میں بھی ان کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔

(باقی آئندہ)

لہ مقدمہ ابن صلاح

مرزا شوق لکھنوی کا تنقیدی مطالعہ

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

مرزا شوق، جان عالم و اجد علی شاہ کے اس لکھنو کا شاعر ہے جہاں ہر منظر جنت نگاہ اور ہر گوشہ بساط، دامن باغیاں بنا ہوا تھا نظارۂ جمال بھی تھا اور شوق وصال بھی۔ جام بلور بھی تھا اور زہرہ صبح بھی۔ صراحی مے ناب بھی تھی اور سفینہ غزل بھی۔ اس کا تنقیدی مطالعہ نہ صرف لکھنوی ادب کے محرکات اور میلانات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے بلکہ اس تہذیبی ماحول کو جاننے کے لئے بھی۔ جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ حکم قضا کو جام شراب کی گردش سے پھر دیا گیا ہے اور شام و سحر کی یہ رنگینیاں قائم ہو کر رہ گئی ہیں قیمت علاوہ محصول ڈیوٹی و سب سے کاہتہ۔ مکتبہ برہان، دہلی ۶ اور محمد اسلم، عماد الملک روڈ علی گڑھ۔

مسئلہ قربانی اور مسلمان

انرا

(حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحبزادہ سکریٹری جمعیت علماء ہند)

اربابِ فکر و نظر جب کسی اہم مسئلہ پر غور کرتے ہیں بنیادی مقصد ایک ہوتے ہوئے بھی اکثر و بیشتر ان کے فکر کی دو جدا جدا راہیں بن جاتی ہیں جن کو ہم افہام و تفہیم کی غرض سے تخیلی اور عملی کے نام سے پکار سکتے ہیں۔

میدانِ تخیل کا مزین معاملہ کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے اول چند نظری مقدمات بناتا ہے اور پھر واقعات کی رفتار کو اپنے غور و مقدمات کے سانچے میں ڈھال کر ایسا نتیجہ نکالتا ہے جو واقعات و حقائق سے جدا بلکہ بعض مرتبہ ان کے برعکس ایک نئی حقیقت کی تخلیق کا سبب بن جاتا ہے اور وہ پیش پا افتادہ حقیقت اپنی جگہ تشنہ رہ جاتی ہے اور بسا اوقات مستور اور پوشیدہ ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس عملی طریق فکر کا حامل اصل حقیقت کی تک پہنچ کر صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب رہتا اور مقصد کو ہر قسم کے نقصان و ضرر سے محفوظ رکھ کر اس کی تقویت کا باعث بنتا ہے نیت اور ارادہ اگرچہ دونوں کا پاک اور بے لوث ہونا ہے مگر مقصد تک پہنچنے یا اس کو قوی تر بنانے میں اکثر و بیشتر پہلا ناکام اور دوسرا کامیاب نظر آتا ہے۔

اس نازک درد میں بھی جبکہ ملک و وطن کے اہم مسائل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں سے متعلق بعض خصوصی اور اہم سے اہم تر مسائل زیر غور اور زیر بحث ہیں ہمارے اربابِ فکر مسطورہ بالا دونوں راہوں پر چل کر مسائل حل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے ذہن کے مطابق مسلمانوں کو مشورے دے کر ان کی مشکلات کے حل اور مصائب و آفات کے

انسداد کی فکریں کر رہے ہیں۔

ان ہی پیچیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ جو آج ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے قدم رکھنے کی ہزار سالہ تاریخ میں بہت بڑے عرصہ سے ہمیشہ پیچیدہ بنا رہا ہے ”قربانی کا“ کا مسئلہ ہے۔

”گائے“ ہندوؤں کی مذہبی تقدیس کا ایک اہم جز رہے اور اس درجہ اہم ہے کہ ہندو مذہب کے تمام متوں کو یہی گائے ایک مرکز پر جمع کر دیتی ہے یہ تصویر کا ایک رخ ہے دوسرا رخ یہ ہے کہ ہندو مذہب کے علاوہ اسلام، عیسائیت، یہودیت وغیرہ مذاہب میں گائے کو بھی ان جانوروں میں شمار کیا گیا ہے جن کا گوشت انسان کے لئے پاک اور حلال ہے اس لئے قدسی طور پر ان مذاہب کے پیروں میں اس جانور کی مذہبی تقدیس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس مسلمانوں کے اہم مذہبی تہوار ”عید قربان“ میں جو کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے حق تعالیٰ کے سامنے اپنی قربانی پیش کرنے کی یادگار کا بہترین شاہکار ہے مخصوص حلال جانوروں کی قربانی کی فہرست میں یہ بھی شامل ہے اور یہی نہیں بلکہ ایک عرصہ دراز کے بعد مسلمانوں کے عام اقتصادی حالات کے پیش نظر اس مسئلہ نے اس لئے بھی اہمیت حاصل کر لی کہ قربانی کے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کبڑا، بھیڑ، دنبہ ایک شخص کی جانب سے ایک ہی ہو سکتا ہے مگر اونٹ، بھینس اور گائے میں سات اشخاص شریک ہو کر قربانی کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں اور ہر کمرے کی اور بڑے جانور کی قیمت کا اگر موازنہ کیجئے تو صاف نظر آتا ہے کہ جو سات اشخاص جدا جدا سات کمرے کرنے پر مالی حیثیت سے قدرت نہیں رکھتے وہ آسانی سے ایک بڑے جانور کی قیمت میں شریک ہو کر اپنے فریضہ کو ادا کر لیتے ہیں اور جبکہ اس ملک میں اونٹ کیاب ہے تو بھینس اور گائے اور ان دونوں کی نسل ہی سے کام لیتے ہیں مسلمانوں کی اقتصادی حالت کس درجہ کمزور ہے اس کا اندازہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ ملک کے تمام باشندوں کو ہے اس لئے قربانی کے موقع پر

بحرے اور دہلی کی قربانی کم اور بڑے جانوروں کی قربانی زیادہ کرنے کا سبب یہی اقتصادی مجبوری رہی ہے اور ہندوؤں کے جذبات کو ٹھیس پہنچا ہرگز ہرگز اس کا باعث نہیں ہوا البتہ گزشتہ پچاس ساٹھ برس کے عرصہ میں انگریزوں کی غلامی کے ساتھ ساتھ جب ملک میں حقوق طلبی کی بحث نے سیاسی رنگ اختیار کیا اور ایک اجنبی سامراجی طاقت نے اپنی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے ہندو مسلمان کو جدا جدا حیثیت دے کر مذہبی اور معاشرتی منافرت کا پارٹ ادا کیا اور اس کے نتیجے میں ہندو اور مسلم دونوں تہواروں میں خون کی ہولی کھلنے لگی تب یہ مسئلہ بھی بد قسمتی سے دونوں فرقوں کے درمیان باہمی منافرت اور باہمی کش مکش کا ذریعہ بنالیا گیا۔

ہندو بھائی آنکھوں سے دیکھتے کہ انگریزوں کی چھاؤنیوں میں روزانہ ہزار ہاتھسہم کی گائے کشتی میں اور وہ اس کو برداشت کر لیتے لیکن تین سو ساٹھ دنوں میں سے ایک دن جب عید قرباں کے نام سے اکثر مشیتزنا کارہ اور دودھ سے بیگانہ ذبح کی جائیں تو جانور کے نام پر انسانوں کی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔

اسی طرح مسلمان یہ محسوس کرتے ہوئے بھی کہ اس خاص جانور کے ذبح سے برادران وطن کے جذبات مشتعل ہوتے ہیں انھیں بڑے جانوروں میں سے اسی جانور کی قربانی افضل نظر آنے لگی۔

مگر یہ سیاسی بحران خلافت کی نیک تحریک نے بکرم پامال کر کے ملک میں پہلے سے بھی زیادہ دونوں فرقوں کے درمیان یک جہتی پیدا کر دی اور ایک دوسرے کے جذبات کا پائس و لحاظ سکھا دیا جس کا معمولی مظاہرہ یہ تھا کہ عید قرباں کے موقع پر حکیم اجل خاں صاحب کی تحریک پر دہلی میں جہاں سیکڑوں گلے قربان ہوا کرتی تھیں حکومت کی پوری مخالفت کا وقت کے باوجود مشکل سے دو یا تین گائے ہو سکی تھیں۔

اس سے یہ بخوبی اندازہ ہو گیا کہ مسلمانوں کی عام ذہنیت اس طرح کی دافع ہوئی

ہے کہ محبت اور جذبات فلوں کے ساتھ لگان کی جان بھی طلب کی جائے تو وہ دریغ نہیں کیے اور ہم ہمیشہ کو بزدلی تصور کرتے ہیں لیکن کسی معاملہ پر قوت آزمائی کے ذریعہ قابو حاصل کرنے کی سعی کی جائے تو اس کے سامنے سر جھکانا اپنی توہین سمجھتے اور جادے جابر طریقہ پر اس کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں خواہ اس مقابلہ میں خود ان ہی کو شدید خسارہ اور نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

پہنانچہ مسئلہ میں جب تحریک خلافت کمزور پڑ گئی اور حکومت سے نبرد آزما ہندو مسلم طاقت آپس میں ہی دست درگریاں ہونے لگی حتیٰ کہ مذہبی تہوار بھی اس زد سے نہ بچ سکے اور سیاسی بخار کا ٹیپر پھر دونوں جانب سے مذہبی شکل میں چڑھنے لگا اور دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ ایک مرتبہ پھر اس مسئلہ کو خالص مذہبی اور اقتصادی حدود سے نکال کر سیاسی رنگ میں دیکھا جانے لگا اور ہندو مسلمان دونوں ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کی پروا کے بغیر اور ملحدانہ معیار سے مذہم موڑ کر مذہبی رسوم میں ایک دوسرے کو زک دینے ہی کو بڑا مذہبی کارنامہ سمجھنے لگے۔

بہر حال کہنا یہ تھا کہ دراصل مسلمان عید قرباں میں بڑے جانوروں کی خصوصاً آسانی سے بکرت بستے داموں دستیاب ہو جانے کی وجہ سے دودھ سے بے گانہ اور ناکارہ گالیوں کی قربانی خالص مذہبی اور اقتصادی نقطہ نگاہ سے کرتے تھے اور اس معاملہ میں ہندوؤں کے جذبات کو ہمیشہ پہچانا اور ان کو چرانا مقصود نہیں ہوتا تھا تاہم دونوں جانب کے لیڈروں اور قریبی رہنماؤں نے ضرورت موقعہ بہ موقعہ اس مسئلہ کو سیاسی رنگ دے کر باہمی منافرت کا پھیلانے کا کڑا کر زیادہ توں فرقوں کے درمیان کشیدگی اور نفرت کے جراثیم کے لئے غذا کا کام دیا۔

میں نے ہندو مسلم سنجیدہ اور صاف دماغ مدبّرین اور سیاسی بلند پایہ رہنماؤں نے جنت جنت کوشش کی کہ کسی طرح یہ مسئلہ حل ہو جائے تاکہ دونوں فرقوں کے درمیان اعتماد اور یکجہتی کی فضا قائم ہو سکے۔ ہندو مذہب کے نام پر سیاسی حربہ بن سکے لیکن انیسویں صدی انیسویں کے قریب

مہراں ملک کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور فرزند پرستوں اور اجنبی سامراجی طاقت کی مہرانیوں کی وجہ سے یہ اخلاقی مسئلہ سیاسی الجھنوں میں پھنس کر رہ گیا۔
یہ اس مسئلہ کا پس منظر ہے جو بغیر کسی ذمہ داری کے واقعات کی حقیقی روشنی میں پیش کیا گیا ہے تاکہ اس نازک زمانے میں اس مسئلہ پر جو کچھ کہا یا لکھا جائے اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر مواد ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔

ہندوستان مسئلہ میں آزاد ہو گیا اور انگریزوں کی سامراجی حکومت کے بچے استبداد سے اس کو پوری طرح آزادی نصیب ہو گئی لیکن اس نے اپنے ترکہ میں ہندوستان کی تقسیم اور بٹوارہ چھوڑا جو ملک کے باشندوں کو "خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا بھارت میں ہندو ہوں یا مسلمان" بہت ہنگامہ اور تباہی و بربادی کا وہ نقشہ سامنے لایا تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز و در ماندہ ہے۔

اس موقف پر پہنچ کر ملک کے دونوں حصوں میں ہندو اور مسلمان کی سیاسی اور اجتماعی حیثیت میں سابق کی بہ نسبت بہت بڑا تفاوت ہو گیا اور ہندوستان کی وحدت کی صورت میں جو وزن مسلمانوں کا بھارت کے حصہ پر ہو سکتا تھا وہ باقی نہ رہا اور جو قیمت ہندو کی پاکستان کے حصہ میں ہو سکتی تھی وہ پاؤں ہوا ہو گئی اور کل جن متنازعہ فیہ مسائل میں پورے ملک کے ایک دوسرے کی رضا اور قبولیت از بس ضروری اور ناقابل نظر انداز سمجھی جاتی تھی آج دونوں حصوں کی اکثریت کی نگاہ میں ان مسائل کے حل کرنے میں اقلیت کا فیصلہ اور اس کی رائے سیاسی تو کجا اخلاقی حیثیت میں بھی کچھ زیادہ قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا۔

بحث اس میں نہیں ہے کہ ہونا کیا چاہئے پیش نظر یہ ہے کہ ہو کیا رہا ہے اور گزشتہ دور کے فرقہ وارانہ تفسیوں کے حل کے لئے عملی زندگی میں آج اور کل کے درمیان کیا تفاوت اور فرق ہے؟

اشارات و مضمرات میں موجودہ صورت حال کا جو جائزہ سطور بالا میں لیا گیا ہے اس

کو سامنے رکھتے اور اب غور کیجئے کہ ”قربانی کا ذرا اور مسلمان“ کے عنوان پر جن حضرات نے حالیہ معنایں میں اظہار خیال کیا ہے اس کی نوعیت کیا ہے اور کیا مسئلہ کو اس طرح زیر بحث لا کر ہم واقعی حل کر سکتے ہیں یا حل کرنے کی بجائے جن مسلمانوں کی جان و آبرو کی خاطر اس مسئلہ کو سپرد قلم کیا گیا ہے ان کے لئے مزید مشکلات کا باعث بن رہے ہیں؟

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ برادر عزیز مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ نے برہان بابت اکتوبر ۱۹۵۷ء کے شذرات میں عید اضحیٰ کے حالیہ فسادات سے متاثر ہو کر گلے کی قربانی سے متعلق اظہار خیال کرتے اور اس مسئلہ کی شرعی حیثیت پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے اس جانب جو توجہ دلائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عید قرباں کے موقعہ پر گائے کی قربانی کے نام سے بھارت میں مسلمانوں کے خون کی جوار زانی ہوتی ہے اس کے متعلق ہم دو طرح غور کر سکتے ہیں ایک یہ کہ گائے کی قربانی ایک امر مباح ہے پس اس امر مباح کو اگر حکومت قانون اور قوت کے بل پر روک دے اور مسلمانوں کو مجبور کر دے تو ایسی صورت میں مباح بھی واجب الادا ہو جاتا ہے خواہ اس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو دوسرے یہ کہ حکومت نے اس کو نہ قانون کی راہ سے روکا ہے اور قوت کے بل پر روکنا چاہتی ہے تو مسلمانان ہند اجتماعی حیثیت میں اس کا فیصلہ کریں کہ جبکہ گائے برادران وطن کی مذہبی تقدیس کا اہم شعار ہے تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ آئندہ گائے کی قربانی ہرگز ہرگز نہ کریں گے تاکہ برادران وطن کی دل آزاری بھی نہ رہے اور مسلمانوں کی جان عزیز بھی خطرہ میں نہ پڑے۔

موصوف نے ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی پہلو کے متعلق خود کوئی فیصلہ کن رائے نہیں دی بلکہ علماء کرام خصوصاً جمعیتہ علماء ہند کو دعوت دی ہے کہ وہ جلد از جلد اس کا فیصلہ کرے البتہ ان کا رجحان یہ ضرور ہے کہ اس مسئلہ کا فیصلہ دوسری صورت کے مطابق ہونا چاہئے مولانا نے موصوف کا یہ شندہ اپنی جگہ اگرچہ قابل قدر اور لائق توجہ ہے لیکن میری تمہید کے مطابق تجزیلی ہے علی نہیں اور دقت کے تقاضا کے پیش نظر مضرب مفید نہیں اس لئے نہیں

نہ ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس لئے کہ یہ بعد از وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی اور اس لئے آج ایسا ہونا برادرانِ وطن کی نگاہ میں بے وقت اور بے معنی ہے اور اگر مجھ کو زیادہ جرات کے ساتھ کہنے کی اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ موجودہ حالات میں یہ مستحسن رقی کار نہ اخلاقی قدر و قیمت رکھتا ہے اور نہ سیاسی اور نہ اس سے مسلمانوں کی جان عزیز ہی خطرو سے بچ سکتی ہے غرض جو حل پیش کیا گیا ہے وہ تقسیم ہند کے بعد ”حل“ کہلا سکتا ہے لیکن ”حل“ بن نہیں سکتا۔

کیوں؟ اس لئے کہ موصوف نے پہلی بات ”جس پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھی ہے“ یہ فرمائی ہے۔

اس نفسیاتی الجھن اور بیم درجہ کی اس جاں گداز کشمکش کا اصل باعث گائے کی قربانی کا مسئلہ ہے یہ مسئلہ ہمیشہ سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں کشیدگی اور کشاکش کا سبب بنا رہا ہے اور اب ملک کی تقسیم جن حالات میں ہوئی ہے ان کی زد سے اس کی نزاکت اور کبھی بڑھ گئی ہے چونکہ یہ خالص مذہبی معاملہ ہے اس لئے علماء کا فرض تھا کہ تقسیم کے بعد ہی فوراً اس کے متعلق کوئی متفقہ فیصلہ کر کے مسلمانوں کی راہنمائی کرتے تاکہ گوگوش کے عالم میں رہنے کے باعث جان و مال کا جو خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے اس سے نجات ملتی اور صورت حال کا کوئی خوشگوار حل نکل سکتا لیکن افسوس کہ علماء نے ایسا نہیں کیا اور اب ایسا مرحلہ آگیا ہے کہ اگر ان کی خموشی کا یہی عالم رہا تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے نتائج کتنے خطرناک اور افسوسناک ہوں گے (انتہی)

نشان زدہ عبارت یہ خلی کھارہی ہے کہ تقسیم کے بعد چونکہ علماء نے گائے کی قربانی کے ترک کا فیصلہ نہیں دیا اس لئے مسلمانوں کو جان و مال کا خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے مجھے حیرت ہے کہ مولانا نے موصوف نے اس مسئلہ کی انتہائی نزاکت سے باخبر ہونے کے باوجود اتنا بڑا بوجہ علماء پر یا خود مسلمانوں پر ڈال دیا ہے اور خطایق و واقعات سے چشم پوشی

کاحسرت زاثبوت دیا ہے۔ کاش وہ اس حقیقت پر نظر رکھتے کہ تقسیم ہند کے بعد مسلمان
مثلاً قربانی کا ترک کئے ہوئے ہیں اور علماء کا فیصلہ ہونے نہ ہونے سے قطع نظر وقت نے
خود ان کی رہنمائی کا فرض انجام دیا ہے تاہم عید قرباں کے موقع پر گزشتہ سالوں میں خصوصاً
امسال جو فسادات ہوئے ہیں ان کے متعلق خود سرکاری کمیونٹیکے مظہر ہیں کہ مسلمانوں نے
ان مقامات پر گائے کی قربانی نہیں کی تھی لیکن فرقہ پرست ہندوؤں نے مسلمانوں کی جان و
مال کو نقصان پہنچانے کے لئے عید قرباں کو بہانہ بنا کر خون کی ہولی کھیلنا ضروری سمجھا چاہے جیسے
رہسہارنپور، سوہر دسترا، دولت پور (الہ آباد)، مگرمی (اعظم گڑھ)، لکھنؤ، جیل (بھاگل پور)،
سینہور (بھوپال) کے فسادات اس حقیقت کو بخوبی واضح کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور حقیقت بھی فراموش نہیں ہونی چاہئے وہ یہ کہ حکام کے اس
بات سے مطمئن ہونے کے باوجود کہ مسلمان گائے کی قربانی نہیں کریں گے انہوں نے اکثر
مقامات پر یہ نہایت کی کہ اگر آپ بھینس یا بھینس کی نسل کی قربانی بھی کریں گے تو چونکہ ذبح کے
بعد بڑے گوشت کے درمیان یہ فرق مشکل ہے کہ گائے کا ہے یا بھینس کا اس لئے مسلمانوں
کے لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ وہ قانونی پابندی نہ ہوتے ہوئے بھی ایسا کریں ورنہ فساد
کی ذمہ داری سے وہ بھی سبکدوش نہیں رہیں گے۔

ایسے حالات میں اگر علماء یہ متفقہ فیصلہ دے بھی دیں تو انصاف کیجئے کہ اس فیصلہ کی قدر
و قیمت کیا ہے اور کس طرح مسلمانوں کی جان و مال کا خطرہ اس فیصلہ سے ٹل سکتا ہے بلکہ
کو اگر دور رس نگاہ سے دیکھا جائے تو یکطرفہ یہ فیصلہ مسلمانوں کی جان و مال کے لئے مزید خطرہ
بن سکتا ہے کیونکہ مفسد عناصر جن مقامات پر فساد کرنا چاہیں گے وہاں کے مسلمانوں پر یہ مجبورانہ
الزام عائد کریں گے کہ اس مقام کے مسلمانوں نے نہ صرف ہندوؤں کی دل آزاری کی بلکہ
خود اپنے علماء کے متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی کی اور گائے کی قربانی کر کے دو سنگین جرموں کے
مرتکب ہوئے اس لئے ان کا صفو ہستی سے متا دینا ہی بہتر ہے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کا خوف و ہراس یا مصلحت وقت کے پیش نظر ہے
 لیکن تاریخی ذکر ناوہ اہمیت نہیں رکھتا جو علماء کے متفقہ فیصلہ سے پیدا ہو سکتی ہے مگر یہ بھی سبب
 نہیں ہے اس لئے کہ کسی قوم یا کسی فرقہ کا مذہبی یا سیاسی یا اخلاقی متفقہ فیصلہ جب ہی دوسری
 قوم یا دوسرے فرقہ کی نگاہ میں لائق اعتنا اور قابل وقت ہو سکتا ہے جب عملی زندگی میں وہ
 دوسروں کے ہم پلہ اور قوت و طاقت میں دوسروں کے ہمسری نہ ہو بلکہ اس درجہ میں ہو کہ اگر
 دوسرے اس کے فیصلے کو نظر انداز بھی کر دینا چاہیں تب بھی نظر انداز نہ کرنے پر مجبور ہوں ورنہ
 اس دنیا میں کمزور اور ضعیف عناصر کے فیصلے کھوٹے سکے سے زیادہ وسیع نہیں ہوتے۔
 درحقیقت اس فیصلہ کی قدر و قیمت یا آزادی سے قبل کے دور میں تھی اور یا آزادی
 کے بعد جب ممکن تھی کہ ملک کی تقسیم نہ ہوتی اور پورے ملک میں ہر حیثیت سے دونوں بڑے
 فرقے ایک دوسرے کی ٹکراؤ برابر کے سمجھے جاتے اور ایک کے فیصلہ کا اثر دوسرے کو قبول
 کرنا ناگزیر ہوتا۔

البتہ مسلمانوں کو جان و مال کے خطرہ سے بچانے عید کے موقع پر ان کے چہروں پر خون
 و لال کی جگہ بشاشت و مسرت پانے اور گانے کے نام سے ہندو مسلم فسادات روکنے کی
 غرض سے صبح مل تلاش کرنے کی بنا پر نہیں بلکہ علماء کا یہ متفقہ فیصلہ اس غرض سے کرنا مقصود
 ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اخلاقی بلندی کا ثبوت دینے کے لئے ایسی بات کے ترک کا متفقہ
 اعلان کر دینا چاہئے جس سے برادران وطن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے خواہ آج
 کے دن اس کی اخلاقی قدر و قیمت بھی کچھ نہ تھی جائے لہذا یہ ایک تجویزی حل تو بن سکتا ہے
 عملی مل نہیں ہو سکتا۔

کیا دونوں ملکوں کی اکثریت اس زعم باطل میں گرفتار نہیں ہے کہ جو متنازع فیہا مسائل
 مل تک حل نہیں ہو سکے یا اجنبی طاقت نے حل نہیں ہونے دئے وہ آج اکثریت کی آرا
 زبردست طاقت نے اس طرح حل کر دئے کہ اب ان کو متنازع فیہا مسائل کہنا ہی سمجھنا

سچے اور کل جو معاملات اخلاق، محبت، رواداری اور وطنیت و قومیت کے نام پر طے نہ ہو سکے آج اکثریت کی طاقت نے بہ آسانی حل کر دیئے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس ملک کی اقلیت اگر آج آزاد مضمنا میں اخلاق و مردیت کے نام پر کسی پُرانے قضیہ کا حل تلاش کرے تو اکثریت اس کو اسلئے مضحکہ خیز سمجھنے پر آمادہ نظر آتی ہے کہ اس کے نزدیک یہ فیصلہ اقلیت کی غلبہ ویت اور مرعوبیت کا نتیجہ ہے نہ کہ اخلاقی برتری اور بلند کرداری کا یا کم از کم باہمی امن و سلامتی سے رہنے کے لئے صلح جو یا نہ جذبہ کا، چنانچہ آج اس مسئلہ ”قربانی گاد“ سے متعلق بھی بہت سے سنجیدہ دماغ یہی سوچتے اور زبان سے یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ اب اس ملک میں اس اقدام کے لئے مطلق گنجائش نہیں ہے تو ایسی صورت میں مولانا کے موضوع کا علماء کرام کی خاموشی کو مورد الزام بنا کر ایک غیر موثر فیصلہ کی دعوت دینا ہرگز قرین دانشمندی نہیں ہے بلکہ وقت کے محرکات و عوامل سے چشم پوشی کے مرادف ہے۔

البتہ مسلمان اگر (العیاذ باللہ) اپنے مذہب کو پس پشت ڈال کر اس حد تک جرأت بجا پر آمادہ ہو جائیں کہ ہندو دنیا کی طرح وہ بھی گائے کی تقدیس کو شعار بنالیں تو شاید یہ متفقہ فیصلہ اکثریت کے نزدیک درخور اعتنا بن سکے بشرطیکہ اس فیصلہ میں بھی ان کو کسی جگہ بڑے مخالفت محسوس نہ ہو اور پھر اس کے ازالہ کے لئے ایک اور متفقہ کانفرنس منعقد کرنے کی ضرورت پیش نہ آجائے۔

بہر حال موجودہ حالات میں اس مسئلہ کا عملی حل دو شکلوں میں سے ایک شکل میں ہو سکتا ہے، (۱) یہ کہ مرکزی حکومت اعلان کرے کہ اگرچہ حکومت قانونی طور پر کسی جانور کی قربانی ممنوع قرار نہیں دیتی لیکن ملک کے فرقہ وارانہ حالات کو روکنا یہ اصلاح کرنے کی خاطر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ گائے اور اس کی نسل کے علاوہ مسلمان مذہبی نقطہ نظر سے جس جانور کی بھی قربانی کرنی چاہیں کہیں حکومت اس معاملہ میں ان کی مدد کرے گی اور جو ان کے جائز حق میں مداخلت کرنے کا وہ قانون کی خلاف ورزی کا موجب ہوگا۔ اور نہ صرف یہ اعلان کرے بلکہ سرکار کے ذریعہ تمام

صوبائی حکومتوں کو توجہ دلائے کہ اصلاح اور قصبات و دیہات میں حکام اس حکم کی پوری طرح پابندی کریں اور اس جائز حق کی خلاف ورزی کرنے والوں کو مجرم قرار دیں۔

یہ فیصلہ بظاہر خوش آئند معلوم نہیں ہو گا اور سطحی نظر سے کہا جائے گا کہ اس سے تو ہزار درجہ بہتر ہے کہ مسلمان خود ہی متفقہ طور پر یہ اعلان کر دیں کہ وہ گائے اور اس کی نسل کی قربانی کو نجوشی ترک کرتے ہیں۔ لیکن دور درسی کے ساتھ اگر اس پر غور کیا جائے تو پھر یہ مشکل خوف بخوردور ہو جائے گا۔

کیا سطور بالا میں جو تصریحات کی گئی ہیں اس کے بعد بھی یہ خلیجان رہ سکتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی جانب سے بہتر سے بہتر فیصلہ بھی اکثریت کی نگاہ میں قابل پذیرائی نہیں ہو سکے گا اور اس لئے امن و امان کا معاملہ بھی خاطر خواہ ترقی نہ پاسکے گا اس لئے حکومت کا فیصلہ ہی ان حالات میں مؤثر اور امن و سلامتی کا بہ ظاہر اسباب کفیل ہو سکتا ہے البتہ حکومت کے اس فیصلہ کو کامیاب بنانے میں سپیک کی امداد اور اس کا تعاون ضروری ہے دوسرا حل یہ ہے کہ سیاسی موقف سے بلا ترہو کر اکثریت کی جانب سے اقلیت کو دعوت دی جائے کہ اس مسئلہ کے حل کے لئے ہم حکومت کی جانب نہ دیکھیں بلکہ دونوں فرقوں کے ایک نمائندہ اجتماع میں متفقہ فیصلہ کریں جس کی پشت پر طاقت کی بجائے روادار محبت اور ایک دوسرے کے جذبات کا احترام ہو تب اللہ مولانا سعید احمد صاحب کی یہ پکار وقت کی پکار کہی جاسکتی ہے اور بلاشبہ اس وقت خاموشی مجرمانہ حیثیت رکھ سکتی ہے۔

اس لئے اگر ان دونوں حل کی آج کوئی صورت بن نہیں آتی تو خواہ مخواہ خود کو بے قیمت و بے ہنگام ضرور قرار دے محل اقدام سے خاموشی ہزار درجہ غنیمت کیوں نہیں۔

رباعید اضحیٰ کے موقعہ پر فرقہ پرستوں کی جانب سے فسادات کا ہنگامہ اور گلے کی قربانی نہ کرنے کے باوجود اس کا بہانہ بنا کر غلوں ریزی کرنا تو کسی قسم کا حل بھی آپ سوچتے یہ تو اپنی شرارت پسند حرکات سے باز آنے سے رہے۔ ان مفسدوں اور شرارت پسندوں کا بچ

یہ گریٹ ہے اور نہ متفقہ فیصلہ اور نہ کوئی حل بلکہ حکومت کی ملوی طاقت اور امن پسند پبلک کی ان کے خلاف نفرت ہی اس کا صحیح علاج اور انسداد کا بہترین ذریعہ ہے۔

اور یہ بات قابل اطمینان ہے کہ ان تمام این دآں اور خپیں و جہاں کے باوجود ہندوستان میں بھی ایسے صاف دماغ، صاف قلب اور نیک سرشت انسان موجود ہیں جو اب بھی سوچتے ہیں کہ اس قسم کے مسائل کو باہمی رواداری اور ایک دوسرے کے جذبات کے پاس و لحاظ سے ہی حل ہونا چاہیے اور طاقت کے بل پر ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور یہی وہ حضرت ہیں جو آج بھی مسلمانوں کے اس قسم کے فیصلہ کی وقت کرنے پر آمادہ ہیں مگر اس کدو فضا میں ابھی وہ اتنی قوت نہیں پاتے کہ اپنے فرقہ کی اکثریت کو بھی اپنا ہم خیال بنالیں۔

تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں حالات سے مایوس ہوں اور یہ کہ ملک کے حالات کی رفتار یہی رہے گی نہیں ہرگز نہیں شک ہے آج تک میرا مشن بھارت کے گوشہ گوشہ میں عبور و جد کرنا رہا ہے اس کا ہر ایک ذرہ شاہد ہے کہ میں مایوسی کو کفر اور احساس کمتری کو سب سے بڑا گناہ سمجھتا ہوں اور بھگواند اس میں کامیاب ہوں۔

حالات آہستہ آہستہ بدل رہے ہیں اور برادران وطن میں جو حضرات صاف دماغ اور وطن عزیز کے سچے رہنما اور خادم ہیں آج ان کی مبارک کوشش بار آور ہو رہی ہیں اور فرقہ پرستی کا زہر کم ہوتا جا رہا ہے اور وہ وقت دور نہیں ہے کہ یہ ملک اپنے دستور اور وہاں کے مطابق ہر ایک شہری کے لئے باعزت مساویانہ زندگی کا حامل ہوگا اور صحیح معنی میں سیکر اسٹیٹ بن جائے گا تب البتہ وہ وقت آئے گا کہ مسلمان اگر اس مسئلہ میں اپنے بلند کرداری کا ثبوت ہمیشہ کرنا چاہیں گے تو اس کی نذر و قیمت بھی ہوگی اور وہ مقصد بھی انشاء اللہ پورا ہو سکے گا جس کی جانب برہان کے شذرات میں توجہ دلائی گئی ہے۔

نومبر ۱۹۷۷ء

پیشوا

مولوی محمد

ان

جناب منشی عبدالقدیر صاحب

آپ کا اصلی نام سردار بہادر سنگھ ولد سردار بہار سنگھ ولد سردار جہنڈ سنگھ تھا۔
 قصبہ فرید آباد ضلع شنگری کے رہنے والے تھے اور معزز سکھ زمیندار گھرانے کے فرد تھے۔
 قصبہ فرید آباد کی آبادی مخلوط تھی کہتے ہیں جس نے ضلع گوردگاہوں کے فرید آباد کو آباد
 کیا تھا اسی نے یہ قصبہ بھی آباد کیا تھا فرید آباد کی ہندی مشہور ہے اور شنگری واسے فرید آباد کی
 شہرت اس لئے ہے کہ اس کے ہر گھر میں ایک ایک باددوڑ جھٹے تیتوں بڑی سرخ رنگ
 کی بھڑیاڈیوں کے ہیں، کہتے ہیں کسی وقت یہاں دو جنگیں ایسی ہو چکی ہیں جن کی نظیر دنیا میں
 نہیں ملتی۔ ایک جنگ تیتوں اور مورچہ کلاں (بڑی بڑی ٹانگوں کے چوٹے یا ڈھک بکوسے)
 میں دوسری جنگ کوڑوں اور بگلوں میں ہوئی اور ان میں لکھو کھا چوٹے اور تیتے کوڑے اور
 بٹھے مارے گئے اور میدان لاشوں سے بٹ گئے یہ جنگیں ہفتوں تک جاری رہیں۔
 قصبہ میں ایک اسکول تھا اس کے صدر مدرس ایک فاضل مولوی صاحب تھے
 لڑکے مولوی صاحب کی حسن تربیت، طریقہ تعلیم اور شفقت سے بے خدائوں میں تھے۔
 ٹیکسٹ بک کمیٹی کے منظور شدہ نصاب تعلیم کے علاوہ مولوی صاحب خالی اوقات میں
 اکثر طلباء کو قصص الانبیاء کا بھی درس دیا کرتے تھے۔ لڑکے شوق سے پڑھتے تھے اور ان کی
 بے حد محنت کرتے تھے قصبہ کے باشندے بھی ان کی تعلیم و تحریم کرتے تھے اور ان کی محنت
 کو سہولت کا باعث خیال کرتے تھے۔

ایک دن ایک ذلیل دار صاحب مدرسے میں آئے اور مولوی صاحب کو علیحدہ

جا کر اصل بات بتائی اور کہا کہ میں پانچویں جماعت کے طلباء کا امتحان لینا چاہتا ہوں میں ذیل دارہوں۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ میری ایک اکلوتی لڑکی ہے جسے میں نے ناز و نعمت سے پالا ہے اب وہ شادی کے قابل ہو گئی ہے اس کی کتھنائی کی فکر دامگیر ہے۔ باوجود تلاش کے کوئی لڑکا میری مرضی کے مطابق نہیں ملا۔ اب میں نے یہ طے کیا ہے کہ لڑکوں کا امتحان لوں جو سب سے قابل نکلے۔ میں برتوکل اسی کے ساتھ شادی کر دوں۔ آپ بھی اس کار خیر میں میری مدد فرمائیں۔

مولوی صاحب نے اس طریقہ انتخاب کو پسند کیا اور امتحان لینے کی اجازت دے دی چنانچہ ذیل دار صاحب نے ایک ایک لڑکے سے مختلف سوال کئے اور ہر ایک کی ذہنی اور فکری قابلیت کا اندازہ لگایا۔ اس آزمائش میں بہادر سنگھ اول آئے بعد اطمینان مولوی صاحب اور ذیل دار صاحب بہادر سنگھ کے والد کے پاس گئے۔ بات پختہ ہو گئی اور چند روز کے بعد بڑی دھوم دھام اور چاند سے ذیل دار صاحب نے اپنی لڑکی بہادر کے ساتھ بیاہ دی۔ چنانچہ ابتدائی رسوم کے بعد لڑکی سسرال میں رہنے لگی۔ کچھ عرصہ بعد بہادر سنگھ اور ان کے تین ساتھیوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ نصیب سے نکل چلو۔ ایک نے طے کیا کہ وہ جوگی بنے گا باقی تین نے تبدیل مذہب کا ارادہ کیا۔ وقت کے وقت نصیب والوں کو چاروں لڑکوں کی سازش کا علم ہو گیا اور باہم چرچے ہونے لگے کہ کیا کیا جائے دو لڑکے تو اپنے والدین کے قابو چڑھ گئے اور دو نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے مفردین کے تعاقب میں اہل دیہ گھوڑوں پر نکلے مگر کسی کا کھوج نہ لگا۔ جوگی بننے والے کا تو پتہ ہی نہیں کہ وہ کس پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھا۔ مگر بہادر سنگھ سیدھے مولوی حافظ عبد اللہ صاحب کے پاس دذیر آباد پہنچے اور مشرف باسلام ہو کر ان ہی کے پاس رہنے اور دنیا ت پر رہنے لگے کیسوں کو ٹھپوں میں تبدیل کر لیا۔ ایک سال کے بعد نصیب والوں کو ان کا سراغ مل گیا چنانچہ بہت سے اقرباء و ذریعہ آباد آئے اور سمجھا بھجا کہ بہادر سنگھ کو ہمراہ لے گئے اور وہاں ان کی کڑی نگرانی رکھی

ظاہر ہے بہادر سنگھ کے ساتھ نرم گرم سبھی قسم کا سلوک ہوا ہو گا مگر بہادر سنگھ نے کہا میں تو اسلام قبول کر چکا اب کسی شرط پر لوٹنے کے لئے تیار نہیں ہوں آپ کا جو جی چاہے کیجئے سب کچھ برداشت کر دوں گا۔ اس بات سے دونوں وقت کھانا کھاتے میں ایک کھرام سا بچا کرتا تھا کیونکہ بہادر سنگھ چوکے کے باہر کھانا کھاتے تھے۔

بہادر سنگھ پر حقانیت غالب آچکی تھی۔ صداقت ان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ ان ہر وقت کے مظاہروں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا ایک روز موقع پا کر بھرہ کھسک گئے اور سید سے لاہور پہنچ گئے اور کسی مسجد میں مقیم ہو کر دینی تعلیم کے حصول میں منہمک ہو گئے۔ گزارہ کے لئے دو ڈیوٹیشن تلاش کر لئے۔ تقریباً ساڑھے چار بجے ان کو کسی نے پہچان لیا۔ چنانچہ ان کے والد دوبارہ لاہور آکر ان کو فرید آباد لے گئے اور سخت نگرانی میں رکھا اس دو ڈیوٹیشن سال کے عرصہ میں وہ کافی لکھ پڑھ گئے تھے اچھے فلسفے جان اور سوچ سمجھ والے ہو گئے تھے جب لوگ ان کو سمجھاتے تو وہ بدلائل ان کو قائل کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے والد صاحب کے رویہ میں تبدیلی ہو گئی وہ مائل یہ اسلام ہوتے گئے اور عقیدہ مذہب ہو گئے بہادر سنگھ کو انھوں نے دھکیل دے دی کہ جس رنگ میں رہنا چاہو رہو خوش رہو اور نگرانی ترک کر دیجی۔

بہادر سنگھ کے دماغ میں دینی تعلیم کا شوق گھر کر چکا تھا۔ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ ہو سکے تو ہر قصبہ سے چلا جاؤں چنانچہ موقع پاتے ہی وہ دارالعلوم دیوبند پہنچے اور چند سال میں وہ فارغ التحصیل ہو کر دہلی آ گئے اور فخرپوری میں مقیم ہوئے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ دہلی میں کہاں کہاں تعلیم پائی۔ ہر صورت دہلی میں ان کی بہت قدر ہوئی۔ شمس العلماء مولوی ندیم حسین عرف میاں صاحب کے باعث بھانگہ شش خاں میں ان کو ایک مکان کرایہ پر ملا مولوی عبد المجید صاحب مناظر کے مطبع انصاری میں کتب و دنیا کے مصحح ہو گئے۔ آپ کا میل جول شمس العلماء مولوی ندیم احمد صاحب اہل اہل ڈی۔ مولوی عبدالرب صاحب میر شاہ جہاں صاحب۔ مولوی تلمیذ حسین صاحب وغیرہم اور دیگر بزرگوں سے ہو گیا اور ان کی قابلیت کے جوہر کھلے تو مولوی ندیم احمد صاحب

نے ترجمہ قرآن جیسا مشکل کام سپرد کیا جس کو آپ نے باحسن وجوہ انجام دیا یہی ترجمہ بعد میں مولوی تذیر احمد صاحب کا ترجمہ کہلایا اور انہی کی ذات گرامی کے باعث مطبع انصاری، اپنی صحت کے اعتبار سے ہندوستان بھر میں مشہور ہوا ۱۸۹۳ء میں مجھے بھی ان سے صرف بہائی کے چند اسباق پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

بہادر سنگھ کو ان سب بزرگوں نے مشورہ دیا کہ اب وہ خود اپنے وطن جائیں اور گھر والوں اور دوستوں کو پسند و نصائح کریں چنانچہ آپ نے ان کی رائے پر عمل کیا اور بغیر اطلاع کے فرید آباد پہنچے تو اہل دیہ نے ان کا خیر مقدم کیا مگر دوسرے ہی روز پھر سب جمع ہوئے اور انہوں نے آپ کے والد صاحب کا بائیکاٹ کر دیا اور یہ الزام لگایا کہ وہ بیاطن مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ کہ انہوں نے بہادر سنگھ کو فراری کے مواقع بہم پہنچائے۔ اس حرکت سے قریب کے دیہات میں بہت چرچے ہوئے اور لوگ آپ کو دیکھنے اور ملنے کے لئے دور دور سے آئے اور موا عظ حسنہ سے فیضیاب ہونے لگے آپ نے اچھی خاصی تبلیغ شروع کر دی۔ مسائل نہایت کرنے والوں اور فتاویٰ حاصل کرنے والوں کا مانتا سا لگ گیا۔ گھر والے اس سے بہت پریشان تھے کہ کیا کیا ملتے وقت پردہ میں اذان دینا اور وہیں نماز پڑھنا کوئی بات ہی نہ تھی۔ گھر والے آپ کو بہادر سنگھ کہہ کر پکارا کرتے تھے آپ نے کہا کہ آئندہ انہیں صرف ”محمد“ کہہ کر پکارا کریں اسے ان سب نے اس شرط پر تسلیم کیا کہ وہ گھر پر نماز نہ پڑھا کریں بلکہ قصبہ سے دور آدکپا کریں اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے آپ نے ان کی یہ شرط مان لی اور قصبہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک چاہ کے قریب ایک درخت کے نیچے قیام گاہ بنائی اور کافی عرصہ اسی حالت میں گزارا۔ ایک روز کرنا خدا کا کیا ہوا کہ آپ اپنے گھر کے دلاں یا کمرے میں کہیں آرام کر رہے تھے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کوئی شے لینے یا رکھنے کے لئے برابر کی کوٹھڑی میں جانا چاہتی تھی کہ جیسے ہی وہ پاس سے گذری آپ نے جرات کر کے آٹھل پھڑک کر روک لیا اس سے قبل ہندی مذہب کی بنیادوں میں بیوی کے لب پر ہر خاموشی تھی۔ آپ نے کہا کہ بولنا چاہنا کیوں بند کر رکھا ہے

میں وہی ہوں جو چند سال پیشتر تھا میرا تہارا رشتہ قطع ہونے والا نہیں ہے کہو اب تمہاری کیا مرضی ہے۔ اس عقیقہ نے جواب دیا کہ میری کوئی مرضی نہیں۔ مرضی تو آپ کی ہے۔ میں آپ کی ہوجی ہوں۔ ہر حال میں اسی گھر میں رہوں گی اور یہاں سے مر کر ہی نکلوں گی۔ اور آپ کا جو حکم ہوگا اسے بجالاؤں گی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو میں بھی تمہارا ہوجکا ہوں اگر تم اسلام قبول کر لو گی تو ہم میاں بیوی رہ سکتے ہیں اور میں تمہارے اسلام لانے سے اپنے متیں بہت خوش قسمت سمجھوں گا۔ اہلیہ محترمہ نے رضامندی ظاہر کی تو آپ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے جس نے تمہارے دل میں تبدیلی پیدا کی ہے وہی آئندہ کے لئے بھی کوئی صورت پیدا کر دے گا اسی فکر میں کہ اب کیا کیا جائے آپ دریا پار ایک گاؤں میں وہاں کے نمبردار سے جو نابینا تھا مشورہ کے لئے گئے نمبردار بہت بار سوخ بعد ہر روز یہ تھا اس نے کہا مولوی صاحب گھبرانے کی بات نہیں خدا سازگار ہے انشاء اللہ جو ہوگا بہتر ہوگا۔ اس کے بعد اس نے آپ کا لائحہ کار مرتب کیا اور آپ قصبہ میں واپس آ گئے چند روز بعد دیوالی کا ہوا تھا گھر میں چراغاں ہوا۔ خوب زور شور سے ہوا رہنا یا گیا رات کے آخری حصے میں بکے بعد دیگرے سب گھروالوں پر منیذ غالب آ گئی تو آپ خدا پر بھروسہ کر کے مع اہلیہ محترمہ کے گھر سے نکل کھڑے ہوئے قصبہ کے باہر کھینچا صلے پر آپ کو دو گھوڑے تیار کھڑے ملے دونوں میاں بیوی گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا کے کنارے پہنچے۔ وہاں دو کشتیاں پہلے سے موجود تھیں دونوں ایک کشتی پر سوار ہو کر دریا پار ہو گئے اور نابینا نمبردار کے مکان پر پہنچے۔ علی الصبح اس گاؤں کی مسجد میں آپ کی اہلیہ مشرف باسلام ہوئیں تہنیک نکاح اور بیابانے قبول ہوا اور نمبردار نے اپنے آدمیوں کی معیت میں اس خوش قسمت جوڑے کو دیلی روانہ کر دیا پر گرام یہ تھا کہ دو گھوڑے تو میاں بیوی کے واسطے تھے ہی مگر دریا تک راستہ کے دونوں جانب تقریباً دو سو لٹھ بندھن دار بھی حفاظت کے لئے راستہ کے دونوں طرف اس طرح کھڑے تھے جیسے دائرے کی گزرگاہ پر پولیس یا فوج کے جوان کھڑے ہوتے ہیں

جوں جوں ان کے گھوڑے آگے چلتے گئے زمیندار سمٹ سمٹ کر ان کے پیچھے چلتے گئے اور کشتیوں پر سوار ہو کر دونوں کی طرف سے بارانی بن گئے یہی معلوم ہوا کہ کشتیوں کو دریا کے پار اس وقت تک نہیں جانے دیا گیا جب تک کہ میاں سیوی دہلی رواد نہ ہو گئے۔

صبح گھر والوں نے جب دونوں کو غایب پایا تو کھرام مچ گیا۔ اہلیہ محترمہ کے والد کو بابل نامہ خواستہ اطلاع دی گئی جو فطر غم میں اس جوڑے کو ڈھونڈنے نکلے اور اس کے بعد وہ آج تک واپس نہیں آئے اور نہ ہی وہ اپنی لڑکی اور داماد سے کہیں ملے۔ انا بیڈ وانا الیہ راجعون دہلی میں مدت مدید رہنے کے بعد جب مولوی محمد صاحب صاحب ولاد ہو گئے تو مع یال بچوں کے فرید آباد تشریف لے گئے مگر اس مرتبہ ان کے والد بزرگوار کا انتقال ہو چکا تھا۔ پھر اس کے بعد بھی بار بار وطن جانے رہے اور عزیزوں سے ملتے رہے ان کے بڑے بھائی سردار کاہن سنگھ بھی ملنے کے لئے دو مرتبہ دہلی آئے خط و کتابت بھی ہوتی رہی اور نظام علی مٹ گئے مولوی صاحب موصوف دہلی میں بہت ہی کثیر المشاغل رہتے تھے۔ بچہ مستقی اور ملنسار تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے جامع المصنف کے دیباچہ میں آپ کے متعلق ذیل کی عبارت لکھی ہے۔

ترجمہ کے حق میں یہ ایک فال نیک تھی کہ حسن اتفاق سے مولوی ابو عبد الرحمن محمد صاحب ہاتھ آ گئے اور وہ شروع سے آخر تک میرے شریک بلکہ ایک اعتبار سے شریک قافلہ اور مددگار رہے ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھتے۔ بیچ میں میز خالی ہوتی میرے ہاتھ میں قرآن مجید اور کبھی میں نے حفظ پر اعتماد کیا تو قرآن بھی نہ سہی مولوی محمد صاحب کے گرد آرو تراجم اور تفاسیر اور کتب لغت میں ایک جگہ یا ایک آیت کا ترجمہ جب الفاظ قرآن سے سمجھتا بولتا اور مولوی محمد صاحب اس کو علم بند کرتے اور پھر مجھ میں اور مولوی صاحب میں بحث ہوتی اور اختلاف کی صورت میں تراجم اور تفاسیر اور لغت کی طرف رجوع کیا جاتا اس طرح پر سارے قرآن کا ترجمہ کیا گیا براہ قرآن کا ترجمہ ہے نہ دوسرے ترجموں کی طرح

ترجمے کا ترجمہ اس کا ماخذ قرآن کے الفاظ ہیں۔ کسی مفسر یا مترجم کے۔ پھر ہم دونوں نے ترجمہ پر نظر ثانی کی مولوی محمد صاحب ترجمہ پڑھتے اور میں عبارت کی سلاست اور الفاظ کی نشست کا دھیان رکھتا اور ترجمہ کو الفاظ قرآن سے ملاتا اور پھر ہم میں پہلے کی طرح بحث ہوتی اکثر ایسا ہوا ہے کہ بحث میں رنجش بھی ہو جاتی تھی مگر چونکہ دونوں کی نیت بخیر تھی۔ ہم دونوں نے کبھی مناظرے کی حد سے تجاوز نہیں کیا ابھی متفق ہو گئے ابھی

مولوی محمد صاحب کا وصال غالباً ۱۹۰۷ء میں اور آپ کی اہلیہ محترمہ کا ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔ تین روزہ سال بچے کے بعد دیگرے فوت ہوئے ایک لڑکی خدیجہ الکبریٰ اور ایک لڑکا بچی۔ الفوتو سنز کے دنوں میں ایک سال کے فرق سے یہ بہن بھائی بھی راہی عدم ہو گئے لڑکے کا نام عبدالرحمن تھا۔ اور باپ ہی کی طرح بہت خلیق اور صالح جوان تھا مولوی صاحب مرحوم کے تین واپسے اور ایک نواسی پاکستان میں بقید حیات ہیں صاحب اولاد ہیں اور کاروبار کرتے ہیں مولوی محمد مرحوم کے اغراض نے ان کے لڑکے مولوی عبدالرحمن کے نام تین سو سیکھڑ میں سن کے اچھے کی داخلہ راج کرادی تھی جس کی آمدنی وہ کئی سال تک لیتے رہے اب معلوم نہیں انھوں نے کس کس کے قبضے میں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے موقوفہ دار کے سبب حق پسند اور شریف انسان تھے۔

سلسلہ امتیاز ملت بنی عربیہ صلعم

بنی عربیہ ملت کا حقد اول جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے تربیت کا طریقہ نکالتا صلعم کے نام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جدید لکچر جس میں اخلاق سرور کائنات کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور علماء صاحب مہر القادی کا سلام بزرگوار نام بھی شامل کر دیا گیا ہے کورس میں داخل ہونے کے لئے کتاب ہے قیمت پندرہ روپے، خلافت راشدہ ہے، خلافت بنی امیہ ہے

خلافت بنی امیہ سے خلافت بنی عباس تک خلافت بنی عباس سے خلافت بنی عباس تک خلافت بنی عباس سے خلافت بنی عباس تک

چند نئی کتابیں

انہ

(خولیہ احمد فاروقی ایم۔ اے)

پچھلی سہ ماہی کے اردو ادب میں بڑی رنگارنگی اور بوقلمونی ہے۔ اس میں ناول بھی ہیں
افسانے بھی۔ منظومات بھی۔ اور مضامین و مقالات بھی۔ تنقیدات اور سوانح و سیر بھی۔ ارتقا
کی وسعت اور پہنائی میں تین پہنیے کی بساط ہی کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ارتقا کا یہ مسافر آہستہ
آہستہ آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کی رفتار بہت تیز نہ سہی لیکن یہ کیا کم ہے کہ اس نے کبھی ایک
جگہ قیام نہیں کیا۔ اور کسی رہ گزر کو منزل نہیں بنایا۔

اس زمانہ کی ایک اہم کتاب ۱۹۴۹ء کا بہترین ادب ہے۔ اسے مکتبہ شاہراہ دہلی نے
شائع کیا ہے۔ اس کے ترتیب دینے والے غلام ربانی تاباں۔ گویاں مثل۔ کمال احمد صدیقی
اور پرکاش پنڈت ہیں۔ اس کے تین حصے ہیں (۱) مقالات (۲) منظومات (۳) افسانے
اور خاکے۔ یہ ۱۹۴۹ء کے ادب کا اچھا انتخاب ہے۔ لیکن بہترین کا اطلاق مشکل ہے۔
اڈیٹروں نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ انھوں نے اردو کے تمام مشہور وسائل و جرائد کی
درق گردانی کی ہے لیکن انتخاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف چند مخصوص
رسائل و جرائد کے لکھنے والوں کو انتخاب کیا ہے۔ اور ان ہی کی تخلیقات کو بہترین ادب
میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ دیگر اہم کمبند انچ میجامی کرد۔ مثال کے طور پر علی گڑھ میگزین
کے غالب نمبر اور نگار کی پچھلی اشاعتوں میں یقیناً ایک آدھ مضمون ضرور اس حیثیت کا ملتا
جو اس مغل میں غیر غیرہ معلوم ہوتا۔ وہ اصل انتخاب کا معاملہ ذوقی و جذباتی بلکہ اصولی
اور مقصدی ہے اور اس سے بقول غالب ”دل کا معاملہ“ کھل جاتا ہے۔ اس لئے اچھا

ہوتا کہ فاضل اڈیٹر اپنے اصول انتخاب اور معیارِ آدب سے ہمیں آگاہ کر دیتے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ ۱۹۴۹ء کے پورے ادب کا جائزہ لیا جاتا اس کی صحیح قدر و قیمت متعین کی جاتی۔ اور مستقبل کے لئے نئی راہیں نکالی جاتیں۔

مقالات کی تعداد پانچ ہے۔ لیکن ان میں سے تین قابل ذکر ہیں۔ احتشام حسین صاحب نے حالی کے سیاسی شعور کا تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ حالی رجعت پسند، تنگ نظر اور ابن الوقت نہیں تھے بلکہ فراخ دل۔ وسیع القلب، نئی زندگی کا استقبال کرنے والے اور حقیقت پرست تھے، اور سارے ملک کو جاگیرداری کے نظام سے باہر نکال کر صنعتی دور کے قبول کرنے پر تیار کرنا چاہتے تھے۔ احتشام صاحب کی نظر ادب کے تاریخی پس منظر پر بہت اچھی ہے۔ اور وہ واقعات کی تعبیر کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں۔ یہ بصیرت ان کے اس مضمون میں بھی نظر آتی ہے۔

دوسرا اہم مضمون رام بلاس شرما کا زبان کے متعلق ہے ان کا خیال ہے کہ زبان کے مسئلہ میں سامراجی مداخلت سے بڑا نقصان پہنچا ہے انہوں نے غالباً سب سے پہلے گرین کے سامراجی مقاصد کو واضح کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ہندی اور اردو کے دو ادبی روایتی اسٹائل ایسی بڑی رکاوٹیں ہیں جو دور نہ ہو سکیں۔ یہ رکاوٹ انگریزی دور میں پیدا ہوئی۔ اب اسے دور کرنا ہے اس لئے کہ ایک قوم کی ایک ہی وقت میں کئی کئی زبانیں نہیں ہو سکتیں اس مجموعہ کا تیسرا اہم مضمون ممتاز حسین صاحب کا ادب عالیہ کے متعلق ہے انہوں نے ماضی کے ادب کے جانچنے کا جو معیار پیش کیا ہے۔ اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے لیکن عجیب لطیف ہے کہ اس مضمون پر بعض انتہا پسند حلقوں میں بڑی سے دے ہوئی انہوں نے جو معیار پیش کیا ہے وہ یہ ہے۔

”ادب مخصوص قدردن اور خیالات کی تبلیغ کرتا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس تبلیغ

کا اثر وقتی ہے یا دیرپا۔ وہ ہمارے خیالات اور جذبات کو متحرک کر کے ایک دیرپا عمل کی

تحریر کرتا ہے یا صرف وقتی جوش دلا کر چھوڑ دیتا ہے وہ ہمارے احساسات اور نفسیات کی حوالی صلاحیتوں کو حقیتاً ہے کہ نہیں اس میں اتنی صلاحیت ہے یا نہیں کہ وہ ہماری نفسیات پر اثر انداز ہو کر ہمیں حالات کے بدلنے اور خود اپنے کو بدلنے میں مدد دے سکے اور ہماری نفسیات کو نئی قدریں سے ہموا کر کے ایک نئی جذباتی تنظیم بھی کر سکے۔

دراصل ہر اچھے اور دوامی ادب کے جانچنے کا معیار یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں زندگی کے بہتر اور بلند تر خیالات سے روشناس کرتا ہے یا نہیں۔ اس میں انسان کے دکھے ہوئے دل کی فریاد اور اعلیٰ ترین منصوبوں کی پرچھائیں ہے یا نہیں لیکن یہ کام بقول ممتاز صاحب ”چھینے اور چنگھاڑنے کا نہیں ہے۔ آگ میں کود کر اسے گلزار بنانے کا ہے۔ اسی وقت شعراء ادب کی اعلیٰ تخلیق ممکن ہے۔

منظومات کا حصہ کمزور ہے۔ اس میں نئی روح نئی معنویت اور ایک نئی علمیت تو ہے لیکن اس کا نشتر دل پر نہیں لگتا۔ اس مجموعہ میں مشکل سے ایک آدھ نظم یا غزل ایسی ہوگی جس کو ابدیت کے دربار میں جگہ حاصل ہو سکے۔ یا جس کو ہنگامہ کے بعد لوگ گنگنا سکیں اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے شاعروں کے ساز گھنڈے میں اور محرومی اور ناکامی نے ان کو عجیب و غریب حالت میں مبتلا کر دیا ہے

افسانوں میں کرشن چندر کا افسانہ مہا لکشمی کا پل بہت کامیاب ہے اس افسانہ میں سیر میں کا لطف ہے۔ اس کے ذریعے ہم غریب ہندوستان کے نسوانی طبقہ کی زندگی کا انداز کر سکتے ہیں یعنی ان کی آنگوں۔ ان کی آرزوؤں۔ ان کی محرومیوں کا کرشن چندر نے ہر داستان چھڑ ساریوں کے ذریعہ بیان کی ہے جو مہا لکشمی کے پل کے بائیں طرف لٹک رہی ہیں۔ خاصہ کا ذکر کر کے عام کی طرف ذہن کو منتقل کر دینا معمولی بات نہیں ہے کرشن چندر کو فن پر پورا عبور ہے اور کسی جگہ اس کی گرفت ڈھیلی نہیں ہے۔

عصمت کا کیڈل کورٹ بھی اسی قسم کا افسانہ ہے لیکن اس میں وہ فنی سنجلی اور وہ

وہ سنا نہیں ہے جو کرشن چندر کے افسانہ میں ہے۔ ابراہیم کا افسانہ ”جانور“ مہولی ہے۔ فن کے اعتبار سے بھی۔ ادب کے اعتبار سے بھی اور مذاق کے اعتبار سے بھی۔
 ۱۹۷۹ء کے اس ادب میں زندگی بے قوت ہے۔ شدت احساس ہے۔ لیکن ابھی اس میں ہندی ہندوستان کی نمائندگی کرنا ہے جو شہروں کے بجائے دیہاتوں میں نظر آتا ہے۔ یمن خارجی اور سطحی علامتوں کی نقل کافی نہیں ہے۔

اس زمانہ میں ایک مختصر سی کتاب ”کارواں“ مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہوئی ہے یہ حضرت روش صدیقی کی ایک طویل نظم ہے جو اتنی حسین و جمیل شائع ہوئی ہے کہ دل و نظر دونوں جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ عروس جمیل اور لباس حریر واقعی اسی کو کہتے ہیں۔
 یہ سنہ ۱۹۷۹ء میں لکھی گئی تھی۔ اب پورے دس سال کے بعد سترہ اٹھارہ بند کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس نظم میں فلسفی اور شاعر کا مکالمہ ہے اور جو مسائل زیر بحث ہیں۔ وہ یہ کہ زندگی کیا ہے وہ رہ گزر رہے یا منزل۔ رہ گزر رہے تو کیا شاہراہ علم ہے یا شارع عمل یا جادہ عشق! یہ نتائج زندگی آخر کیا ہے۔ شاعر نے ایک ایک بیت یا اس کا جائزہ لیا ہے لیکن وہ کسی منزل پر قیام کرنا نہیں چاہتا۔ وہ ہر منزل کو شریک کارواں کر لیتا ہے۔ اسے نہ سائل کی تلاش ہے اور نہ منزل کی۔ اس لئے کہ

فقور ویشی نہیں۔ تمکین سلطانی نہیں
 شہریاری، کشور آرائی، جہاں باقی نہیں
 کوئی منزل۔ انتہائے اوج انسانی نہیں
 کوکب تقدیر آدم ہے۔ فروغ امکان

(ص ۳۷)

آخر میں اس نے بنایا ہے کہ خواب آدم بھی عشق ہے اور تعبیر آدم بھی عشق ہی ابتدا ہے اور وہی انتہا۔ یہی عشق۔ انسانیت کا احترام سکھاتا ہے۔ اور یہی عشق زندگی کے دکھ کا علاج بن سکتا ہے عشق کا یہ نظریہ ماضی سے مختلف ہے اور ڈاکٹری کا ہے۔
 خیالات سے ملتا جلتا ہے یہ ماہر خیانات کہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کے متعلق ہمارا علم ناقص ہے

ہمارے حواس خمسہ ناقص ہیں۔ اور ہمارے آلاتِ بن سے بھی زیادہ ناقص۔ اس لئے ہم عقل
محض کے فدیہ زندگی کی بندیوں کو طے نہیں کر سکتے یہ کائنات یوں ہی وجود میں نہیں آگئی
ہے۔ اور نہ یہ کوئی حادثہ ہے۔ ارتقا کی داستان میں بہت سے اخلاقی مقاصد پوشیدہ ہیں اور
ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا عقل اگر ضمیر کی علامتوں سے نا آشنا ہے تو وہ خیر و شر کے
انتخاب میں غلطی کرے گی وہ صلح جوتی۔ عاقبت پسندی اور ادنیٰ درجہ کی مفاہمت یا مطابقت
پذیری کے لئے مضطرب ہوگی۔ وہ کبھی بغاوت نہیں کر سکتی۔ مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خوب سے
خوب تر کی جستجو نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ منزلیں خیر و محبت ہی کی زاد راہ سے طے ہو سکی ہیں
مدن صاحب کی اس نظم میں جوش۔ ہستی اور غنائی عنصر موجود ہے اور ان خوبیوں نے
مل کر اس میں غزل کی سی رنگینی پیدا کر دی ہے اسی زمانہ کی ایک اور اہم کتاب آثار ابوالکلام آزاد
جس کو قاضی عبدالغفار صاحب نے نفسیاتی مطالعہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

قاضی صاحب کا خیال ہے کہ مولانا ایک غیر معمولی ہستی یعنی جینیس ہیں اس کو انہوں نے
خود مولانا ہی کے مضامین و اقوال کے ذریعہ ثابت کیا ہے لیکن ان مشاغل و مضامین کو نفسیات
کی کسوٹی پر نہیں پرکھا۔ اس کی شاید وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مولانا کا ایک بت بنالیا ہے۔ اور
وہ اس سوال میں اسی عقیدت کے ساتھ داخل ہوئے ہیں جس عقیدت کے ساتھ ایک پجاری
مند میں داخل ہوتا ہے حالانکہ اگر وہ نفسیاتی اصولوں کو کام میں لاتے اور ایک ایک قول و
عمل کو تنقید کی روشنی میں دیکھتے تو بھی نتیجہ یہی نکلتا کہ مولانا کا بت اتنا بڑا ہے کہ وہ کسی مند
یا سوال میں نہیں آسکتا اور یہ کہ ان کی نود میں ایک طرح کی غرابت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جنس
انڈیاں نہیں ہو سکتی۔ مذہب میں۔ ادب میں۔ سیاست میں۔ معاشرت میں فکر و نظر کی عام
راہوں میں۔ کسی راہ میں بھی وہ وقت کے قافلوں کا ساتھ نہ دے سکے اور ان کی طبیعت فکر
و عمل کے کسی گوشے میں بھی وقت اور موسم کے پیچھے نہ چل سکی۔ مولانا کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری
ہے کہ ان کے ماحول کو اچھی طرح سمجھا جائے جس ماحول میں ان کی نشوونما ہوئی۔ اس میں خرم

داحتیاط کم سخی اور کم آمیزی، شرافت اور عالی نسبی کی نشانی سمجھی جاتی تھی اسی لئے موفات کے خطوں میں بھی کوپکی سی سنجیدگی۔ پختہ مزاجی اور گرسکی سی نازک مذاقی اور وضع احتیاط ہے ان میں بائرن کی سی انانیت ہے۔ غالب کی سی سادگی و پرکاری نہیں ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو مولانا کے خطوں کا امتیازی وصف یہی ہے کہ وہ غالب سے اس درجہ مختلف ہیں مولانا کے خطوط ان کے ذہن کا دریچہ اور ان کے فکر کی زبان ہیں۔ اس لئے کہ ان کا کلی عیش و ماغ کا عیش ہے اور انہوں نے اس و ماغ کو دل بنالیا ہے۔

یہ کتاب کتب پبلشر لمیٹڈ بمبئی نے شائع کی ہے اور اسلوب کے اعتبار سے بڑی دلکش ہے اس زمانہ کی ایک اور اہم کتاب مطالعات نیاز ہے جس کو نیشنل بک کمپنی دہلی نے شائع کیا ہے اس میں نیاز فتحپوری کے افسانے اور تاریخی اور علمی مقالات شامل ہیں۔ نیاز صاحب ادب کی دنیا میں غیر معروف نہیں ہیں۔ ان کے مضامین اپنے دلچسپ انداز نگارش کی وجہ سے بہت مقبول ہو چکے ہیں اور ان کو ابدی شہرت حاصل ہو چکی ہے نیاز کی نثر میں فرانسیسی ادیبوں کی سی نازک کاری اور نفاست پسندی ہے مومن اور سید کی شاعری کو اگر کسی طرح نثر میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ تو اس کا رنگ وہی ہوگا۔ جو نیاز کی تحریروں کا ہے۔ نیاز کی شخصیت اس کے طرز تحریر میں حل کر گئی ہے۔ اس میں جسم اور جان کا رشتہ ہے۔ اس لئے ہم ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے ان کے بعض رومانی مضامین میں وہ لطف ہے جو یونانی سنگتراشوں کے مجسموں میں ہے ابد کے موجودہ لکھنے والوں میں اگر کسی شخص کی شہرت کا ابوال رفیع محفل اسلوب نگارش پر قائم ہے تو وہ نیاز ہے اس کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔ نیاز کے قلم میں ایک عجیب بوفلمونی ہے اس نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا ہے اور جس پر لکھا ہے اس کو اپنا بنالیا ہے۔

براجانت لال انڈیا سٹڈیوز دہلی

احیت کا داستانِ قفس

اس

(جناب الم مطفی نگر)

کر وٹیں لیتا ہے جس دم کوئی بیمار قفس
یوں بھی آزاد نہ ہو کوئی گرفتار قفس
میں گرفتار چین ہوں کہ گرفتار قفس
ذرہ ذرہ ہے گلستاں کا پرستار قفس
مستقل کیف ہے اک لذت گزار قفس
جمع گلشن نظر آتی ہے شب مار قفس
قابل دید ہے یہ گرمی بازار قفس
میں سزاوار چین ہوں یہ سزاوار قفس
دیکھتا رہ گیا حیرت سے بھدار قفس
پردہ ہر رنگ گل میں ہے نہاں مار قفس

کانپ جاتے ہیں الہی درد دیوار قفس
بے پردہ بال پڑا ہوں پس دیدار قفس
اشکِ خونیں سے ہے گلزار ہر کتار قفس
جب سے صیاد نے دہر گم افکار قفس
زندگی بھر رہا نہ ہوش گرفتار قفس
انتہا یاس کی ہے کتنی شگفتہ کہ مجھے
اس پر قربان ہوئے جاتے ہیں مرغان چین
ہونہ پائیدہ خرد اور نہ گرفتار جنوں
لے آئے اس کو بیماروں میں کوئی سوجھن
گلشن دہر میں کیا ذکر ہے آزادی کا

اے الم عہد اسیری ہو کہ آزادی ہو

سمت آموز ہے ہر حال میں دیدار قفس

تبصرہ

حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی | از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب
گیلانی تقطیع کلاں ضخامت چار سو صفحات

دوسرے صفحہ میں ۲۹ سطریں کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد آٹھ روپے بارہ آنے۔ پتہ:-
نفیس اکیڈمی بلاس اسٹریٹ کراچی ۷

دوسری صدی ہجری کا نصف اول تاریخ اسلام کا ایک نہایت پُر آشوب زمانہ ہے
یہی وہ زمانہ ہے جب کہ خلافت بنی امیہ اپنی زندگی کی آخری منزل سے گزر رہی تھی اور خلافت
عباسیہ کے نام سے ایک دوسری حکومت عالم ظہور میں آنے والی تھی اس بنا پر سیاسی حالت
برہنہ کہ ممالک محروسہ اسلامیہ میں ظلم و جبر، فتنہ و فساد اور بغاوت و سرکشی کی آگ جگہ جگہ بھڑک رہی
تھی ایک پارٹی کی دوسری پارٹی کے خلاف ریشہ دو انیاں اور سازشیں روزمرہ کا مشغلہ بن
گیا تھا۔ دین اور شریعت کو ہر پارٹی اپنے سیاسی مقصد کے لئے بے تکلف استعمال کرتی
تھی دوسری جانب عجمیوں کے ساتھ اخلاط و ارتباط کے باعث اسلامی عقائد و افکار سے
متعلق نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے اور وہ مسلمانوں کی عام اخلاقی اور علمی زندگی کو متاثر
کر رہے تھے عرض کہ پوری سوسائٹی ایک فکری و علمی انتشار و پراگندگی میں مبتلا تھی اور اس حالت
کی خدمت کا یہ عالم تھا کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے ارباب صلاح و تقویٰ اور اصحاب علم و ہمتی
مردم بخود ہو کر رہ گئے تھے اور ان پر ایک عام مایوسی اور بددلی چھائی ہوئی تھی یہاں تک کہ ان میں
سے بعض بعض نے تو اجتماعی زندگی سے تعلق منقطع کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور اپنی
مذہبی امور میں مروجے از غیب ہر وہ آئینہ کار سے بکندہ کے منتظر تھے "قدرت نے حضرت

امام ابوحنیفہ قدس اللہ روحہ کی صورت میں ”مردے از غیب“ پیدا کیا۔ چنانچہ امام اعظم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں شریعت اسلام کا مطالعہ نہایت باریک بینی اور وقت نگاہ سے کیا اور وقت کے مسائل کا حل اسی کی روشنی میں قیاس شرعی کی مدد سے پیدا کر لیا جو لوگ ان گوناگوں اور نہایت پیچیدہ مسائل و معاملات کا نہ اور آگ رکھتے تھے اور نہ ان کے طریق حل سے واقف تھے انھوں نے امام عالی مقام کو قیاس اور نہ جانے کیا کچھ کہا لیکن آج تاریخ اسلام کا ہر صفحہ اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے کہ امام اعظم فقہ حنفی کے نام سے جو ایک مکمل اور نہایت جامع دستور مرتب فرما گئے ہیں وہ نہ صرف کسی ایک خاص زمانہ یا صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ہر دور میں ایک بین الاقوامی دستور حیات کی حیثیت سے واجب العمل ہے اس فقہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو فطرت انسانی کے واجبات و مطالبات کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کر دیا گیا ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے مقنین و مدبرین اس پر حیران ہیں امام صاحب نے یہ ہم کام خود تنہا نہیں کیا تھا بلکہ اس مقصد کے لئے آپ نے کو ذمہ میں ایک مستقل مجلس وضع قوانین ”قائمہ کی جس میں اس عہد کے بڑے بڑے محدثین و فقہاء جو امام صاحب سے تلمذ کا تعلق رکھتے تھے شریک تھے روزانہ صبح سے شام تک اس مجلس میں نئے نئے امور و معاملات پر گفتگو ہوتی تھی ہر ایک آزادی کامل کے ساتھ اپنی رائے پیش کرتا تھا اور پھر سب سے آخر میں حضرت امام اپنی رائے بیان فرماتے تھے اس طرح اجتماعی و انفرادی زندگی سے متعلق ہزاروں مسائل تھے جو بحث و تحقیق کے بعد نکھر نکھر کر مرتب و مدون ہو گئے حضرت امام کا یہ کارنامہ اتنا عظیم الشان ہے کہ دنیا میں جب تک اسلام کا وجود باقی ہے مسلمان کبھی اس کے بارے میں شک و احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے امام اعظم کی زندگی کا یہ کارنامہ اس قدر جلی اور روشن ہے کہ آپ کے حالات و سوانح میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اس میں زیادہ تر اس پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے اگرچہ ساتھ ہی بعض اور حالات و مقامات بھی بیان کئے جاتے ہیں مثلاً آپ کا تقویٰ و طہارت و نہایت

وطلبہ می۔ حکومت سے استقار۔ قضا کے عہدہ کا قبول نہ کرنا وغیرہ۔ لیکن ان کی حیثیت محض ضمنی ہے اور ان سے حکومت و سیاست میں امام اعظم کی انقلابی جدوجہد پر کوئی روشنی نہیں پڑتی حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب صرف ایک بلند پایہ فقیہ و عالم ہی نہیں تھے بلکہ ایک عظیم المرتبت سیاسی مفکر بھی تھے جنہوں نے حکومت جاویدہ کو حکومت عادلہ میں تبدیل کرنے کے لئے ایک طرف سیاسی انقلابی جماعت کی سربراہی کی اور دوسری جانب منصب قضا کو رونق دینے کے لئے امام ابو یوسف ایسے ائمہ کبار پیدا کئے جنہوں نے خلافت میں دخل ہو کر اس کی حیثیت و وضع بدل دی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے امام صاحب نے بہت بڑے پیمانہ پر تجارت کی دوائے کے ذریعہ جہاں وہ خود امر اور حکام سے بے نیاز ہو کر رہے۔ انہوں نے غیر مستطیع علماء کی مدد کی اور سیاسی انقلاب کی حامی جماعت کو مالی قوت بہم پہنچائی یہ تمام واقعات نہایت غیر مرتب طریقہ پر امام صاحب کے تذکرہ میں بکھرے ہوئے پڑے تھے اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کو کہ آپ نے بڑی کد و کاوش اور تلاش و تحقیق کے بعد انہیں حالات و واقعات کو تاریخی طور پر اس طرح مرتب و جہذب کر کے پیش کر دیا ہے کہ امام اعظم کی زندگی کا یہ اہم کا نامہ جواب تک نظروں سے پوشیدہ تھا صاف و شفاف ہو کر سامنے آجاتا ہے اور یہ واضح طور پر محسوس ہونے لگتا ہے کہ جس طرح ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے تخت پر اکبر و جہانگیر کے بعد چانک شاہ جہاں داؤ رنگ زیب عالمگیر ایسے رائج مسلمان بادشاہوں کا جلوہ نما ہونا حضرت مجدد الف ثانی کے نفوس قدسیہ کا فیضان اثر تھا اسی طرح سراج ایسے ظالم کے بعد اردن رشید اور مومن ایسے ”سلاطین“ کا جنہوں نے مسلمانوں کے ”عہد زریں“ کی تعمیر کی۔ تخت خلافت پر نمودار ہونا بے شبہ بہت کچھ امام عالی مقام کے سیاسی تدبیر اور آپ کی انقلابی مساعی کا نتیجہ تھا فاضل مصنف نے یہ پوری داستان عجیب و الہامہ اور دلچسپ انداز میں لکھی ہے جس کا اندازہ پوری کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے پھر چونکہ مولانا کے قلم سیر رقم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصل موضوع بحث کی حد بندیوں میں محصور نہیں رہتا بلکہ ضمنی مسائل و مسائل کو اپنے دامن تحریر میں سمیٹتا ہوا چلتا ہے اس لئے یہ کتاب صرف حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی

زندگی کا مرتع نہیں بلکہ اس میں آخری دور امویہ اور بقاء خلافت عباسیہ کی تاریخ اور اس عہد کی زندگی نامور شخصیتوں کے حالات و سوانح اور عام معاشرتی و سیاسی احوال و کوائف کا بھی قدیمے مفصل تذکرہ آگیا ہے بہر حال یہ کتاب بہت معلومات افراد نجیب عبرت انگیز و مفید ہے اور اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اور ہر صاحب ذوق اس کا مطالعہ کرے۔

احکام القرآن | از جناب محمد نثار اللہ صاحب بی۔ اے تقطیع کلاں ضخامت ۲۴۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت دو روپے۔ پتہ:- مکتبہ تعلیمات اسلام لکھنؤ

اس کتاب میں عقائد۔ عبادات۔ اخلاق اور معاشرت و معاملات کے عنوانات کے ماتحت پہلے قرآن مجید کی آیات درج کی گئی ہیں اور پھر ان کی تشریح کے بعد کچھ فقہی احکام یا اس حکم کے اسرار و غوامض بیان کئے گئے ہیں زبان آسان اور انداز بیان دلچسپ و عام فہم ہے عام مسلمانوں کو نہ صرف اسے پڑھنا چاہئے بلکہ ایک کاپی اپنے پاس رکھنی چاہئے تاکہ ہر حکم متعلق انھیں بروقت یہ معلوم ہو سکے کہ اسلام کا کون سا حکم قرآن مجید کی کس آیت پر مبنی ہے۔

زندگی کے سائے | از جناب بلال احمد مرحوم تقطیع خورد حجم ۲۰۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد دو روپے۔ پتہ:- لاجپت رائے اینڈ سنتر اردو بازار دہلی۔

یہ کتاب آٹھ انسانوں کا جو سماجی زندگی میں ترقی پسندانہ نقطہ نظر کے حامل ہیں اور جو امریکہ کی مشہور ناول نویس خاتون پرل ایک اور ایٹلی کے مشہور صاحب قلم انگیز یوسلوف کے لکھے ہوئے ہیں۔ اردو ترجمہ ہے۔ زبان شگفتہ اور رواں ہے مترجم کا انتقال اٹھارہ برس کی عمر میں ہو گیا جب کہ ابھی مرحوم کا غنچہ طفولیت چمک کر جوانی کا پھول بنا تھا اس عمر میں یہ انداز نگارش اور ترجمہ کی یہ عمدہ صلاحیت اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر مرحوم رہتے تو بے شبہ ادیبوں کی صفِ اول میں جگہ پاتے۔ یہ مجبور مترجم کی اس جوانمردی کی یادگار کے طور پر شائع کیا گیا ہے اور امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدر کریں گے۔

قصص القرآن - جلد چہارم - حضرت عیسیٰ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

قیمت پچاس روپے

اسلام کا اقتصادی نظام - وقت کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے - چوتھا ایڈیشن

قیمت للہ

مسلمانوں کا عروج و زوال -

جدید ایڈیشن قیمت للہ

مکمل لغات القرآن - مع فہرست الفاظ

لغت قرآن پر پہلا مثل کتاب - جلد اول طبع دوم

قیمت للہ

جلد ثانی - قیمت للہ

جلد ثالث - قیمت للہ

مسلمانوں کا نظم مملکت - مصر کے مشہور

مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم اے پی ایچ ڈی کی

محققانہ کتاب نظم الاسلامیہ کا ترجمہ

قیمت للہ

ہندوستان میں مسلمانوں کا

نظام تعلیم و تربیت

جلد اول اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب قیمت للہ

جلد ثانی - قیمت للہ

قرآن اور تصوف - حقیقی اسلامی تصوف

اور مباحث تصوف پر جدید اور محققانہ کتاب -

قیمت عام مجلد ہے

ترجمان السنہ - جلد اول - ارشادات نبوی کا

جامع و مستند ذخیرہ صفحات ۶۰۰ تقطیع ۲۲x۲۹

قیمت عام مجلد للہ

ترجمان السنہ - جلد دوم - اس جلد میں چھ سو

کے قریب حدیثیں آگئی ہیں -

قیمت عام مجلد للہ

تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ

مع تنقید و تحقیق از مترجم و نقشبند سفر

قیمت ہے

قرون وسطی کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطی کے حکماء اسلام کے شاندار علمی کارنامے۔

جلد اول مجلد چہارم

جلد دوم مجلد چہارم

وحی الہی

مسند وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر

پہلی محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر

انذار میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت

کا ایمان اور نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی

گہرائیوں میں سما جاتا ہے -

جدید ایڈیشن قیمت پچاس روپے

منبر مدوہ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

مختصر قواعد ندوة المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص۔ جو خصوصاً حضرات کم سے کم پانچ سو روپے بیکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوة المصنفین کے دائرہ محسنین کا اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم و ادب کے اصحاب کی خدمت میں اداسے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین۔ جو حضرات کم سے کم پانچ سو روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوة المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خالص ہوگا۔ اداسے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

۳۔ معاوضہ۔ جو حضرات اٹھارہ سو روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوة المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان جس کا سالانہ چندہ چھ سو روپے ہے بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احباب۔ نو سو روپے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوة المصنفین کے احباب میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائیگا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔ یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلباء کے لئے ہے۔

(۱) برہان ہر انگریزی مہینہ کی ۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

قواعد رسالہ برہان (۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ٹاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲۴ گھنٹے یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے۔ خریداری نمبر کا حوالہ بہر حال ضروری ہے۔ وہ قیمت سالانہ چھ سو روپے ششماہی تین سو روپے چار آنے (یعنی محصول ٹاک) فی پرچہ دس آنے (۱۰) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

سولی محمد اسلمی پرنٹنگ پریس نے جید برہان اردو بازار جامع دہلی نمبر ۱۰ شائع کیا۔

پرنٹنگ پریس

مصدقین دینی کا علمی و دینی کامیابی

پیشکش کنندہ جامعہ اسلامیہ
پاکستان

18 DEC 1950

برکات

مرتبہ
سعید احمد سہروردی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے
مفصل فہرست جس سے آپ کو ادارے کے حقوق کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید

ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی

کئے گئے ہیں۔ قیمت ۳۰۰، جلد للہ

سلسلہ تاریخ ملت۔ مختصر وقت میں تاریخ

اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ سلسلہ نہایت

مفید ہے، اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی

ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں

سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشین انداز میں لکھا

گیا گیا ہے۔ قیمت پھر جلد دوم

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)

عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا

دل پذیر بیان۔ قیمت پھر جلد چہارم

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ)

قیمت پھر جلد چہارم

خلافت عباسیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)

قیمت ۴۰۰ جلد چہارم

خلافت عباسیہ۔ جلد اول (تاریخ ملت کا

پانچواں حصہ) قیمت پھر جلد للہ

خلافت عباسیہ۔ جلد دوم (تاریخ ملت کا

ششمین حصہ) قیمت پھر جلد للہ

خلافت مصر تاریخ ملت کا ساتواں حصہ مصر

سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت ۳۰۰ جلد

فہم قرآن۔ جدید ایڈیشن جس میں بہت سے

اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو

مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت پھر جلد چہارم

غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام

کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی

بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت پھر جلد چہارم

اخلاق و فلسفہ اخلاق۔ علم الاخلاق

پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں

غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب

کو زیادہ دل نشیں اور سہل کیا گیا ہے۔

قیمت پھر جلد چہارم

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات

و واقعات تک۔ قیمت پھر جلد دوم

قصص القرآن جلد دوم۔ حضرت یحییٰ سے

حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن۔

قیمت پھر جلد للہ

قصص القرآن جلد سوم۔ انبیاء علیہم السلام

کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان

قیمت پھر جلد چہارم

پیشکش
پیشکش
پیشکش

برہان

جلد سبب و پنجم شمارہ ۵ (۶)

دسمبر ۱۹۵۰ء مطابق ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|---|------------------------------|
| ۳۲۲ | تجدید احمد | ۱۔ نظرات |
| ۳۳۰ | حضرت مولانا سیدہ امیر احسن صاحبہ گیلانی | ۲۔ تدوین حدیث |
| ۳۴۲ | مولانا ابوسلمہ یحییٰ احمدی ری استاد مدرسہ عالیہ کلکتہ | ۳۔ امام دارقطنی |
| ۳۵۸ | پروفیسر میاں عبداللہ صاحب ریاضت کلمہ غنائی ادب | ۴۔ مغرب پر مسلمانوں کے احسان |
| ۳۷۷ | سید مشوق حسین صاحب اظہار پوری | ۵۔ ادبیات |
| | جناب سبیل شاہ جیال پوری | تقریریں برنعت |
| | جناب انور صابری | نزل |
| | (س)، (د)، (ع)، (ز) | آگیا اے عشق پور نازک مقام |
| ۳۸۰ | | ۶۔ ہنجرے |

نظرات

گاؤ خور دن پہ ضرور

برادر محترم مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی نے گذشتہ اشاعت میں برہنہ بابت اکتوبر کے نظرات پر جو تنقید کی ہے اس کے مطالعہ سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ برادر موصوف باوصف اپنے جلالت علم و عمل کے میری طرح ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ذریعہ بغر و ہندستان میں اسلامی شعائر سمجھتے ہیں اور استدلال میں حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد پیش کرتے ہیں بلکہ آپ کے نزدیک بھی یہ صرف مباح ہے اور اس بنا پر مسلمان اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں ”اس لئے نہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ بعد از وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی اور اس لئے آج ایسا ہونا برادران وطن کی نگاہ میں بے وقعت اور بے معنی ہے“ اور نہ صرف یہ کہ یہ ایک امر مباح ہے بلکہ اگر سازگار اور مناسب حالات میں مسلمان اس کو ترک کر دیں تو اس سے ان کی اخلاقی بلندی کا ثبوت بھی ملے گا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ”علما کا یہ متفقہ فیصلہ اس غرض سے کرنا مقصود ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اخلاقی بلندی کا ثبوت دینے کے لئے ایسی بات کے ترک کر دینے کا متفقہ اعلان کر دینا چاہئے جس سے برادران وطن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے“ (صفحہ ۴۳)

اب مجھ میں اور برادر موصوف میں اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ میرے نزدیک اس معاملہ میں جو کچھ فیصلہ کرنا ہے وہ ابھی اور فوراً کرنا چاہئے اور بھائی صاحب کی رائے میں اس کو ابھی یوں ہی رہنے دینا چاہئے اور اس کی وجہ آپ کے خیال میں یہ ہے کہ اگر اس وقت گاؤ کشی

ٹرک کی گئی فوج کو ہندو اکثریت میں ہونے کے بل بوتہ پر نشہ اقتدار و ہندار سے سرشار ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسلمان شکستہ حال و خستہ ہیں اس بنا پر مسلمانوں کا اس وقت ٹرک گاؤ کشی کا عہد کرنا کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کرے گا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مسلمان یہ عہد اور اعلان کر کے براہمان وطن کی نظر میں بے وقت اور ذلیل ہو جائیں گے۔

اگرچہ برادر محترم موجودہ حالات میں ٹرک گاؤ کشی کو نامناسب بتاتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کے قلم سے بے ساختہ ایک جملہ ایسا ٹپک پڑا ہے جس کا مطلب منطقی طور پر اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ ٹرک گاؤ کشی عین وقت کے مطابق ہے۔ آپ فرماتے ہیں ”یہ بعد از وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی“ اب غور کیجئے تو منطقی طور پر اس فقرہ کی شکل یہ ہوگی

(۱) یہ بعد از وقت ہے یعنی قبل از وقت نہیں

(۲) یہ قبل از وقت ہے یعنی بعد از وقت نہیں

نتیجہ :- یہ نہ قبل از وقت ہے اور نہ بعد از وقت = یعنی عین وقت کے مطابق ہے

بہر حال آپ کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم ہند سے بہت پہلے جب کہ ہندو اور مسلمان دونوں میں اتحاد و یگانگت پائی جاتی تھی وہ وقت ٹرک گاؤ کشی کے لئے موزوں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ وقت موزوں تھا تو پھر اسے ترک کیوں نہیں کیا گیا اس زمانہ میں تو مسلمانوں کی پوری سیاست علماء کے ہاتھ میں ہی تھی اور جب حکیم محمد اعلیٰ خاں مرحوم نے اس کی تحریک کی تھی تو اس کی مخالفت کن حضرات نے کی تھی؟ اور کیوں؟

دوسری بات آپ یہ کہتے ہیں کہ اب ایسا کرنا مناسب نہیں تو اس سلسلہ میں خاکسار راقم الحروف اپنا نقطہ نظر پیش کرتا ہے لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہ چند حطور صرف اپنا نقطہ نظر اور طریق فکر بیان کرنے کے لئے پیش کی جا رہی ہیں ورنہ اس کا مقصد نہ کوئی اپنا ایک الگ عائد قائم کرنا ہے اور نہ برادر محترم سے یا کسی اور سے اس معاملہ میں معارضہ و مناقضہ کرنا ہے چنانچہ

میری طرف سے برہان میں اس سلسلہ کی یہ آخری تحریر ہے۔ اب میری معروفات حسب ذیل ہیں:

۱۱۔ اس سے قطع نظر کہ موجودہ حالات میں ہندوؤں کی پوزیشن کیا ہے اور مسلمانوں کی کیا۔
 نفس مسئلہ کی حیثیت سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ گاؤ کشی سبب نزاع ہے یا نہیں؟ اگر سبب
 نزاع ہے تو کیا مسلمان اس کی مقاومت کر سکتے ہیں؟ اگر مقاومت نہیں کر سکتے تو کیا اندرون
 احکام اسلام مسلمان اس سبب نزاع کو دفع و ختم کر سکتے ہیں؟۔ پس یہ تین سوالات ہیں جن پر
 غور کرنا ہے یہ ظاہر ہے کہ گاؤ کشی آج سے نہیں ہمیشہ سے سبب نزاع بنی رہی ہے لیکن تقسیم ہند
 سے قبل جو بھوکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی طاقت متوازن تھی اس لئے مسلمان اس کی مقاومت
 کر سکتے تھے تقسیم کے بعد صورت حال یہ ہے کہ اس کا سبب نزاع ہونا تو شدید سے شدید تر
 ہو گیا ہے اور دوسری جانب مسلمانوں میں تاب مقاومت نام کو بھی نہیں رہی ہے۔ اس بنا پر
 اب سوچنا یہ ہو گا کہ مسلمان باختیار خود اس کو ترک کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو شریعت کہتی ہے کہ
 ہاں مسلمان اس کو ترک کر سکتے ہیں۔ پس اب احوال شریعت کا حکم یہ ہی ہو گا کہ اجتماعی طور پر اس
 کے ترک کر دینے کا اعلان کر دینا چاہئے اس سلسلہ میں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ مولانا حفظ الرحمن
 نے صفحہ ۲۹۸ پر چند مقامات کا نام لے کر یہ باور کرائے کی کوشش کی ہے کہ ”فرقہ پرست ہندوؤں
 نے مسلمانوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانے کے لئے عید قرباں کو بیانا بنا کر خون کی ہولی کھیلنا شروع
 سمجھا“ اگر اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بعض مقامات پر فرقہ پرست ہندوؤں نے ایسا کیا تو کوئی شبہ
 نہیں کہ یہ بالکل سچا اور درست ہے۔ لیکن اگر مطلب یہ ہے کہ گاؤ کشی سرے سے سبب نزاع
 ہی نہیں ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کی بات دنیا کا کوئی معمولی انسان بھی کہہ سکتا
 ہے چہ بائیک ملک کا ایک نامور عالم اور نہایت باہوش و دانش رہنمائے قوم۔

۱۲۔ گاؤ کشی جب سبب نزاع ہے تو اس کو اس کی اس حیثیت کے پیش نظر ختم کر دینا
 محالہ مفید اور عمدہ نتائج پیدا کرے گا۔ اور ان نتائج کی راہ میں ہندوؤں کا موجودہ پندار اکثریت
 حامل نہیں ہو سکے گا جس کا کہ برادر موصوف کو اندیشہ ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں آپ دیکھتے ہیں کہ

میاں بیوی میں کسی بات پر سخت جھگڑا ہو جاتا ہے۔ بیوی بر بنائے شرافت و نیک نفسی شوہر کی بری کھلی باتیں سن کر خاموش رہتی ہے اور اس کا کوئی جواب نہیں دیتی تو اگرچہ شوہر اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کو بیوی پر ہر طرح فوہیت و اقتدار حاصل ہے اور اس کے بالمقابل بیوی غریب کے لئے شوہر کے در کے علاوہ کوئی دوسرا دہی نہیں ہے اور اس بنا پر ممکن ہے کہ بیوی کا جواب نہ کی بھرکی نہ دینا اسی مجبوری کے باعث ہو۔ لیکن بانیہ بیوی کی خوشی کا اثر طبعی طور پر یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو خود بعد میں اپنے قول و فعل پر ندامت ہوتی ہے اور وہ بیوی سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔

(۳) اور اگر بالفرض اس وقت ترک گاؤ کشی کے اعلان سے ہندوؤں کو یہ خیال ہو گیا کہ مسلمانوں نے ڈر کے مارے ایسا کیا ہے نہ کہ اپنے کسی خاص فرض کے احساس سے تو اوں کو یہ خیال اس وقت تو ہو سکتا تھا جب کہ یہ اعلان مسلم لیگ یا کسی اور جماعت کی طرف سے ہوتا جمعیۃ علماء کو ہر ہندو جانتا ہے کہ یہ بہادر وں اور سرفرو شوں کی جماعت ہے جس کے نزدیک حق کی راہ میں جان دے دینا معمولی بات ہے اور یہ جماعت جب کل انگریزوں سے مرعوب نہیں ہوئی اور نہ ہندو اکثریت کے خیالی بھوت نے اس کے دماغ پر مسلط ہو کر مسلمانوں کے لئے فرقہ وارانہ سیاست کا راستہ دکھایا تو آج وہ ہندوؤں سے کیوں ڈرتے گی۔ اس بنا پر اگر جمعیۃ علماء کی طرف سے یہ اعلان ہوتا تو ہندو لامحالہ اس کا خیر مقدم کرتے اور وہ سمجھتے کہ جمعیۃ نے یہ اعلان ہندوؤں سے ڈر کر نہیں کیا ہے بلکہ وقت کے تقاضے کے مطابق فرض شناسی کے جذبہ سے کیا ہے کون نہیں جانتا کہ جب کل سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کے ہزیمت خوردہ و شکست یافتہ ہونے کے باوجود انگریزوں کو اپنانے کی پالیسی پر عمل کیا تو اس کا خیر مقدم خود انگریزوں نے کیا اور سرسید نے ان کی طرف تعاون و اشتراک کا جو ہاتھ بڑھایا تھا اس کو انھوں نے مضبوط پکڑ لیا کیوں؟ صرف اس لئے کہ انگریز جانتے تھے کہ سرسید وہی بہادر انسان ہے جس نے ”اسباب بغاوت ہند“ لکھ کر پارلیمنٹ میں تہلکہ

پا دیا تھا اور جو ایک عظیم الشان دستار حکومت سے محض اس بات پر ناراض ہو کر اٹھ اٹھا تھا کہ اس میں ہندوستانیوں کی کرسی انگریزوں کے برابر نہیں تھی سید کی اس بے خبری اور بے باکی کی وجہ سے انگریزوں کو یقین تھا کہ اب سرسید نے انگریزوں کو اپنانے کی جو ایسی اختیار کی ہے تو وہ مرحوب و خوف زدہ ہو کر نہیں بلکہ تقاضائے وقت کا صحیح جائزہ لینے کے بعد فرض شناسی کے جذبہ سے کی ہے یہاں اس سے بحث نہیں کہ سرسید کی یہ پالیسی پہلے ہی صحیح تھی یا غلط۔ مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ مسلمانوں کی ہزیمت خوردگی کا تصور سرسید کی پالیسی کے متعلق انگریزوں کے دل و دماغ پر اچھا اثر پیدا کرنے میں مانع نہیں ہوا۔

(۴) اس سے قطع نظر کہ گادگشی کے عنوان سے اب تک کتنے مسلمانوں کی جانیں جا چکی ہیں اس معاملہ پر اس پہلو سے بھی غور کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت نے مذہبی قومیت کی بنیاد پر تقسیم ہند کا مطالبہ کر کے اور پھر اس مطالبہ کو حاصل کر کے درحقیقت بھارت میں اپنے شہری حق کو خود منافع کر دیا تھا۔ اس کے بعد اگر یہاں کے دستور میں مسلمانوں کو شہری حقوق نہ دئے جاتے تو مسلمانوں کا منہ نہ ہوتا کہ وہ اس کے خلاف احتجاج میں ایک حرف بھی کہہ سکتے لیکن کانگریس کا مسلمانوں پر یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے اس چیز کی ذرا پروا نہ کی اور ملک کے آئین میں مسلمانوں کو بھی ہندوؤں جیسا شہری تسلیم کر دیا، کانگریس کے اس احسان کے جواب میں مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ وہ قومی تشکر و امتنان کے طور پر گادگشی کے ترک کا اعلان کر دیتے۔ اگر دستور کی تکمیل کے فوراً بعد مسلمانوں کی طرف سے محض تشکر و امتنان کے جذبہ سے اس قسم کا اعلان ہوتا تو آپ دیکھتے کہ ایک طرف ہندو۔ راجندر پرشاد اور راج گوبال آچاریہ ایسے مخلص کانگریسوں کو ہراساں کیا کہ ان کے لئے لڑنے میں کتنی تقویت ہوتی اور دوسری جانب خود اکثریت کے دل و دماغ پر اس کا کس قدر اچھا اثر ہوتا۔

(۵) علاوہ بریں آپ اپنے معاملات و مسائل کا صحیح اور کامیاب حل اسی وقت پیدا کر سکتے ہیں جب کہ آپ اپنا صحیح مقام اور مرتبہ معلوم کر لیں اور اس مقام کے مطابق آپ کو جو کرنا چاہئے وہ

کریں ملک کی تقسیم کے بعد بھارت کے مسلمانوں کی مثال اس فوج کی سی ہے جو کسی محاذ پر اپنے حریف سے شکست کھا چکی ہے ایسی شکست خوردہ فوج کے لئے مندر اور ہٹ میں اسی جگہ پر کھڑا رہنا سزا سر خود کشی کے مرادف ہے۔ اسے لامحالہ پیچھے ہٹنا چاہئے۔ پسپائی کی بالیسی بر عمل کرنا چاہئے اسے حالات کو متوازن کرنے کے لئے اپنے اندر لچک پیدا کرنی چاہئے۔ لیکن یہ لچک، یہ دباؤ اور یہ پسپائی ہندوئی، بددلی اور نامردی کے ساتھ نہیں بلکہ حوصلہ و امید، اور دلولہ دارمان کے ساتھ محض اس خیال سے ہونی چاہئے کہ اب جب کہ اسباب طبعی کے ماتحت اس فوج کو شکست ہو ہی گئی ہے تو اب اس کے لئے محاذ سے پسپا ہونا بھی ایک طریق جنگ ہے۔ یہ پسپائی صرف اس بنا پر اختیار کرنی چاہئے کہ یہ فوج شکست کھا چکی ہے۔ اس وقت اس کا خیال ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ اس پسپائی پر دشمن ہنسے گا۔ اور اس پر کوئی اچھا اثر ہو گا یا نہیں ہو گا۔

بھائی حفظ الرحمن صاحب اگر گستاخی معاف کریں تو میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ آج مسلمانوں کے حالات کے عدم توازن کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک کی تقسیم تک مسلمان بحیثیت مجموعی فرقہ وارانہ سیاست کی زیر قیادت تھے اور اسی قیادت کے ماتحت آخر کار وہ ملک کے دھڑکے کر کے رہے۔ لیکن ٹھیک ۵ اگست ۱۹۴۷ کو شب کے بارے بجے یہ قیادت اپنا بستر بوریہ باندھ کر اس ملک سے رخصت ہو گئی اور اس کی جگہ جمعیت علمائے ہند نے لے لی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جمعیت نے یہ سب کچھ اسلامی حمیت و غیرت اور انسانی شرافت و ہمدردی کے جذبہ سے بے قرار ہو کر کیا کیونکہ جمعیت کو مسلمانوں نے تقسیم ہند سے قبل خواہ کچھ ہی کہا سنا اور اس کے ساتھ کیسا ہی برا اور ناگوار معاملہ کیا ہو لیکن اس کے باوجود جمعیت یہ ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ مسلمان بے کس و بے بس ہو کر فتنہ و فساد کی دوند میں گھر کر رہ گئے ہوں اور جمعیت ان کا تماشہ دیکھتی رہے۔ چنانچہ حفظ الرحمن اور ان کے رفقاء خود بھی اس آگ میں کود پڑے اور مسلمانوں کو اس آگ کی لپٹ سے بچانے کے لئے انھوں نے جس عظیم الشان نذاکاری۔ ماں سپاہی اور بے باکی و بے خونی کا مظاہرہ کیا ہے میرے علم و یقین میں وہ صحیفہ شجاعت و جوانمردی کا ایک نہایت روشن باب ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے

یہاں ان حضرات کے مراتب و مدارج صدیقین و شہداء سے کسی طرح کم نہیں ہیں یہ سب کچھ صحیح اور درست لیکن منطقی اعتبار سے جو بات غلط ہے وہ غلط ہی ہوگی۔ اب جمعیت کی مثال اس ڈاکٹر کی سی ہے جس کے سپرد ایک ایسا مریض ہوا ہے جس کا کہیں پہلے سے ایک اور انجکٹر اور انجکٹری ڈاکٹر نے بگاڑ دیا ہے اور جب مریض کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تو یہ ڈاکٹر مریض کو خدا کے سپرد کر کے کسی اور دوسرے ملک کو سدھارا گیا ہے اب یہ دوسرا ڈاکٹر ازراہ ہمدردی و شرافت اس مریض ناتواں کا علاج تو کر رہا ہے لیکن صحت اپنے انداز فکر اور طریق علاج کے مطابق اور یہ نہیں دیکھتا کہ پہلے ڈاکٹر نے مریض کے حالات میں کہاں کہاں اور کس کس راہ سے فساد پیدا کر دیا ہے اور ان چیزوں کی رعایت سے اسے کیا کیا کرنا چاہئے جمعیت نے ہندوؤں کے دوش بدوش جنگ آزادی میں حصہ لیا ہے اس لئے وہ نہ ہندوؤں کے سامنے محبوب و شرمسار ہے اور نہ وہ ان سے دب کر کوئی بات کر سکتی ہے لیکن انیسویں صدی کے تمام مسلمانوں کا حال یہ نہیں ہے، بس یہ ہے اصل خرابی کہ قوم کے حالات ”پسپائی“ کے متقاضی ہیں لیکن لیڈر شپ اپنے مخصوص کردار کے باعث اس کے لئے تیار نہیں۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمان خود بخود گناہ کشی ترک کرنے جا رہے ہیں گذارش یہ ہے کہ جی ہاں! ترک کرنے جا رہے ہیں مگر صرف انہیں مقامات پر جہاں وہ نہیں کر سکتے مغربی بنگال میں گناہ کشی ممنوع نہیں ہے تو اس سال بھی عید قرباں کے موقع پر سینکڑوں گاؤں قربان ہوئیں پولیس کے انتظامات ہر جگہ معقول تھے اس لئے فساد کہیں نہیں ہوا۔ اب سوچئے کہ اگر ایسے مقام پر مسلمان بطیب خدا گائے کی قربانی نہ کرنے کا اعلان کر دیتے تو کیا اس سے مسلمانوں کی آن پر بٹہ لگ جاتا اور کیا اس سے فرقہ وارانہ تعلقات کو خوشگوار بنانے میں مدد ملتی؟

اب حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، ٹسڈن جی نے ناسک میں بر ملا کہا ہے کہ ہندوؤں کو گناہ کشی کے خلاف رائے عامہ پیدا کرنی چاہئے۔ ڈالمیا نے صاف صاف کہا ہے کہ اگر ۲۶ جنوری تک گناہ کشی بند نہیں ہوئی تو میں اپنی زندگی اس کے لئے وقف کر دوں گا۔ اب سمجھ لیجئے کہ ان

سب باتوں کا مطلب کیا ہے؟ تو کیا آپ یہ سب چیزیں ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھتے رہیں گے اور خود کچھ نہیں کریں گے حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ قوم کے لیڈر کا بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے فکر میں تبدیلی پیدا کرے اور حقائق کا واقعی جائزہ لے کر اخلاقی جرأت کا ثبوت دے۔ "خود کچھ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے نمائندہ کے مطالبہ پر خود اپنے دست مبارک سے "مرسول اللہ" کا لفظ لکھ کر مٹا دیا جس سے بعض بعض صحابہ کو سخت ناگواری ہوئی تو کیا یہ واقعہ اس کا ثبوت نہیں ہے کہ اسلام اپنے حریفوں سے معاملہ کرتے وقت کس حد تک لچک پیدا کرنے کی اجازت دیتا ہے صحابہ کرام اس کو اپنی توہین یا ذلت سمجھتے تھے لیکن اللہ کا پیغمبر حق اپنی جگہ مطمئن تھا کہ ایسا کرنا کفار قریش پر اللہ کی عیت کا تمام کر دینا ہے۔ اس کے بعد اگر ان بد بختوں نے شرائط صلح سے روگردانی کی تو پھر اللہ کا قہر ان کو پکڑے گا اور یہ اس کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آخر میں اتنا اور عرض کرنا ہے کہ برادر محترم نے پچھلی اور علی کا فرق بیان فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ خاکسار راقم الحروف صرف ایک تجلی شخص ہے جس کو علی عباسیہ کا کوئی تجربہ نہیں ہے اور اس کے برخلاف برادر محترم خود اور ان کے رفقاء علی سیاسیات کے مرد میدان ہیں اس لئے اس معاملہ کو جتنے اچھے طریقہ پر وہ سمجھ سکتے ہیں یہ خاکسار نہیں سمجھ سکتا، گزارش یہ ہے کہ مجھ کو کھلم کھلا اپنی اس کوتاہی اور نقص کا اعتراف ہے اور میں واقعی علی عباسیہ کا آدمی نہیں ہوں لیکن با اینہما اس قدر عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر علی سیاسیات کا مرد میدان اور اس میدان کی شہ سوازی کا عالم یہ ہی ہے جو تقسیم ملک کے فوراً بعد لاکھوں آدمی کے مردوں انسانوں کی انتہائی بربادی اور طاقت و تباہی کی شکل میں ہند اور پاکستان میں نظر آیا۔ افسوس کہ اس کے اثرات نظر آرہے ہیں تو ہر شریف اور نیک دل انسان کو دعا کرنی چاہئے کہ خدا اس کو اس عملی سیاسیات کی شہ سواری سے محروم و نامراد رکھے۔

تذوین حدیث

محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ وینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۱۱)

علیکم من الحدیث بما کان

لوگوں ہی حدیثوں کو قبول کرو، جو عمر کے زمانے

فی عہد عمر خانہ قل اخاف

کی میں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

الناس فی الحدیث عن رسول اللہ

طرف منسوب کر کے حدیثوں کے بیان کرنے

صلی اللہ علیہ وسلم (تذکرۃ الخلفاء) پر عمر نے لوگوں کو ڈرایا اور دھمکا دیا تھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اکثر یعنی بہ کثرت حدیثوں کی روایت سے ممانعت کی صرف یہ توجیہ کہ زیادہ روایت کرنے والوں سے احتیاط کی توقع جیسی کہ چلتے نہیں کی جاسکتی عام حالات میں تو یہ صحیح ہے مگر محمدی سے آپ سن چکے ہیں کہ صحابہ میں بھی اور صحابہ کے بعد بھی محدثین میں ایک طبقہ ان لوگوں کا پایا جاتا تھا جن کی یادداشت اور حافظہ کی قوت کا تجربہ کیا گیا۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ دو تین نہیں بلکہ سیکڑوں حدیثیں ان بزرگوں کو اس طریقہ سے یاد تھیں کہ سال سال بھر کے بعد ان سے دوبارہ بھروسہ حدیثیں پوچھ کر لکھی گئیں اور پہلے لکھائے ہوئے مسودے سے ان کا مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کی کمی بیشی نہیں پائی گئی۔ آخر جن لوگوں کو اپنی روایتوں پر اتنا اعتماد ہو جیسا کہ ابو زرہ کے حال میں گذر چکا کہ قسم کھانے والے نے یہ قسم کھائی کہ ابو زرہ کو ایک لاکھ حدیثیں اگر زبانی یاد نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق پڑ جائے پھر ان ہی سے دریافت کرنے آیا، جواب میں ابو زرہ نے کہا تھا کہ اطمینان سے تو اپنی بیوی کو اپنے

پاس رکھنا ہر ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان کی کیفیت اور کیا ہو سکتی ہے۔
 میں یہی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی روایتوں کے متعلق جن کے اطمینان کی یہ
 حالت ہو، آخر ان کو کثرتِ روایت سے روکنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یاد رکھنے والوں کو
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روایت کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے حضرت عمرؓ
 بھی لوگوں سے یہی کہتے تھے کہ جن لوگوں نے میری باتوں کو یاد رکھا ہے، چاہئے کہ وہ ان
 کو دوسروں تک پہنچائیں حافظ بن عبد البر نے حضرت عمرؓ کے حوالہ سے ان کا ایک قول
 حدیثوں کی روایت کے متعلق نقل کیا ہے، یعنی قیس بن عباد کہتے تھے۔

سمعت عمر بن الخطاب
 يقول من سمع حديثا فاداه
 كما سمع فقد سلم (ص ۱۲۳ ج ۱)
 میں نے عمر بن الخطاب سے سنا کہ جس نے
 حدیث سنی اور جو کچھ سنا تھا اسی کو اس نے ادا
 کر دیا تو وہ محفوظ ہو گیا (یعنی روایت کی ذمہ داری
 کو اس نے پورا کر دیا)

ظاہر ہے کہ حضرت کے یہ الفاظ عام ہیں، ان لوگوں کو بھی شامل ہیں جن کی روایتوں کی تعداد
 کمیل ہو، اور ان کو بھی جن کی روایتوں کی تعداد کثیر ہو، شرط صرف یہ رکھی گئی ہے کہ جو کچھ اس نے
 سنا ہو اسی کو اگر وہ بیان کر رہا ہے تو اپنی ذمہ داری اس نے پوری کر دی۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے متعلق جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے
 حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم
 عليه وسلم ممن ينظرون ويؤخذون
 رسول الله صلى الله عليه وسلم
 من جانبين ان لوگوں میں
 ہیں جن کی طرف دیکھا جاتا ہے اور ان سے روایت
 کو اخذ کیا جاتا ہے۔

اگر یہ ان ہی کا بیان ہے اور نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں، رسول اللہ کے اصحاب کے متعلق
 جس کا یہ خیال ہو اور ان ہی صحابہ کرام کی باتوں کو مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں جو اہمیت حاصل

ہو سکتی تھی اس کا اظہار بار بار مختلف مواقع میں جو بایں الفاظ کرتا ہو کہ۔

انتم معاشرا صحابہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم متی ماختلفون
تم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی
ہو، جب تم ہی لوگ اس میں اختلاف کرو گے تو
جو تمہارے بعد آنے والے ہیں وہ بھی باہم مختلف
ہو جائیں گے۔

جو ان ہی صحابیوں کو خطاب کر کے یہ پیش گوئی کرتا ہو کہ

انتم اصحاب بدرا وقد اختلفتم
تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بن صحابہ
میں ہو جو بدر میں شریک تھے تم ہی جب اختلاف
کر رہے ہو تو تمہارے بعد جو ہوں گے وہ زیادہ
اختلاف کریں گے۔

کیا اسی فاروقی بصیرت سے یہ امر مخفی رہ سکتا تھا کہ ان ہی صحابیوں میں خبرِ حادثہ کی شہادت
عام طور پر مشہور و معروف ہو کر عمومیت کا رنگ جب اختیار کر لیں گی تو آئندہ نسلوں میں یہی
رنگ کتنا سخت اور گہرا ہوتا چلا جائے گا اور دین کے اس حصہ کی تبلیغ میں خاص و دش پیغمبر
نے قصداً جس مصلحت سے اختیار کی تھی اس مصلحت پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

کچھ بھی ہو میرا خیال تو یہی ہے کہ منجملہ دیگر مصلح و دجور کے اقلالِ روایات پر حضرت عمرؓ
کے اصرار کا ایک راز یہ بھی تھا ازالہ النہا میں شاہ ولی اللہ نے قرط والی روایت جس میں اقلو
الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایتیں رسول اللہ سے کم بیان کرنا،
کی وصیت کو ذرخصت کرتے ہوئے صحابہ کی ایک جماعت کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
یہ فرمائی تھی، اسی روایت کو الدارمی کی کتاب سے نقل کرنے کے بعد شاہ صاحب نے دارمی
کا ایک تشریحی فقرہ جو اس حدیث کے آخر میں انھوں نے لکھا تھا یہ بھی دیکھ لیا ہے۔

قال ابو محمد (ہو اللہ امری) معاً ابو محمد (یعنی دارمی) نے کہا کہ میرے خیال میں حضرت

عندی الحدیث عن ایام رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا دینی اقلال روایت پر اصرار کا مطلب
صلی اللہ علیہ وسلم لیس یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام کی حقیقت
السفر والفرانض سن اور فرائض کی نہیں

الدارمی کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے؟ انسوس ہے کہ اس کی تفصیل کا صحیح مقام
”تدوین فقہ“ والی کتاب ہو سکتی ہے، تاہم مختصر آبیان بھی اتنا اشارہ نامناسب نہیں ہوگا کہ
”البنیات“ میں نے دین کے جن عناصر و حقائق کا نام رکھا ہے اس کی تعریف تو پہلے کر چکا ہوں
لیکن مصداق قرآنی مطالبات اور ان کے عملی تشکیلات ان کے اہم اجزاء میں مثلاً اقامہ الصلوٰۃ
میں الصلوٰۃ کا مطالبہ قرآن میں کیا گیا ہے، لیکن ”الصلوٰۃ“ کی عملی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے بتائی، میرے نزدیک الدارمی کے مذکورہ بالا الفاظ میں فرائض سے قرآنی مطالبات اور
سنن سے ان ہی فرائض کی عملی شکلیں مقصود ہیں کچھ یہی نہیں بلکہ عام طور پر حدیثوں میں فرائض
کے بعد سنن کا لفظ جہاں جہاں آیا ہے میں تو اس کا مطلب یہی سمجھتا ہوں مثلاً حضرت ابو موسیٰ جب
کوڑہ کے والی حضرت عمرؓ کی طرف سے مقرر ہو کر آئے تو اس وقت آپ نے تقریر کرتے ہوئے
یہ جو کوڑہ والوں سے فرمایا تھا کہ

لعبثی الیکم عمر بن الخطاب مجھے تم لوگوں کے پاس عمر بن الخطاب نے اس
۱ علمکم کتاب ربکم و سنت لئے بھیجا ہے کہ تمہارے رب کی کتاب و قرآن نہیں
نبیکم ازالہ الغفۃ ج ۲ سکھاؤں اور تمہارے رسول کی سنت کی تعلیم نہیں

تو کتاب کے بعد سنت کا جو لفظ یہاں استعمال کیا گیا ہے وہ کتابی اور قرآنی مطالبات کے
عملی تشکیلات ہی کی طرف اشارہ ہے حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس
میں ایک شخص نے جب یہ مطالبہ پیش کیا کہ

لا تخذثونا الا بالقرآن قرآن کے سوا ہمارے سامنے اور کچھ نہ بیان کرو۔

تو یہی ”سنن“ تھے جن کو پیش کرنے ہوئے آپ نے سمجھایا تھا کہ ان ”سنن“ یا عملی طریقوں

کے بغیر قرآنی احکام کی تعمیل کی صورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ روایت میں ہے کہ جس شخص نے کہا تھا کہ قرآن کے سوا اور کسی چیز کا تذکرہ نہ کیا جائے حضرت عمران نے اس سے کہا کہ میں انہوں میں سے قریب آ جاؤ جب وہ آپ کے پاس آ گیا تو آپ نے اس کو سمجھانا شروع کیا پہلے آپ نے الصلوٰۃ ہی کو لیا جس کا بار بار قرآن میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے پوچھنا شروع کیا۔

امریت لو وکلت انت اصحابک
الی القرآن اکننت تجد فیہ
صلوۃ الظهر اسر بعا و صلاۃ
العصر اسر بعا والمغرب ثلاثا
تم سمجھتے ہو کہ تم اور جو تمہارے ہم نوا رہنا ہیں
صرف قرآن ہی پر ٹیک لگالیں گے، تو کیا قرآن
میں پا سکتے ہو کہ ظہر کی نماز چار رکعتوں پر اور عصر
کی بھی چار اور مغرب کی نماز تین رکعتوں پر مشتمل ہے

پھر آپ نے مثلاً حج کا ذکر کیا اور فرمانے لگے

امرأت لو وکلت انت واصحابک
الی القرآن اکننت تجد الطواف
بالبيت سبعاً والطواف بالصفاء
والمروة
تم سمجھتے ہو کہ تم اور جو تمہارے ہم نوا رہنا ہیں صرف
قرآن ہی پر ٹیک لگالیں گے تو تم قرآن میں پا سکتے
ہو کہ بیت اللہ دیکھ کر کا طواف سات دفعہ کرنا چاہئے
اور صفا و مروہ کا طواف بھی سات دفعہ کرنا چاہئے

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے حج کے متعلق یہ بھی پوچھا تھا کہ

والموقف بعرفة ورمی الجمار
عرفات میں وقف (قیام)، اور رمی جمار کے
مسئلہ کو کیا قرآن میں تفصیلاً پا سکتے ہو، شاید عرفات
کی جگہ مزدلفہ کا لفظ ہو کیونکہ عرفات کا ذکر قرآن میں
کیا گیا ہے مترجم،

یا چور کے ہاتھ کاٹنے کا قرآن میں اسلامی حکمرانوں کو جو ذمہ دار بنایا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ
والید من این تفتح امن ھھنا
اور ہاتھ کس طریقہ سے کاٹا جائے کہاں سے یہاں
سے یا وہاں سے۔

راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ نے گئے پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ یہاں سے پھر کہنی پر ہاتھ رکھ کر چھا
کہ کیا یہاں سے؟ پھر کندھے کے قریب ہاتھ لے گئے اور پوچھا کہ کیا یہاں سے؟
پھر حال جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت اس مسئلے کے تفصیلات میرے پیش نظر
نہیں ہیں تفصیلات کے لئے کتاب ”تذوین فقہ“ کا مطالعہ کیجئے، یہاں مجھے الدارمی کے ان
الفاظ کی شرح مقصود ہے جن کا حضرت عمرؓ والی روایت کے اندراج کے بعد انھوں نے
اضافہ کیا ہے یعنی ”فرائض اور سنن“ کے متعلق اقلال کا یہ حکم حضرت عمرؓ نے نہیں دیا تھا بلکہ
مسلم حدیث عن ایام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اس حکم کا تعلق ہے یہ بتانا چاہتا
تھا کہ ایسے موقعوں پر ”سنن“ کا لفظ ”فرائض“ کے بعد جب بولا جاتا ہے تو مراد ان سے قرآنی
فرائض و مطالبات کی عملی شکلیں ہوتی ہیں اور یہی وہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کی شاعت
میں تو عمومیت ہی مقصود ہے پھر ان کے متعلق ”اقلال“ کا حکم حضرت عمرؓ کیسے دے سکتے
تھے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو واقعات پیش آئے یا آپ کے سامنے
کرنے والے جو کچھ کرنے تھے یا ان ہی دنوں میں بجائے عام امت کے خاص خاص افراد
سے جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں یا خاص لوگوں نے آنحضرت کو کچھ کرتے
دیکھا تھا الغرض عہد نبوت کی وہی چیزیں جن کی عمومی اشاعت پیغمبر کی طرف سے مسلمانوں
میں نہیں کی گئی تھی جہاں تک براخیال ہے الدارمی کے ایام کے لفظ سے یہی مطلب ہے
جیسا کہ میں یہی کہتا چلا آ رہا ہوں، امام بخاری نے بھی اس قسم کی حدیثوں کی تعبیر قریب قریب
ان ہی الفاظ سے کی ہے انھوں نے بھی اپنی مرتبہ کتاب مجمع بخاری کا یہ نام جو رکھا ہے یعنی
”المجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

وایامہ

میں نے پہلے بھی اس کا تذکرہ کہیں کیا ہے ظاہر ہے کہ ”امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“
وایامہ یہ ان ہی حدیثوں کی تو تعبیر ہے جنہیں اپنی کتاب میں امام نے جمع کیا ہے۔ الدارمی اور
لے الکفایہ خطیب ص ۱۲ ج ۱۲

بخاری میں صرف امتنا فرق ہے کہ ایام کے ساتھ ”امور“ کا اضافہ بھی امام بخاری نے کیا ہے اور الدارمی نے صرف ”ایام“ کے عام اور عادی لفظ کو کافی خیال کیا یہ ظاہر یہ ایک قسم کی اصطلاح معلوم ہوتی ہے، گویا خبر آمادہ کی ایک تعبیر یہ بھی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ وہی بات یعنی دین کا بنیاتی حصہ غیر بنیاتی چیزوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے، دونوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے جو یہ طریقہ فرمایا تھا کہ ایک کی تبلیغ و اشاعت میں عمومیت کا رنگ جس حد تک پیدا ہو سکتا تھا اس کے پیدا کرنے پر پورا زور صرف کر دیا گیا، اور گو پہنچانے کی حد تک پہنچا تو دیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شعبے کو بھی لیکن اس کو ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے زمانہ میں اس امتیاز کے بانی رکھنے پر زور دیا اور یہی غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان تدبیروں سے تھی، جن کا متناسب روایتوں میں ان کی طرف کیا گیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی ازالۃ الخفا میں حدیثوں کے متعلق حضرت عمرؓ کے ہدایت کی تفصیل کرتے ہوئے مجملہ دوسرے مصلح کے ان روایات کا ایک مطلب یہ بھی فرما دیا،

شاہ صاحب فرماتے ہیں

باستقرار تمام معلوم شد کہ فائق اعظم	اچھی طرح چھان بین تلاش و تفتیش سے یہ بات
تقریباً در تفریق میان احادیث کہ	معلوم ہوئی ہے کہ فائق اعظم کی دقیق نظر حدیث
یہ تبلیغ شرايع و تکمیل افراد بشر تعلق	کے دونوں حصوں میں امتیاز پیدا کرنے پر جمی رہی
دار و از غیریں مصروف می ساخت	یعنی وہ حصہ جس سے شرايع کی تبلیغ اور انسانی
	افراد کی تکمیل سے تعلق تھا اس میں مشغول رہ کر
	دوسرے حصہ میں ہٹنا کہ سے لوگوں کو روکتے تھے

”تبلیغ شرايع و تکمیل افراد بشر“ کے الفاظ سے جیسا کہ ظاہر ہے قرآنی مطالبات کی عملی تشکیل ہی کا تعلق ہے گویا الدارمی نے سنن کے لفظ سے جس مقصد کو ادا کیا تھا شاہ صاحب نے

زیادہ واضح الفاظ میں ان ہی کی تعبیر کی ہے اس کے بعد ارقام فرماتے ہیں کہ
 لہذا احادیث شامل ہر حدیث سنن
 اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل
 زوائد در لباس و عادات کثر روایت
 شکل و صورت سے جن حدیثوں کا خلق تھا اور سنن
 می کردہ ج ۲ از انوار
 زوائد معنی نثرانی مطالبات کی عملی تشکیلات کے سہم
 حدیثیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس
 و عادات سے تعلق ہے حضرت عمرؓ اس قسم کی حدیثوں
 کو کم بیان کرتے تھے۔

ان روایتوں کو حضرت عمرؓ خود بھی کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی حکم دیتے تھے کہ ان
 کا زیادہ چرچا نہ کریں یعنی وہی اقل روایت کی توجیہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے بھی لکھا ہے کہ
 انہما از علوم تکلیفیہ نشریہ نیست
 چوں کہ ان حدیثوں کا شمار ان علوم میں نہیں ہے جن
 تحصیل کہ چوں اہتمام تام پر روایت آں
 کا سبب لوگوں کو بتا گیا ہے اور عام نشر و تلاوت
 بکار بر نہ بعض اشیاء از سنن زوائد
 کی حیثیت ان کی نہیں ہے اس لئے اس کا احتیال
 بہ سنن ہدی مشتبہ گردد م
 تھا کہ گزیدہ و توجیہ ان کے بیان اور شاعت کی
 طرف کی جائے گی تو سنن زوائد اور سنن ہدی باہم
 ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خطا ہو جائیں گے۔

دارمی یا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوال کے پیش کرنے سے میری غرض یہی ہے کہ
 "اقلال روایت" کی جو وجہ میں نے بیان کی ہے، یہ میرا کوئی انفرادی خیال نہیں ہے، بلکہ ارباب
 تحقیق نے دوسرے مصالح و وجوہ کے ساتھ مختلف الفاظ میں مجھ سے پہلے بھی اس کو بیان کیا ہے
 کچھ بھی ہو خبر آحاد والی روایتوں کے متعلق خدمات میں سے ایک خدمت جو ہم نئی تھی
 عمومیت کی ایسی کیفیت ان میں نہ پیدا ہونے پاتے جس کی وجہ سے دین کے بنیاتی حصہ کے
 مطالبوں کی جو قوت ہے کہیں اسی قوت کو لوگ اس میں محسوس نہ کرنے لگیں، جیسے مہذبوت

میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نگرانی فرمائی اور گو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوت ہی کیا ملا، لیکن جتنا وقت بھی ملا، جہاں دوسرے فرائض آپ نے ادا کئے وہیں اس کی طرف بھی آپ نے خاص توجہ مبذول رکھی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو اپنے عہد خلافت کے ابتدائی سالوں میں ہم ان کو بھی اس مسئلہ کی طرف متوجہ پاتے ہیں، بعد کو کچھ واقعات پیش آئے جن کا ذکر آئندہ آ رہا ہے، لیکن اس سے پہلے ان ہی حدیثوں کی وجہ سے قدرتا معلومات میں لوگوں کے اختلاف کی جو کیفیت پیدا ہو گئی تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اختلاف کو اختیاری و ارادی مخالفت کے قالب میں ڈھلنے سے جیسے روکا تھا میں چاہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلہ میں جو کارروائیاں کی ہیں پہلے ان کا تذکرہ کریں اس قسم کے مسائل میں بعض چیزوں کے متعلق تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کے دونوں پہلوؤں کے جواز اور تصحیح کی آپ نے کوشش کی ہے مثلاً نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ یا رکوع میں نماز سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ بھی اٹھائے جائیں، یعنی وہی رفع الیدین کا مشہور خلاف یہ اور اسی قسم کے متعدد مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دونوں طرح کی روایتیں کتابوں میں ملتی ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان مختلف روایات کو درج کرنے کے بعد یہی رائے قائم کی ہے کہ حضرت عمرؓ دونوں پہلوؤں کے جواز کے قائل تھے مثلاً رفع الیدین کے اختلافی روایات کے ذکر کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

والاوجه عندی ان عمر رای	میرے نزدیک سب سے زیادہ گنتی ہوئی بات یہ ہے
رفع الیدین عند الركوع والقوة	کہ حضرت عمرؓ رکوع میں جلنے اور سر اٹھانے کے
مند مستحبان لفعول تاسرة	وقت ہاتھ اٹھانے یعنی رفع الیدین کو مستحب
ولیکل اخری ازالۃ الخفا ص ۹۳ ج ۲	خیال کرنے کے لئے اسی لئے لکھی گئی تھیں اور کبھی چھوڑ دینے

یہی بات کہ مسئلہ کے دونوں اختلافی پہلو کو حضرت عمرؓ جائز سمجھتے تھے بسم اللہ کے باوجود بلند پست کے قصے میں درج کرنے کے بعد شاہ صاحب نے بھی اسی واقعہ کو یاد دلایا ہے جس کا تفصیلی ذکر میں پہلے کر چکا ہوں یعنی قرآنی الفاظ میں قرأت اور تلفظ کے اختلافات کے سر پہلو کو جائز اور کافی ٹھہراتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں اختلافات کے بوجہ قیامت کرنے کی جو گنجائش پیدا کی تھی، اسی واقعہ کا ذکر شاہ صاحب سن کر بھی کیا ہے بسم اللہ والے اختلافی روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

الاروجه عندی ان عمر تعلم
من النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فی قصۃ مع ہشام بن حکم
ان القرآن انزل علی سبعة احرار
کلہا کات شاف مد ۱۲۶
مرے خیال میں لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس قصے میں جو ہشام بن حکم کے ساتھ پیش آیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سیکھی تھی کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے سب ٹھیک اور شفا بخش ہے۔

اس کے بعد پھر بسم اللہ کے متعلق حضرت عمرؓ سے نقل کرنے والوں نے مختلف روایتیں جو نقل کی ہیں، سب ہی کی شاہ صاحب نے تصحیح کی ہے اور قرار دیا ہے کہ ان تمام پہلوؤں کو حضرت عمرؓ جائز سمجھتے تھے اسی نے کہی یہ کرتے تھے کہی وہ کرنے تھے بلکہ اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے ایک اور واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے عجیب بات لکھی ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ صرف قراتوں کے اختلافات ہی کی حد تک نہیں بلکہ قرآنی عبارت کے مطالب کے سمجھنے میں بھی دو مختلف نقاط نظر کی تصحیح کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخی نظیر چھوڑی ہے یہ مسئلہ کافی دلچسپ مگر ذرا تفصیل طلب ہے خلاصہ یہ ہے کہ پانی کے نہ ملنے کی صورت میں بچائے وضو کے تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہئے یہ تو خیر اتفاقاً مسئلہ ہے لیکن بجائے وضو کے اگر کسی کو غسل کی حاجت ہو، یعنی ناپاک اور جنب ہونے کے بعد کوئی نہانا چاہے اور پانی وقت پر نہ ملے تو بجائے غسل کے تیمم ہی کر کے نماز پڑھنے کے قابل اپنے آپ کو کیا بنا سکتا ہے؟

مسئلہ میں معنی نیم غسل جنابت کا قائم مقام ہو سکتا ہے یا نہیں اس میں ابتداءً اختلاف ایک سفر کے موقع پر حضرت عمرؓ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان پیش آیا۔ عمرو بن ابی نے قرآن کی آیت جو سورہ مائدہ میں ہے اس کو پیش کر کے استدلال کیا کہ ضرورت کے وقت بجائے غسل کے نیم کی اجازت اس آیت میں دی گئی ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو دعویٰ کے ثبوت کے لئے ناکافی قرار دیا، دونوں میں بحث ہوئی، اور ہر ایک اپنے اپنے خیال پر قائم رہا سفر سے واپس ہونے کے بعد مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا ہر ایک نے اپنا خیال اور خیال کی جو بنیاد تھی بارگاہ نبوت میں اسے عرض کیا روایت کو لوگوں نے جس طریقہ سے بیان کیا ہے جس کی حاشیہ میں تفصیل کی گئی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ ہی کے خیال کی تائید کی، صرف غسل دینے نیم کے متعلق ان کا جو یہ خیال تھا کہ گرد میں لوٹ پوٹ کر پورے جسم پر گرد کا اثر پہنچانا چاہئے صرف اس کی ترمیم کر دی گئی کہ وضو دالے نیم کی شکل غسل کے نیم کے لئے بھی کافی ہے بظاہر چاہئے تو یہی تھا کہ اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ اپنے خیال سے ہٹ کر عمار کے خیال کو مان لیتے۔ لیکن حاشیہ والی روایت میں ابن مسعود نے جو یہ کہا کہ (باقی آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انہوں نے زمین میں لوٹ لگائی گویا بجائے پانی کے خاک وصول سے انہوں نے غسل کیا۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے نصیب جو پیش آیا تھا دہرا دیا گیا، آنحضرت نے عمار سے کہا کہ زمین میں لوٹ لگانے کی ضرورت نہ تھی صرف یہ کافی تھا۔ بنی اشارہ کر کے آپ نے بتایا کہ وضو و لا نیم جیسے کیا جاتا ہے بس یہی غسل کے لئے بھی کافی تھا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے عمار ہی کے خیال کی توثیق ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا خیال اگر صحیح ہوتا تو چاہئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمار سے کہتے کہ تم نے جو نیم کیا وہی غلط تھا ابو موسیٰ نے ابن مسعود کو بھی یاد دہرایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمار کے خیال کی توثیق کی تو اب غسل کا قائم مقام نیم نہیں ہو سکتا اس خیال کی توثیق ہی کیا باقی رہتی ہے ابن مسعود نے ابو موسیٰ کے اس بیان کو سن کر کہا کہ الحمد للہ تر عمار لہ یقین بقول عمار دتم نے نہیں دیکھا کہ عمار کے قول پر حضرت عمرؓ کو اطمینان نہ ہوا،

امام دارقطنی

۱۸۱

(جناب مولانا ابوسلمہ شیفخ احمد پٹناری استاد مدرسہ عالیہ کلکتہ)

(۲)

کتاب العلل للدارقطنی | علم حدیث کے انواع میں سب سے اجل و اشرف اور سخت و مشکل حدیث معلول کا علم ہے یہ وہ دلدلی خاڑا ہے جس میں ہر شخص قدم نہیں رکھ سکتا، ہاں جن کو قدرت کی فیاضی نے بصیرت تامہ، فہم ثاقب، حفظ واسع اور معرفت کاملہ سے نوازا ہے وہی اس پر کلام کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس پر کلام کرنے والوں کی تعداد بہت مختصر ہے جیسے ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام بخاری، یعقوب بن ابی شیبہ، ابو حاتم، ابو زرہ، دارقطنی وغیرہم، طویل مجالست کثرت مطالعہ، غیر معمولی یادداشت اور مسلسل مذاکرات سے قدرتی طور پر ایک ملکہ اور نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے سمجھ جاتے ہیں کہ اس حدیث میں علت سے لے کر معلول ہے لیکن وہ پوچھتے تو کہہ نہیں سکتے جیسے جو مہری کھوٹے سکے کو پرکھ لیتا ہے مگر وہ نہیں بیان کر سکتا بولے این مہدی کے یہ الہامی علم ہے ابو زرہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ حدیث کو معلول کس دلیل سے کہہ دیتے ہیں انہوں نے کہا میں دلیل کیا بتاؤں؟ تم ایک حدیث معلول کے متعلق فحوت سوال کرو اور میں اس کی علت بیان کر دوں پھر ابن دارم کے پاس جاؤ اور ان سے اسی حدیث کی معلولیت کا جواب معلوم کرو اس کے بعد ابو حاتم کے پاس جاؤ اور ان سے بھی دریافت کرو اگر قینوں جواب مختلف نہ ہوں تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ علم نظری نہیں بلکہ فیوض الہامی لا ملو ہے سائل نے ایسا ہی کیا اور سب کا جواب ایک ہی پایا اس کے بعد انہوں نے اعتراف کیا کہ بے شک یہ علم الہامی ہے۔

لے مقدمہ ابن صلاح

مقدمین میں علی بن المدینی دم ۲۳۴ کی علل حدیث پر کتاب ہے جو اب ناپید ہے یہ ایک بہت مبسوط اور مفصل کتاب ہے حافظ ابن حجر اصابع میں لکھتے ہیں وقد بین علی ابن المدینی امرہا بیانا مشافیا فی کتابہ العلل محمد بن عبد اللہ بن عمار الموصلی دم ۲۲۲ کی بھی رجال و علل پر ایک کتاب ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی بڑی کتاب ہے یزید بن محمد لاندی کا بیان ہے کہ موصلی کو علل حدیث لوجود حدیث کا فہم تھا۔

امام مسلم بن الحجاج صاحب الصحیح م ۲۶۱ نے بھی علل پر کتاب لکھی ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی کا خیال ہے کہ نقل ما یوجد لہ غلط فی العلل ہے

امام ترمذی م ۲۷۹ کی علل پر دو کتابیں ہیں ایک جامع ترمذی کے ساتھ آخر میں لگی ہوئی ہے اسے علل صغریٰ کہتے ہیں دوسری کتاب کا نام علل کبریٰ ہے متاخرین میں ابن رجب علل م ۷۵۹ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کے متعلق علامہ کوثری کا بیان ہے کہ غزیز العلم، جلیل الفوائد، حجم النقول الشارحة، لا یستغنی عنہ من یعنی بالعلل و مصطلح الحدیث ہے

عبد اللہ بن محمد البغوی م ۲۹۴ کی بھی علل ہے مگر اس کا حال کچھ مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ ساجی م ۳۰۷ نے علل پر کتاب لکھی ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی کا بیان ہے کتاب جلیل فی علل الحدیث یدل علی شجرہ فی ہذا الفن

خلال بغدادی م ۳۱۱ کی کتاب علل پر ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کفی حدیث مجلدات خلال امام احمد کے علم کے جامع اور مرتب و مولف ہیں اس لئے یقیناً یہ قابل قدر کتاب ہوگی۔ ابن ابی حاتم م ۲۴۰ کی کتاب نہایت اعلیٰ مگر مختصر ہے تقریباً بیس ہزار سال پہلے کے فاضل شیخ محمد نصیف رئیس جدہ کی بہت سے مصر میں شائع ہو چکی ہے مگر غلط طور سے کے علاوہ اس کی فہرست بھی نہیں دی گئی ہے جس سے پورا فائدہ حاصل نہ ہو سکتا ہے

المناہج النیسابوری م ۶۵ نے بھی عل پر کتاب لکھی ہے جو اتنی جزر سے زیادہ پر مشتمل ہے

لیکن عل پر دارقطنی کی کتاب جو نیزہ آفتاب ہے اس کے مقابلہ میں یہ نام کتاب میں ستاروں سے زیادہ وقت نہیں رکھتیں دارقطنی کی عل اس فن کی بہترین تصنیف ہے علامہ تمقینی کا خیال ہے کہ عل میں سب سے اعلیٰ کتاب ابن مدینی ابن ابی حاتم اور خلیل کی ہے مگر ان سب کی جامع عل دارقطنی ہے اس لئے محدثین نے طالب حدیث کے آداب میں شمار کیا ہے کہ عل حدیث میں امام احمد و دارقطنی کی عل پر حاوی ہونا چاہئے تاکہ ضبط و اتقان پیدا ہو علامہ حمیدی الاندلسی م ۸۸ صاحب الجمع بین الصحیحین فرماتے ہیں کہ فن حدیث کے شناور کو تین فنوں میں بالخصوص ہمارے حاصل کرنا ضروری ہے عل و فیات شیوخ رجال و ضبط مختلف و مؤلف عل میں بہترین تالیف دارقطنی نے کی اور رجال و ضبط مختلف و مؤلف میں امیر ابن ماکولا قلیل ۷۰۷ کی کتاب اعلیٰ و اکمل ہے اور فیات مشائخ میں، میں خود حمیدی، ایک کتاب لکھنی چاہتا ہوں جس کے متعلق امیر ابن ماکولا نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ سندوار اور حروف معجم کے اعتبار سے ترتیب دوں۔

لیکن افسوس کہ حمیدی بقول بعض اہل علم جمع بین الصحیحین میں ایسے مشغول ہوئے کہ مری کر اسٹے حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے امیر کے مشورہ کو قبول کر لیا ہے اور اسی ترتیب سے تاریخ الاسلام ترتیب دی ہے اور اب یہ کتاب حیدرآباد میں چھپ چکی ہے۔

بہر حال دارقطنی عل حدیث میں نہایت بلند پایہ رکھتے ہیں ان کے ہم سر کوئی نظر نہیں آتا خود بھی کبھی کبھی حدیث کی علت بیان کرنے کے بعد حدیث ثمت کے جذبہ سے سرور ہو کر فرماتے اگر اس وقت امام احمد بن حنبل ہوتے تو اس حدیث کی علت کے بارے میں استفادہ ابوالفضل بن طاہر کا بیان ہے کہ میں نے سعد بن علی الزجانی سے پوچھا کہ چار حفاظ حدیث

نے تدریب کے مسئلہ میں اختلاف ہے میں نے ایک اختیار کر لیا ہے اختلاف کی گنجائش ہے ابوسلمہ

ماصر میں ان میں سب سے زیادہ اہل کون ہیں؟ سعد نے پوچھا وہ کون چار ہیں؟ میں نے کہا بغداد میں دارقطنی، مصر میں عبد العزیز، اصبہان میں ابن مندہ، نیشاپور میں حاکم اس پر وفائے ہو گئے میں نے اصرار کیا تو کہا اما الدارقطنی فاعلمہما بالعلل۔

دارقطنی اصل میں ساتھوں جمع کرتے ہیں کہ ان کے حافظہ اور وسعت علم پر حیرت ہوتی ہے حافظہ ہی کا بیان ہے واذا اخذت ان تین براءۃ هذا لامع فطال العلل للمعانی مدہش و بطول تجربہ اور یہ ہے کہ اس میدان کے شہسوار علی بن الدین کے بقول جب تک سارے طرق جمع نہ کئے جائیں خطوط علی واضح نہیں ہو سکتی ہے۔

اس وقت جو نسخہ علی دارقطنی کا ہے وہ برقانی کا نسخہ ہے دارقطنی اپنے حفظ سے اس کو راتے تھے اور یہ جمع کرنے جانے تھے خطیب بغدادی نے برقانی سے پوچھا اہل کان ابو الحسن بلی علیہ العلی من حفظ قل نعم وانا الذی جمعتمہا وقرئھا الناس من نسختی علی دارقطنی کا نسخہ ہندوستان میں موجود ہے مگر کچھ ناقص ہے، مانگی پور لاہور میں اس کی تین جلدیں ہیں، ثانی، ثالث، فاس، ثانی کا نسخہ قدیم ہے سنہ کتابت تقریباً ۸۰۰ ہے خط نسخہ ہے ۳۴۰ اوراق ہیں ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں، جزو ثالث کا سنہ کتابت تقریباً ۱۲۰۰ ہے خط نسخہ ہے اس میں ۲۶۰ اوراق ہیں ہر صفحہ میں ۲۲ سطریں ہیں۔ جزو فاس کا سنہ کتابت تقریباً ۱۶۰۰ ہے جو ثالث کا ہے اس میں ۲۶۹ اوراق ہیں ہر صفحہ میں ۲۳ سطریں ہیں۔ انگریزی فہرست مطبوعہ ۱۹۲۵ء مرتبہ مولوی عبدالحمید صاحب مرحوم میں ہے کہ اس کا نسخہ کسی فہرست میں نہیں ہے مگر مجھے اس کے تسلیم کرنے میں تامل ہے، علاوہ ان میں علی کا نسخہ سندھ اور حیدرآباد میں موجود ہے اور ہندوستان سے باہر بھی۔

تأخرین اجازت دیں کہ نمونہ پیش کروں۔

وعلی عن حدیث مروی عن عائشۃ استفتت ام حبیبۃ بنت جحش عن عائشۃ

صلی اللہ علیہ وسلم فی الاستحاضۃ فقال یرویہ اللیث بن سعد و سلیمان

ابو یوسف و غیرہ

بن كثير ومحمد بن اسحق عن الزهري عن عروة عن عائشة وخالفهم ابراهيم
بن سعيد وسفيان بن عيينة ومعمر بن راشد فروة عن الزهري عن عروة
عن عائشة واختلف عن يونس بن يزيد رواه شبيب بن سعد عن يونس
عن الزهري عن عروة عن عائشة وعن الزهري عن غيره عن عائشة عن
ام حبيبة، وقال الليث بن سعد عن الزهري عن عميرة عن ام حبيبة ولم
يذكر عائشة واختلف عن ابن ابي ذئب فرواه ابو داود الاطلسي عن ابن
ابي ذئب عن الزهري عن عائشة وقال ابن زينب بنت جحش استقيضت
ووهب في قوله زينب، وخالفه معن بن عيسى ويحيى بن عمار وخالد بن
الوليد فرواه عن ابن ابي ذئب عن الزهري عن عروة وعن عروة عن عائشة
وقالوا فيه ان ام حبيبة بنت جحش وكذلك رواه النعمان ابن المنذر وابو جهم
خص بن غيلان عن الزهري عن عروة وعروة عن عائشة واختلف عن
فرواه محمد بن كثير ومحمد بن يوسف العرباني عن الادريسي عن الزهري
عن عروة عن عائشة وخالفهم الوليد بن مسلم ويحيى بن عبد الله الباقي
وخالد بن بزير وهن بن زياد واختلف عند الهيثم بن حميد فرواه عن
الادريسي عن الزهري عن عروة وعروة عن عائشة وقيل عن الادريسي
عن الزهري عن عائشة ورواه معاوية بن يحيى الصدفي
عن الزهري عن عروة عن ام حبيبة ولم يذكر عائشة بتابعة الليث عن
يونس ورواه ابراهيم بن نافع وجعفر بن برقان عن الزهري عن سلافة
صلى الله عليه وسلم ورواه محمد بن عمر بن علقمة هذا الحديث عن الزهري
عن عروة عن فاطمة بنت ابي حنيفة واتي فيه بلفظ اعراب به وهو قوله ان
دم الحصى دم اسود يعرق ورواه سهل بن ابي صالح عن الزهري عن عروة
عن اسماء بنت عيسى انها استقيضت وروى هذا الحديث عن ادع عن مالك

عن حروقة عن عائشة وكذلك مرادى عن قتادة عن حروقة عن عائشة ورواه
ابو بكر بن عمر بن ... عن عائشة وقال ابراهيم الحارثى فى هذا الحديث
ان الصحيح منه قول من قال ام حبيب بلا هاء وان اسمها حبيبة بنت جحش وروى
اغت حبيبة بنت جحش وان من قال فيه ام حبيبة بنت جحش ادنايب فقد
وهم، والمحدث صحيح من حديث الزهرى عن حروقة وعمر بن جوعا عن ثالثة
ان ام حبيبة قال الشجر وقول ابراهيم للحديث صحيح وكان من اهل الناس
بمذا الشان

کتاب التبیح کلام اللہ کے بعد صحیح بخاری کے ساتھ مطالعے امت نے جس قدر احتیاجت
وخص اور تشریح و توضیح سے کام لیا اتنی کسی دوسری کتاب کی خدمت نہیں کی گئی اس
کے ہر پر پلو پر باب علم و بصیرت نے روشنی ڈالی ہے بالخصوص نے لغت سے بحث کی ہے
توسوی نے اعراب پر عامہ فرسائی کی ہے کسی نے ترجمہ اور استنباط مسائل کو عنوان بحث بنایا
تو کسی نے اسماء الرجال کو موضوع بحث قرار دیا۔ علامہ علی صاحب کشف الظنون نے تقریباً
۸۶ شرحوں کا نام شمار کرایا ہے۔

غرض کہ بخاری شریف کے ہر ہر حرف و نقطہ پر بحث کی گئی ہے اور اس کا کوئی گوشہ نشند
نہیں چھوڑا گیا ہے ان میں سے بعض علماء ربانین اسے بھی گزرے جنہوں نے بخاری کے
ادام و عل کو موضوع منتخب کر کے اس میں زبردست حقتہ لیا چنانچہ ابو سعید الدمشقی م ۴۰۱
نے صحیحین پر استدراک کیا اسی طرح ابوالحسن البیہاقی اپنی تصنیف تصبیرا لمجمل فی
جزء العلل میں استدراک کیا ہے جو اکثر و بیشتر زائد پر ہے علامہ بیہاقی م ۸۲۲ نے الایضام میں
رفع فی البخاری من الایضام میں مسہرادی سے بحث کی ہے ابو الفضل محمد بن ابی الحسن
الحافظ الامام م ۳۱۷ نے ہر حرف مسلم شریف کی بحث سے کچھ زائد حدیثوں پر متبع کیا ہے اور اس
کے علل کو بیان کیا ہے، اس کا ایک جز حافظہ ذہنی سے ملاحظہ کیا جائے اسی موضوع پر حافظ بغداد
دارقطنی نے بھی دور سائے لکھے ہیں ایک کتاب الزامات و دوسرا کتاب البیہاقی کتاب الزامات

ان صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے جو بخاری و مسلم کے شرطوں پر ہیں لیکن صحیحین میں نہیں ہیں
 تتبع میں نقد ہے کل ایک سو دس حدیثیں صحیحین کی ہیں جن پر دارقطنی نے کلام کیا ہے ۳۲
 حدیثیں مستوفی علیہ ہیں اور ۷۷ حدیثیں ایسی ہیں جن میں بخاری منفرد ہیں، دارقطنی کے نقد کی
 نوعیت کیا ہے اور علامہ نے اسے کس نظر سے دیکھا؟ سنئے

ثم ان الدارقطني تتبع علي البخاري
 في ازيد من مائة موضع ولم
 يستطع ان يتكلم الا في الامثال
 بالوجيل والامر سال غير موضع
 ولحد وهو اذ اجاء احدكم
 والامام بخطب فليصل كعين
 وليتجوز فيها فانه تكلم فيه
 فيما يتعلق بمجال المتن ووجهه
 ان الدارقطني ميثي على القوا
 المهداة عندهم فبنا من
 القواعد وشارات البخاري ارفع
 من ذلك فانه ميثي على اجتهاده
 وينظر الى خصوص المقام وشهنا
 الوجه ان اذ انما القوا مد بغير
 الممارس على اصل التمديد للتراث
 فيما لم يرد به التمديد من الشارح

دارقطنی نے گریہ امام بخاری کا سو جگہ سے زیادہ
 موقع پر تعاقب کیا ہے مگر ان سب کا تعلق اسناد
 کے وصل وارسال سے ہے الا یہ کہ ایک حدیث
 کے متن پر بھی کلام کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے
 اذا جاء احدكم والامام بخطب فليصل
 ركعتين وليتجوز فيها۔ اس کی وجہ یہ ہے
 کہ دارقطنی ہمیشہ محدثین کے قواعد کو پیش نظر
 رکھتے ہیں اور اس کے مطابق کلام کرتے
 ہیں اور بخاری کی شان اس سے بہت زیادہ
 بلند و ارفع ہے وہ اپنی بصیرت و اجہاد کو دلیل
 راہ بناتے ہیں اور قواعد و قواعد کی خاطر غیر محدود کو
 محدود کرنے گئے ہیں و بخاری و مسلم کا مرتبہ
 ان سب سے اونچا ہے اگرچہ ان دونوں میں تواتر
 باختلاف ہے

وہما اعلیٰ من الکل بعد

اختلاف بسیر بنہما

امام بخاری پر وار قطنی وغیرہ نے بے شک اعتراضات کئے ہیں لیکن وہ اعتراضات صرف فطن و کمال کی تلاش کے لئے محض اصطلاحی اور نقلی (کنیکل) ہیں واقعی نہیں ہیں اس لئے وہ اعتراضات طائے کے نزدیک ناقابل قبول ٹھہرے اور ابن حجر نے مقدمہ میں ان میں سے ایک ایک اعتراض کو

رد کر دیا ہے (مضامین سید سلیمان ندوی حصہ اول)

پھر بھی اس نقد کا اثر بخاری پر ہوا کیونکہ وہ حدیثیں مقطوع الصحتہ نہ ہیں، صحیحین کی مسند حدیثوں سے علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں طائر کا اختلاف ہے لیکن اکثر علما کا یہ مسلک ہے کہ یہ مقطوع بالصحتہ ہیں اس لئے اس سے علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے اور یہی قول راجح ہے مگر اس میں سے من چند احادیث کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جن پر بعض اہل نقد جیسے وار قطنی وغیرہ نے کلام کیا ہے کیونکہ جب جمہور نے تلقی بالقبول نہ کی تو مقطوع بالصحتہ ہو گیا۔

ابن صلاح گفتم علم یقینی نظری واقع	ابن الصلاح نے کہا ہے کہ بخاری و مسلم میں جنہی
است یا نیچہ مسند کردہ انداز را این	مسند حدیثیں ہیں اس سے علم یقینی نظری حاصل
ہر دو ہندگ بخاری و مسلم، زیرا کہ	ہوتا ہے اس لئے کہ معصوم راجع اکت سے نقلی
ظن معصوم خطائی کرد و سبقتہ الی	ہو نہیں سکتی اور ان سے پہلے ہی محمد بن طاہر مقدسی
ذلت محمد بن طاہر المقدسی و ابو نصر	اور ابو نصر عبد الرحیم اسی کے قائل تھے اور یہی ابن کثیر
عبد الرحیم بن عبد الخالق بن یوسف	کا مختار ہے اور علامہ ابن نجیم نے اہل حدیث و
واختارہ ابن شیر و حکامہ ابن تیمیہ عن	سلف اور بہت سے شوافع حنابلہ اور اخلاف کا
اہل الحدیث و السلف و الجماعۃ	یہی مسلک نقل کیا ہے لیکن ندوی نے کہا ہے کہ ابن
اکثرۃ من الشافعیہ و الحنابلہ و الشافعیہ	کے اس اصول سے یقین اور اکثر علما نے اختلاف
والحنفیہ وغیرہم۔ ندوی گفتم محققین	کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ غیر متواتر حدیثوں سے ظن ہی

حاصل ہوتا ہے اور اس قول کی نسبت محققین میں سے زین الدین کی طرف کی ہے۔

لیکن نووی کا کہنا ہے کہ ابن صلاح نے من چند احادیث کو مستثنیٰ کر دیا ہے جس پر بعض اہل نقد جیسے دارقطنی نے کلام کیا ہے۔

تمام حدیثوں کے مجمع ہونے کی بنا پر ابن صلاح نے بخاری و مسلم کے تلقی بالقبول پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے لیکن بعض حدیثیں ایسی ہیں جن کی صحت میں اختلاف ہے اس لئے ابن صلاح نے ان چند احادیث کو جس پر دارقطنی اور ان جیسے کسی مقلد حافظ نے کلام کیا ہے مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ اس کے تلقی بالقبول پر اجماع نہ ہو سکا انتہی اور یہ استثناء بہت خوب ہے۔

و اکثر علماء خلافت کردہ انداز ابن الصلاح را و گفته اند کہ لغاوی می کنند ظن را چیرے کہ متواتر نشدہ است و حکایت کرد این را زین الدین از محققین و گفت نووی و استثنای کردہ است ابن الصلاح حسن نے چندہ اگر تکلم کردند بر آن بعض اہل نقد ہجو دار قطنی ہے۔

و ہی ما اذھا ابو عمر و بن الصلاح و غیرہ من الاجماع علی تلقی هذا الكتاب بالقبول والتسلیم لصحة جميع ما فيه وان هذا الموضع متنازع فی صحته فلم يحصل لها من التلقی ما حصل لمعظم الكتاب وقد تعرض لذلك ابن الصلاح فی قوله الا مواضع يسيرة انتقلها الدار قطنی وغیره وقال فی مقدمه شرح مسلم له ما اخذ علیهما یعنی علی البخاری و مسلم و قد ج فیہ عند فی الحفاظ هو مستثنی صماذ لمرناة لعدم الاجماع علی

مستثنی الختام شرح بلوغ المرام

تلقیہ بالقبول انتقی وهو احتراز
حسن

ومن فوائد هذا القول بان ملفوظ
به البخاری ومسلم مندرج
فی قبیل ما یقطع لصحته لتلقى
الامة كل واحد من کتابیہما
بالتقبل علی الوجه الذی فصلہ
من ہالہما فیما سبق سوی احراف
یسیرۃ تکلم علیہا بعض اهل النقد
من الحفاظ کالدارقطنی وغیرہ
وہی معروفۃ عند اهل هذا
الشان واللہ اعلم

چونکہ امت نے دونوں کتابوں بخاری و مسلم
کو قبول کیا ہے اس لئے وہ احادیث جو صرف
بخاری یا صرف مسلم میں ہیں وہ بھی قطعی طور
پر صحیح ہوں گی سوائے ان چند احادیث کے جس
پر دارقطنی اور ان جیسے دوسرے حفاظ نے
کلام کیا ہے۔

یہاں صحیح بخاری پر دارقطنی کے اعتراضات اور علامہ ابن حجر کا رد مقدمہ فتح الباری
میں ملاحظہ کیا جائے یہاں بخوف طوالت اس کا خلاصہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔
کتاب الالتزام والبتع للدارقطنی نایاب نقی بعض اہل علم کو تو اسی میں تردید ہے کہ
اس کتاب کا دنیا میں وجود ہے بھی یا نہیں؟ مکتبہ علم و حکمت بہار شریف میں اس کا ایک
جدید النسخہ نسخہ ہے اور اس پر کام ہو رہا ہے۔

کتاب الصنفاء علم حدیث کے شعبوں میں ایک نہایت اہم شعبہ ثقات و ضعف کی معرفت ہے
کیونکہ صحیح و ضعیف حدیث کا امتیاز اسی علم پر منحصر ہے یوں توجہ و تعدیل پر کلام کرنے والوں
کی تعداد شمار سے باہر ہے ابن عدی م ۳۶۵ نے صحابہ سے لے کر اپنے زمانہ تک ایک طاقت

کا نام اپنی کتاب الکامل میں شمار کرایا ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فنی حیثیت سے
 اس پر سب سے پہلے کلام کرنے والے شعبۂ بن الحجاج القسکی ہیں پھر اس کے بعد جرح و تعدیل
 پر کتابیں تصنیف ہوئے لکھیں اور ادویہ کے احوال مرتب ہونے لگے دوسری صدی
 ہجری میں جمع و تعدیل کے امام یحییٰ بن سعید القطان م ۱۹۸ اور عبد الرحمن بن ہدی م ۱۶۱
 تھے ان دونوں کی جلالتِ شان کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جس راوی کے مجموع
 وثقہ ہونے پر دونوں متفق ہوں اس کا مجموع وثقہ ہونا مسلم اور قطعی سمجھا جاتا اور اگر بالفرض
 کسی راوی کے متعلق ان دونوں کی رائے میں اختلاف ہو جاتا تو کچھ دوسرے ذرائع سے
 کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے اس کے بعد یحییٰ بن معین م ۲۳۳ اور احمد بن حنبل م ۲۴۱
 اور علی بن المدینی م ۲۳۴ اور ان کے تلامذہ یحییٰ بن یحییٰ بن معین نے تو اتنا اعتناء کیا کہ ان کے
 غلات دیگر لوگوں کی زبانیں کھلی گئیں اور ان کو مظلوم کرنے لگے یہاں تک کہ بکر بن حماد شاعر
 مغربی نے یحییٰ بن معین اور علم حدیث پر قریض کی کہتا ہے

اسری الخیر فی الدنیا یقل کثیرہ
 و یقیص نقصا و الحدیث بزیل
 دنیا میں ہر قسم کے خیر میں کمی ہو رہی ہے لیکن حدیث
 میں زیادتی ہو رہی ہے۔
 اگر حدیث امور خیر میں سے ہے تو پھر ساری حدیثیں
 کو خیر ہونا چاہئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حدیث کا
 شیطان سرکش ہے۔

وان یثحقا فہی فی الحکم غیبہ
 وان یثقیل نزولہ فالتقصا صمید
 اگر جرح و تعدیل، حق ہے تو پھر غیب کے حکم
 میں ہے اور اگر مجھوٹ ہے تو آیت قصاص کا ہے
 حمیدی صاحب الجمع بین الصحیحین نے ایک طویل قصیدہ میں اس گستاخ شاعر کا
 جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں

لے مفتاح السنۃ

انی الحی ابطال قولک قاصد میں تمہاری باتوں کا رد کرنا چاہتا ہوں اور میرے

ولی من شہود البصوح جنود پاس نکالی دلائی ہیں۔

اذا لم یکن خیرا کلام نبینا اگر تم ہمارے نزدیک نبی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو

لذاتک فان الخیر منک بعید خیر نہیں سمجھتے تو پھر خیر تم سے بہت دور ہے

آگے چل کر ابن معین کے حق میں کہتے ہیں۔

وما هو الا واحد من جملة ادا ابن معین تو اس جماعت کے ایسے فرد

فلهم فیما حکاہ شہود میں کہ ان کا قول قوم کے لئے اسود دلی ہے

یحییٰ بن معین کے علاوہ میں عباس بن محمد ۲۷۱ اور ابواسحاق ابراہیم الجندی تختلی م ۳۸

فی رجال پر کتابیں ہیں اول الذکر کے متعلق تو حافظ ذہبی کا خیال ہے۔ مجلد کبیر نافع متبعی عن

بعض بہذا الشان پھر اس فن پر مستقل تصانیف ہوئے لکھیں اور ارباب تصنیف کے موضوعات

کے خصوص و عموم کے لحاظ سے مختلف طریقے رہے کسی نے صرف ثقات یا ضغفار یا بدلسین

پر کتابیں لکھیں اور کسی نے ان تینوں صنفوں کو اپنی کتاب کا موضوع قرار دیا پھر بعض نے صرف

کسی خاص کتاب کے رجال پر اور کسی نے عام رجال پر فائدہ فرمائی کی اس سلسلہ میں چند

کتابوں کے نام درج کرتا ہوں۔

وہ کتابیں جو جامع بین الثقات والضعفار ہیں۔

طبقات ابن سعد المبرزی م ۲۲۰ اس میں صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے اسما ہیں

تمام تصانیف میں سب سے زیادہ اہم و اعظم ہے علاوہ سیوطی نے اس کا اختصار بھی کیا ہے

تاریخ بخاری م ۲۵۱ یہ تین تاریخیں ہیں کبیر۔ صغیر۔ اوسط۔ کبیر کی ترتیب حروف بحکم ہے اور ابتدا

حرف ح سے پہلے ہمد کو لیا ہے اوسط سنین پر ہے تاریخ بخاری صحیح بخاری سے جسے کہا

جاتا ہے کہ وہ اوسط ہے مگر مجھے اس کے تسلیم میں تردد ہے مسلم بن قاسم کی تاریخ کبیر بخیل

ہے علی بن المدینی م ۲۳۴ کی تاریخ مسلم کی مداد الاہتبار اور نسائی کی التمیز اسی قبل سے بہت

وہ کتابیں جن میں ضعفاء کا ذکر آتا ہے۔

کتاب الضعفاء للبخاری الضعفاء والمرکبین للنسائی ابو الفرج عبد الرحمن بن علی الجوزی
م ۵۹۷ کی کتاب الضعفاء جو ضخیم ہے حافظ ذہبی نے اس پر ذیل لکھا ہے اور مختصر بھی کیا ہے حافظ
مغلطائی م ۷۲ نے بھی جوزی کی کتاب الضعفاء پر ذیل لکھا ہے۔ عقیلی م ۳۲۲ کی کتاب الضعفاء
الکبیر ہے جس کا شمار اصول افادات کتب میں ہے اس کتاب کو راقم الحروف نے دیکھا ہے
اس فن کی دوسری اہم کتاب الکامل لابن عدی م ۳۶۵ ہے علامہ کا خیال ہے کہ وہ اکمل الکتب
فی ذلک واجملها وعلیه اعتماد الائمة لیکن اس کتاب میں ہر اس شخص کو داخل کر لیا ہے
جس پر کلام کیا گیا ہے اگرچہ فی نفسہ ثقہ ہو اور ذہبی نے اسی کی اتباع میں ان الاعتدال میں کی ہے
مگر حافظ ذہبی نے صحابہ اور ائمہ مشرورین کو نہیں لیا ہے ابن عدی کی الکامل پر ابن الرومیہ م ۶۳۷
نے ذیل لکھا ہے اور میزان الاعتدال پر علامہ عراقی نے منیم ذیل لکھا ہے دارقطنی سے ان کے
شاگرد حمزہ السہمی نے جب یہ کہا کہ ضعفاء پر تصنیف کیجئے تو دارقطنی نے کہا فیه کفایۃ لایزاد علیہ
بیرہ معلوم کیا اسباب پیش آئے کہ دارقطنی نے کتاب الضعفاء لکھی چونکہ ابن عدی کی کامل اور
عقیلی کی کتاب الضعفاء الکبیر نظر سے گزرنے کی تھی اس لئے ضرور اضافہ کیا ہوگا اور اپنے موضوع
پر جامع ہوگی حافظ ذہبی کہتے ہیں قال الدارقطنی فی الضعفاء ہو (ای الباعث م ۳۱۲)
مدلس مغلط لسمع من بعض اصحابہ عن شیخہ ثم یقطر کریم دھوکشیر الخطاء اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ مفصل و مبین ہے اس وقت جتنی رجال پر کتابیں موجود ہیں تقریباً ہر ہر
راوی پر جرحاً و تعدیلاً ان شاء اللہ تعالیٰ دارقطنی کا کلام ضرور ملے گا۔

امام ابو حنیفہ دارقطنی لیکن ان کی شخصیت مسلم ہونے کے باوجود بہتر مقامات میں ان کا قدم جادہ
حق سے ڈگ لگا گیا ہے اور ایسی ایسی مسلم برگزیدہ ہستیوں کو اپنے ہدف جرح کا نشانہ بنایا ہے
کہ حیرت ہوتی ہے ادیبی دل چاہتا ہے کہ کاش آنکھیں ایسا نہ دیکھتیں عدیہ ہے کہ امام ابو حنیفہ

م ۱۵۰ جیسی نقد اور مقدس مستی تک پر جرح کر ڈالی ہے اور ان کو ضعیف کہہ دیا ہے العجب العجب
 نلوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں ترپے ہے مرغ قبلہ نا آشیانہ میں
 کتاب مصنفار کا تو مال الگ رہا سخن میں اتنا زور لگایا ہے کہ معلوم ہوتا ہے پنج بھاڑ کے پیچھے
 پڑے ہوئے ہیں ایک جگہ فرماتے ہیں

(امام ابو حنیفہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے اور وہ
 عبد اللہ بن شداد سے وہ حضرت جابرؓ سے
 روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا کہ مقتدی کے لئے امام کی قزاق
 کافی ہے۔

حدثنا علی بن عبد اللہ بن مبشر
 حدثنا محمد بن حرب الواسطی ثنا
 الاسحق الاثرقی عن ابی حنیفہ
 عن موسیٰ ابن ابی عائشہ
 عن عبد اللہ بن شداد عن
 جابر قال قال رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم من
 کان له امام فقرأه الامام
 لقراءۃ لم یسندہ عن موسیٰ
 بن ابی عائشہ غیر ابی حنیفہ
 والحسن بن عمارؓ دھما
 ضعیفان
 بری جگہ لکھتے ہیں۔

..... ابو حنیفہ خالد بن علقم سے وہ عبد بنیر سے
 وہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں
 نے دستور اس طرح کیا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو
 تین بار دھویا۔ پھر کئی تین بار کی اور ناک میں پانی

حدثنا الحسن بن سعید بن
 الحسن بن یوسف المروری
 قال وجدت فی کتاب جدی نا
 یوسف اٹھا صافی نا ابو حنیفہ

عن خالد بن علقمة عن عبد
خیر بن علی رضی اللہ عنہ انہ
توضا نفسل ید یہ تلتا ومضمض
واستنشق تلتا وغسل وجهہ
تلتا وذر اعیہ تلتا ومسح براسہ
تلتا وغسل رجلیہ تلتا ثم قال
من احب ان ينظر الى وضوء
رسول الله صلى الله عليه وسلم
كاملا فلينظر الى هذا، وقال
شعيب هكذا رایت رسول الله
صلى الله عليه وسلم متوضاً
هكذا رواه ابو حنيفة عن خالد
بن علقمة قال فيه ومسح براسه
تلتا وخالفه جماعة من الحفاظ
والثقات منهم زائدة ابن قدامة
وسفيان الثوري وشعبة وابو
عوانة وشريك وابو الاسود
جعفر بن الحارث وهارون
بن سعد وجعفر بن محمد و
حجاج بن اسامة وابان بن تغلب
وعلى بن صالح بن حي وحازم

بن بارثالا اس کے بعد اپنے چہرے اور دونوں
ہاتھوں کو تین تین بار دھویا پھر اپنے سر کا مسح
تین بار کیا۔ اور اپنے پاؤں کو تین بار دھویا۔ پھر
فرمایا کہ جو پانی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے وضو رکال کو دیکھے تو وہ ہمارے اس وضو
کو دیکھے اور شعیب نے کہا کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا
اسی طرح امام ابو حنیفہ نے خالد بن علقمة
سے اس کو روایت کیا ہے جس میں کہل ہے کہ
ومسح براسہ تلتا (یعنی اپنے سر کا مسح تین بار
کیا، لیکن حفاظ وثقات کی ایک جماعت نے (لام)
ابو حنیفہ کی اس روایت کی مخالفت کی ہے انہی
حفاظ میں سے زائد بن قدامة، ثوری، شعبہ، ابو حازم
شریک، جعفر بن الحارث، ہارون بن سعید جعفر
ابن محمد، حجاج بن اسامة، ابان بن تغلب، علی بن
صالح، حازم بن ابراہیم، حسن بن صالح اور جعفر
بن ان میں سے ہر ایک نے خالد بن علقمة سے
روایت کرتے ہوئے ومسح براسہ مرة یعنی
اپنے سر کا مسح ایک بار کیا، کہا ہے الا یہ کہ حجاج
بن اسامة نے عہد خیر راوی کی جگہ عمر کا نام لیا ہے
مگر اس میں ان کو وہم ہوا۔ حالانکہ جعفر ابو حنیفہ کے

بن ابراہیم وحسن بن صالح
وجعفر الاحمر عن حماد بن خالد
بن علقمة قالوا فیه وسمی علیہ
مرۃ الا ان جلالا من بنہم
جعل مکان عبد خیر عبد اذ
امر وھم فیہ ولا تعلم احد
منہم قال فی حدیثہ انہ سمی
راسہ ثلثا غیر انی حنیفہ وفع
خلاف الی حنیفہ فیما روی
لسائر من روی ہذا الحدیث
فقد خالف فی حکم التسمی فیما
روی عن علی عن النبی صلی
اللہ علیہ وسلم قال ان السنۃ
فی الموضوع سمر الراس مرۃ واحد

کوئی ایک بھی ایسا راوی نہیں ہے جنہوں نے اپنی
حدیث میں مسیحہ راسہ ثلثا کہا ہو مگر عجیب بات
ہے کہ اگرچہ ابو حنیفہ نے تمام راویوں کے خلاف
روایت کی ہے لیکن اس کے باوجود خود اپنی روایت
کردہ حدیث کے خلاف مسیحہ علی الراس بالمرۃ
ہی کی نسبت کے قائل ہیں۔

خیر دارقطنی نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر جو کچھ جرح کی ہے اس کا جواب تو شرح ہدایہ
للصنی بحث قراءۃ خلف الامام وغیرہ میں ملاحظہ کیجئے مگر یہاں ایک اصولی چیز پیش کی جاتی
ہے کہ وہ طویل ہے مگر تمام وکمال نقل کرنے پر میں مجبور ہوں عن وللتاس فیما یعشقون مذاب
(باقی آئندہ)

مغرب پر مسلمانوں کے احسان

دہرہ فیسر فلپ کے، حتیٰ کی کتاب، دی عربس، کے ایک باب کا ترجمہ،

دہرہ فیسر مہاراجہ دین صاحب رفعت، لکچرر عثمانیہ کالج اورنگ آباد

مسلم اسپین کے ایک کالج کے باب الداخلہ پر جو کتبہ نصب ہے، اس میں یہ مقبول مقولہ درج ہے ”دنیا کا مدار چار چیزوں پر ہے۔ عالموں کا علم، اکابر کا عدل، عابدوں کا تقویٰ اور جو ائمہ دین کی شجاعت،

یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ اس یورپی تحریر میں اسلامی تصورات پیش کئے گئے ہیں ان میں علم و دانش ہی کو پہلا مقام دیا گیا ہے اس میں کھینک نہیں کہ عربی فوجوں نے مغربی دنیا پر اپنی مردانگی کا نہایت گہرا نقش بٹھایا تھا لیکن یہ نقش دیرپا ثابت نہیں ہوا اگرچہ عربوں کا دین یورپی تخیل کو پوری طرح مستحضر نہ کر سکا، اور عربوں کا تصور عدل یہاں کم ہی کامیاب رہا، لیکن اسلامی علم و ادب نے مغربی تفکر میں مختلف نقاط سے راہ پائی۔ قرون وسطیٰ کے یورپ کے ذہنی ارتقا کی تاریخ میں مسلم اسپین نے ایک نہایت ہی درخشاں باب کا اضافہ کیا ہے اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط اور تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز کے درمیانی زمانے میں عربی بولنے والے ہی ساری دنیا میں تہذیب و تمدن کے مشعل بردار بنے ہوئے تھے۔ عربی زبان ہی وہ واسطہ تھی جس کے ذریعہ قدیم سائنس اور فلسفہ کی بات ہوئی ان میں اصل نے ہوئے، ان کی اشاعت ہوئی اور ان سے مغربی یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا۔ مسلم اسپین کا سب سے زبردست اور حید عالم اور بدیع منکر علی ابن حزم گنڈا ہے یہ شخص ۱۱۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۰ء میں فوت ہوا۔ علی ابن حزم کا شمار ایسے دو تین اسلامی مصنفین

میں جو تیسے جن کا ذہن نہایت شاداب اور جن کی تصانیف بے شمار ہیں۔ سوانح نگاروں نے تاریخ، فقہ، حدیث، منطق، شاعری اور مطلقہ موضوعات کی کوئی چار سو کتابیں اس سے منسوب کی ہیں اس کی بانی ماندہ تصانیف میں سب سے گراں قدر تصنیف وہ ہے جس نے ابن خزم کو تقاضی دین کے پہلے عالم ہونے کا اعزاز بخشا ہے اس کتاب میں ابن خزم نے توریث اور انجیل کی داستانوں کے الجھاد سے دکھائے ہیں اور یہ الجھاد ایسے تھے کہ سولہویں صدی میں معنوی تنقید کے پیدا ہونے تک کسی اور کا ذہن ان کی طرف منتقل نہ ہو سکا تھا۔

سترھویں صدی کے دوران میں مغربی یورپ کی نشر میں جو فرضی قصے کہانیاں اور افسانے نمیشلس رائج رہیں ان میں اور ابتدائی عربی قصوں میں بڑی واضح مشابہتیں پائی جاتی ہیں اور یہ عربی قصے خود بھی ہندو ایرانی قصوں سے لئے گئے تھے۔ کلید و دامنہ کے پُر لطف قصوں کا ترجمہ فشتالیہ اور لیون کے بادشاہ الفانسو و اتار (۱۲۵۲ء) کے لئے اسپینی زبان میں کیا گیا تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ایک نو نصرانی یہودی نے ان قصوں کو لاطینی زبان میں منتقل کیا تھا ان قصوں کا فارسی سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ اس ترجمہ سے لاطینین نے استفادہ کیا ہے جس کا خود اس شاعر نے اعتراف کیا ہے ”مقامہ“ مسیح و مقفی نشر میں لکھا جاتا ہے اس میں ہر قسم کی لسانی نذر نوں سے کام لیا جاتا ہے اس سے مقصود ایک سورما سواد کی مہوں کی داستان کے قدیم اخلاقی سبق دینا ہوتا ہے۔ اسپینی زبان کے ایسے ناول جن میں ڈگودوں اور بد معاشوں کے کردار پیش کئے گئے ہیں ان میں اور مقامہ میں قریبی مشابہت پائی جاتی ہے۔ یورپی ادب پر عربی زبان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اپنی طرز و انشا کا جو اثر ڈالا ہے اسی کی بدولت مغربی تخیل کو سخت ترین ذہنی بندشوں سے رہائی نصیب ہوئی جن میں وہ روایات کے ہاتھوں گرفتار تھا اسپینی ادب کے اعلیٰ مزاج میں عربی نوجوں کی جھلک صاف نظر آتی ہے چنانچہ سراسنس کی کتاب ڈان کوئیک زاٹ کی طرافت اور دنیا میں بھی ہی رنگ دکھائی دیتا ہے اس کتاب کا مصنف ایک ہارالجیریا میں گرفتار ہو گیا تھا اور

اس نے ازراہ مزاح یہ مشہور کر دیا تھا کہ اس کتاب کی اصل عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔
 عربی زبان جہاں کہیں اور جب کبھی استعمال کی گئی وہاں شعرو کوئی کا مذاق بڑے زور و شور
 کے ساتھ فروغ پاتا رہا ہے گنتی ہزار ایک سے دوسرے تک زبان منتقل ہوتے اور اعلیٰ و اعلیٰ
 ہر ایک سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے الفاظ کے حسن و ترنم سے مظلوظ ہوتا عربی بولنے والی
 قوموں کی خاص خصوصیت ہے اور اس خصوصیت نے اسپین میں بھی اپنے جلوے دکھائے
 ہیں۔ اندلس کا پہلا اموی حکمران اور اس کے بہت سے جانشین شاعر تھے اکثر حکمرانوں نے اپنے
 اپنے درباروں میں ملک الشعراء مقرر کر رکھے تھے۔ انھیں وہ سیر و سیاحت اور نظم و نثر میں پیشہ
 اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اشبیلیہ کو اس پر فخر تھا کہ یہاں کے اعلیٰ درجے کے شاعروں کی گنتی دوسرے
 تمام شہروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ تھی ایک عرصہ سے قرطبہ میں بھی مذاق شعری شمع شہنشاہ
 ہوجا چکی تھی بعد میں یہی شمع غرناطہ میں اس وقت تک ضیا پاشی کرتی رہی جب تک کہ یہ شہر اسلام
 کی پناہ گاہ بنا رہا۔

ابن زیدون (متوفی ۱۱۷۷ء) ایک اور بڑا اور مشہور شاعر ہوا ہے۔ اس کا تعلق ایک
 عرب گھرانے سے تھا ابتداء میں یہ قرطبہ کی چند سوری (Oligarchia) حکومت کے صدر کا
 مستحق تھا اس کے بعد غالباً خلیفہ مستنکفی کی شاعرہ بیٹی الولادہ سے بے محابا عاشقی کی پاداش
 میں اپنے عہدے سے معزول کیا گیا۔ پھر کئی سال تک قید اور جلا وطنی کے بعد وزیر اعظم ہمدانی
 کے دہرے عہدے پر فائز ہوا، اور مفاہیہ و وزارتین، یعنی وزیر سیف اور وزیر قلم کے خطاب سے
 بھی سرفراز ہوا۔ حسین و جمال اور فاضل الولادہ نے مختلف میں وفات پائی۔ اس کے ذاتی
 حسن و جمال اور ادبی قابلیت کی بڑی شہرت تھی، اس طرح وہ گویا اسپین کی سنجو تھی۔ ایسا
 معلوم ہوتا ہے کہ اسپین کی عرب عورتوں میں ادب اور شاعری کا خاص ذوق اور خاص فطری
 صلاحیتیں پایا جاتا تھا۔

اسپین کی عربی شاعری نے اندلسی جڑ بندوں سے ایک جھٹک آباد ہو کر تھی بحر ہند

نئی طرز میں ایجاد کیں اور حسنِ فطرت کا تقریباً ویسا ہی ادراک حاصل کیا جو جدید شاعری میں پایا جاتا ہے۔ یہ شاعری اپنی چھوٹی چھوٹی رزمیہ نظموں اور عشقیہ غزلوں کے ذریعہ ان روحانی احساسات کا اظہار کرنے لگی جن میں قرونِ وسطیٰ کے سپاہیانہ نظام کے جلوے پنہاں تھے۔ غمزدہ و سستی نے ہر جگہ شاعری کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑا اور اسے استوار رکھا ہے۔

عام طور پر عربی شاعری اور خاص کر اس کی وہ صنف جو غزل کہلاتی ہے ویسی نصرانیوں کو بہت بھاگتی تھی جن عوامل نے نصرانیوں کو عربی ادب کو اپنا سنے پر ابھارا ان میں سب سے زیادہ طاقتور عامل یہی غزل کی شاعری تھی عربی تغزلی شاعری کی دو طرزوں کو قسماً کی مقبول عام طرز *amarna* کی صورت میں فروغ حاصل ہوا یہ طرز نصرانی گیتوں اور میلاد مسیح کی نظموں میں بہت زیادہ استعمال کی جاتی تھی۔

آٹھویں صدی ہی میں اسپینی زبان میں افلاطونی محبت کی جو باقاعدہ تحریک شروع ہوئی تھی اس پر عربی شاعری کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ گیارہویں صدی کے آخر میں جنوبی فرانس کے اولین پراولنس (Provençal) شعرا عشق و محبت کی شعلہ سامانیوں کو عجیب و غریب پربہار تخیل کے سانچوں میں ڈھالتے بڑے زور شور کے ساتھ نمودار ہونے میں۔ قرونِ وسطیٰ کے غزل گو شاعر جنہیں بارہویں صدی میں فروغ حاصل ہوا تھا اپنے ”جنوبی غزل سرا“ (Zajal singing) معاصروں ہی کے پیرو تھے۔ عربی مثالوں کو ہی اپنے سامنے رکھ کر جنوبی یورپ میں ’مسک طرافت‘ (cult of dance) ایک بیک نمودار ہوا۔ ابتدائی یورپی ادب کی سب سے بڑی یادگار ’جان سن ڈی رولینڈ‘ (Chanson de Roland) ہے جو سنہ ۱۱۰۰ء میں لکھی گئی۔ جس طرح ہومر کی نظموں سے تاریخی یونان کے آغاز کا پتہ چلتا ہے، بالکل اسی طرح جان سن ڈی رولینڈ سے بھی ایک نئے تمدن یعنی مغربی یورپ کے تمدن کے آغاز کے آثار و علامات کا سراغ ملتا ہے۔ یہ کتاب اپنی تخلیق کے لحاظ سے ایک ایسے فوجی رابطہ کی رہن منت ہے جو اہل یورپ نے اس زمانہ میں اسلامی

اسپین سے قائم کیا تھا۔

جیسا کہ ہم دیکھ آتے ہیں، اسپین میں ابتدائی کیمیت عام تھی اور تمام اسلامی ملکوں کی طرح اس کی بنیاد قرآن پڑھنے اور عربی صرف و نحو اور شاعری کے مطالعہ پر رکھی گئی تھی۔ علی دنیا میں عورتوں کے مراتب ثابت کرتے ہیں کہ اندلس میں ان مقولوں پر کم ہی عمل کیا جاتا تھا جن میں عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی ممانعت آتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کی اساس دینیات، صرف و نحو، شاعری، لغت، تاریخ اور جغرافیہ تھی۔ کئی بڑے بڑے شہروں میں ایسی درسگاہیں تھیں جنہیں جامعات کہا جاسکتا ہے ان میں قرطبہ، اشبیلیہ، مالقہ اور غرناطہ کی جامعات بہت ہی بلند پایہ تھیں جامعہ قرطبہ میں فقہ اور قانون کے سوا ہنریت، ریاضیات اور طب کے شعبے بھی قائم کئے گئے تھے۔ اس جامعہ میں ہزاروں طالب علم شریک ہوتے تھے اور یہاں کی سندیں ملک کے سب سے زیادہ بیش قیمت قرار عہدوں کی ضمانت سمجھی جاتی تھیں۔ جامعہ قرطبہ کا نصاب تعلیم فقہ، اصول قانون، طب، کیمیا، فلسفہ اور ہنریت کے مضامین پر مبنی تھا۔ قشتالیہ اور دوسرے ملکوں کے طالب علم اس ادارہ کے بڑے دلدادہ تھے۔

جامعات کے ساتھ ساتھ کتب خانوں کو بھی فروغ حاصل ہوتا گیا۔ قرطبہ کا شاہی کتب خانہ وسعت کے لحاظ سے بہت بڑا اور علمی ذخیرے کے اعتبار سے سب سے بہتر کتب خانہ تھا۔ بہت سے لوگوں کے پاس جن میں کچھ عورتیں بھی شامل ہیں اپنے خانگی کتب خانے بھی ہوتے تھے۔ سیاسی مجلسیں اور ناٹک گھر لویان اور زمان کی زندگی کی نمایاں خصوصیات تھیں اسلامی زندگی میں ان چیزوں کو کوئی مقام حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے اسلامی زندگی نے کتابوں ہی کو حصول علم کا تہا ذریعہ بنا دیا تھا۔

جیسا کہ ہم بغداد کی سیر میں دیکھ چکے ہیں، وہاں کاغذ کی صنعت کافی فروغ پا چکی تھی اسلام نے یورپ پر جو بڑے بڑے احسان کئے ہیں ان میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے مسلمانوں ہی نے یورپ کو کاغذ سازی کے فن سے آشنا کرایا۔ اندلس میں بھی مقامی طور

پر کاغذ تیار کیا جاتا تھا اور اسی کی بدولت یہاں بڑی تعداد میں کتابیں جمع ہو گئی تھیں۔ ورنہ کاغذ کی صنعت کے بغیر یہ کبھی ممکن نہ ہوتا۔ مراکش نے کاغذ کی صنعت مشرق سے لے کر اسی صدی کے وسط میں یہ صنعت مراکش سے اسپین منتقل ہوئی۔ انگریزی زبان میں اس تاریخی حقیقت کی ایک لسانی شہادت ”ریم“ (Rem) کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔ یہ لفظ قدیم فرانسیسی لفظ *Reima* سے لیا گیا ہے فرانسیسی زبان نے یہ لفظ اسپینی زبان کے لفظ *Reima* سے حاصل کیا ہے اور خود اسپینی زبان نے یہ لفظ عربی لفظ ”ریزمہ“ سے مستعار لیا ہے۔ اس لفظ کے معنی عربی میں گھڑی کے ہیں اسپین کے بعد کاغذ سازی کی صنعت سنہ ۱۲۰۰ء کے قریب اسلامی اثر کے نتیجے کے طور پر غالباً مغربیہ سے اطالیہ آئی۔ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ فرانس میں کاغذ سازی کے کارخانے پہلے پہل نصرانی مجاہدوں کے ذریعہ قائم ہوئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسپین کا عطیہ ہے۔ ان دونوں ملکوں سے کاغذ سازی کی صنعت پورے یورپ میں پھیل گئی۔ عبدالرحمن کا ایک معتمد اپنے گھر پر سرکاری مراسلے لکھ کر ایک خاص دفتر پر ”طبع“ — چھپائی کی اولین صورت — کرنے کے لئے بھیج دیا کرتا تھا اور اس کے بعد یہاں سے حکومت کے مختلف نمائندوں کے نام اس کے نسخے جاری ہوتے تھے۔

اسپین کی اسلامی سلطنت کی بریادی کے بعد فلپ ثانی (۱۵۵۶ء — ۱۵۹۸ء) اور اس کے جانشینوں نے بڑی بڑی ماندہ کتابیں عربی کتب خانوں سے فراہم کیں ان کی تعداد کم و بیش دو ہزار تھی یہ کتابیں کتب خانہ اسکوریاں کی بنیاد بنیں۔ یہ کتب خانہ شہر میڈرید سے کچھ دور اب بھی موجود ہے۔ ان کتابوں کے سوا اور دوسری کتابوں کی فراہمی کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں کہ سترھویں صدی کی ابتداء میں مراکش کا ایک سلطان شریف زیدان اپنے مال و متاع کے ساتھ کہیں فرار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا کتب خانہ بھی ایک جہاز پر بار کر دیا۔ لیکن اس جہاد کے کپتان کو پوری اجرت پیشگی نہیں ملی تھی۔ اس لئے اس نے

ان کتابوں کو اپنی منزل مقصود پر اتارنے سے انکار کر دیا اور مارسلینز جاتے ہوئے راستے میں یہ سب کچھ قزاقوں کے ہتھے چڑھ گیا ان کتابوں کی تعداد کم و بیش تین چار ہزار تھی۔ فلپ سوم کے حکم پر اس مالِ غنیمت کو اسکواریا کے کتب خانہ میں محفوظ کر دیا گیا اور اس کی بدولت یہ کتب خانہ عربی زبان کے قلمی نسخوں کا ایک بیش بہا خزانہ بن گیا۔

مغربی مسلمانوں نے ادب اور تاریخ کے میدان میں جو کمال دکھائے ہیں ان میں بنی نصر کے دیار کے دو عہدہ دار دوستوں یعنی ابن الخطیب اور ابن خلدون کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ لسان الدین بن الخطیب (۱۳۱۳ء — ۱۳۷۴ء) شام کے ایک عرب خاندان میں پیدا ہوا اس کا خاندان شام سے ہجرت کر کے اندلس میں آباد ہو گیا تھا غرناطہ کے بنی نصر کے ساتویں سلطان یوسف بن الحاج اور اس کے بیٹے محمد پنجم نے اسے ذوالریاستین کا خطاب دیا تھا۔ سنہ ۱۳۷۱ء میں یہ ایک درباری سازش سے جان بچا کر بھاگا اور اس کے تین سال بعد فاس کے مقام پر ایک خانگی جھگڑے میں مارا گیا۔ اس کی موت سے پورے عرب اسپین کا نہ سہی۔ لیکن غرناطہ کا آخری مشہور و معروف مصنف، شاعر اور سیاست دان بن گیا۔ ابن الخطیب نے شاعری، تاریخ، جغرافیہ، طب اور فلسفہ پر ساٹھ کتابیں لکھی ہیں ان ساٹھ کتابوں میں سے اس وقت ایک تہائی کتابیں محفوظ رہ گئی ہیں۔ اس کی جو کتابیں زمانے کی دست برد سے بچ رہی ہیں، ان میں سے ہمارے لئے سب سے اہم غرناطہ کی تفصیلی تاریخ ہے۔

عبدالرحمن بن خلدون (۱۳۳۲ء — ۱۴۰۶ء) تونس کے ایک اندلسی خاندان میں پیدا ہوا۔ یہ خاندان اپنا سلسلہ نسب قبیلہ کنندہ سے ملاتا تھا۔ اس خاندان کا بانی نویں صدی میں مین سے اندلس میں ہجرت کر آیا تھا اس خاندان کے لوگ تیرھویں صدی تک بھی اشبیلیہ میں باقی تھے۔ اپنی خدمت سے معزول ہونے سے پہلے وہ فاس میں کئی بڑی خدمتوں پر فائز رہا ۱۳۹۹ء میں اس نے غرناطہ کے سلطان محمد سادس کی خدمت اختیار کر لی۔ اس سلطان نے ابن خلدون سے کئی اہم سیاسی کام لئے۔ اس کے بعد وہ اپنے طاقت ور دوست

ابن الخطیب کے حسد کا شکار ہوا، اور اندلس چھوڑ کر المغرب چلا آیا اور یہاں تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گیا۔ ابن خلدون کو اپنے مقدمہ (تاریخ) کی بنا پر بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے اس میں ابن خلدون نے پہلی بار تاریخ کے ارتقار کا نظریہ دنیا کے آگے پیش کیا ہے۔ اس نظریے میں اخلاقی اور روحانی قوتوں کے سوا آب و ہوا اور جزائیہ کے طبعی حقائق بھی پورے دقت و آگہی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ قومی عروج و زوال کے قوانین کی دریافت اور ان کی تدوین کی سب سے پہلی کوشش ابن خلدون ہی نے کی ہے۔ اس لئے ابن خلدون کو — جیسا کہ خود اس نے دعویٰ کیا ہے فن تاریخ کی ماہیت اور اس کی وسعت کا انکشاف کرنے والا یا کم سے کم عمرانی علوم کا حقیقی بانی کہا جاسکتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ابن خلدون سے پہلے تاریخ پر مجموعی حیثیت سے ایسی وسیع اور فلسفیانہ نظر — یورپ والوں کا ذکر ہی کیا — کسی عرب مصنف نے بھی نہیں ڈالی تھی۔ ابن خلدون نے سنہ ۱۴۰۶ء میں وفات پائی۔ دنیا نے اس کے کارنامہ پر جتنی تنقیدیں اور تبصرے کئے ہیں، ان سب میں اتفاق اسی بات پر کیا گیا ہے کہ وہ اسلام کا عظیم ترین اور دنیا کا ایک زبردست مفکر تاریخ گذرا ہے۔

عربوں کی جزائیائی تحقیقات کا اثر مغرب پر کم پڑا ہے تاہم یہ واقعہ ہے کہ زمین کے گول ہونے کے قدیم نظریے کو عربوں ہی نے ہمیشہ زندہ رکھا ہے۔ ہم اس سے پہلے ہندوؤں کے اس تصور کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ زمین کے نصف معلوم کرہ کا ایک مرکز ہے جو چاروں سمتوں سے مساوی فاصلہ پر واقع ہے اس کو آرین (Arin) کہتے ہیں اس آرینی نظریہ کو ایک لاطینی تصنیف میں جگہ مل گئی جو سنہ ۱۴۱۰ء میں شائع ہوئی۔ اس تصنیف سے کولمبس نے وہ نظریہ اخذ کیا جس کی رو سے اسے یقین ہو چلا تھا کہ زمین کی شکل نامساوی جیسی ہے اور مغربی نصف کرہ میں آرین کے مقابل ولسیا ہی ایک اونچا مرکز واقع ہے۔

مسلمانوں نے ہستی جزائیہ اور ریاضیات کے جدید تصورات سے مغربی علوم کے

دامن بھردئے تھے اسپین میں ہیٹھٹ کا باقاعدہ مطالعہ دسویں صدی کے بعد سے شروع ہوا تھا۔ قرطبہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ کے مسلمان حکمرانوں کو اس سے بڑی گہری دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ اندلس کے اکثر ہیٹھٹ دلائل ستاروں کے اثرات کے قائل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ کہ دنیا میں پیدا آتش سے لے کر موت تک جو واقعات پیش آتے ہیں ان میں سے اکثر واقعات ستاروں ہی کے اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں ستاروں کے اثرات کا مطالعہ یعنی علم نجوم کی تحصیل کے شوق کی بدولت دنیا کے تمام مقامات کے محل وقوع اور ان کے طول بلد اور عرض بلد متعین کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس طرح علم نجوم ہیٹھٹ کا سرچشمہ بن گیا لاطینی مغرب میں مشرقی ہیٹھٹ اور نجوم کا شوق اسپین ہی کے ذریعہ پھیلا۔ اسپین ہی میں مسلمانوں کی اہم ترین ہیٹھتی تصانیف کے لاطینی ترجمے ہوئے اور تیرہویں صدی میں الفانسور دہم نے جو الفانسوری جدولیں، تالیفات کی تھیں، وہ اسلامی ہیٹھٹ کی ایک ارتقائی شکل کے سوا اور کچھ نہ تھیں۔ عرب مصنفوں نے ستاروں سے متعلق جو تحقیق کی تھی اس کے ذریعہ انھوں نے کردی اور مستوی مثلث کے ابتدائی ابواب دئے۔ کیونکہ الجیریا اور تحریری علم ہندسہ کی طرح علم مثلث کی بنیاد بھی بڑی حد تک عربوں ہی نے ڈالی ہے جو کوئی بھی اجرام فلکی کے کسی معمولی نقشہ پر نظر ڈالے تو یہ بات اس پر روشن ہو جائے گی کہ عرب ہیٹھٹ دانوں نے آسمان پر بھی اپنی محنت کے لازوال ارتسامات چھوڑے ہیں۔ یورپی زبانوں میں نہ صرف ستاروں کے نام ہی عربی الاصل ہیں — جیسے *Alcor*، عقرب، *Aldebaran*، الجدی *Aldebaran*، *Deneb*، ذنب، *Aldebaran*، فرقد وغیرہ — بلکہ ان زبانوں میں بے شمار فنی اصطلاحیں بھی ایسی ملیں گی جو عربی الفاظ سے لی گئی ہیں۔ جیسے *Azimuth* السموت، *Nadir* النظر، *Zenith* السموت وغیرہ۔ یہ اصطلاحیں علم وحکمت کے اس بے بہا اسلامی ترکے کا مین ثبوت ہیں جس سے نصرانی یورپ مستفید ہوا ہے

عربی زبان سے ریاضیات کی جتنی بھی اصطلاحیں مستعار لی گئی ہیں ان میں ایک نہایت

دلیچسپ اصطلاح ”صفر“ ہے اگرچہ عربوں نے ”صفر“ ایجاد نہیں کیا، لیکن عربوں ہی نے یورپ کو عربی اعداد کے ساتھ ساتھ ”صفر“ سے بھی روشناس کرایا۔ اور اہل مغرب کو اس مفید ترین حسابی طریقہ کے استعمال کا ڈھنگ سکھا کر روزمرہ کی زندگی میں علی حساب کی سہولتیں مہیا کیں۔ اگر حساب میں ”صفر“ استعمال نہ ہوتا تو ہمیں اپنے اعداد کے جوڑنے کے لئے اکائیوں دہائیوں اور سینکڑوں وغیرہ کے خانوں کا ایک جدول تیار کرنا یا گنتارا استعمال کرنا پڑتا۔

غیر مسلم یورپ میں عربی اعداد کی نشر و اشاعت کی رفتار بہت ہی سست رہی۔ عیسائیوں اور بارہویں صدی میں تمام تر اور ایک حد تک تیرھویں صدی میں بھی نصرانی یا تو قدیم رومی اعداد اور گنتار سے استعمال کرتے رہے یا جدید عربی اعشاری نظام کو اپنے پرانے نظام سے ملا کر اس سے کام لیتے رہے۔ علی مقاصد میں نئے رموز سے پہلے اطالیہ میں استعمال کئے گئے، پیسل کے لیونارڈو فیباچی نے ۱۲۰۲ء میں ایک کتاب شائع کی جو عربی اعداد کی ترویج و اشاعت میں بڑی عہد آفریں ثابت ہوئی۔ اس شخص نے ایک مسلمان استاد کی شاگردی کی تھی اور شمالی افریقہ کی سیاحت کر چکا تھا۔ اس کی لکھی ہوئی کتاب نہ صرف عہد آفریں ثابت ہوئی بلکہ اسی کتاب سے پوری ریاضیات کا آغاز ہوتا ہے اگر پرانے اعداد ہی استعمال ہوتے رہتے تو علم حساب نے اب جو اپنی بعض شاخوں میں ترقی کی ہے وہ ہرگز ممکن نہ ہوتی۔ ہم اس وقت اپنے علم حساب کو جس ترقی یافتہ صورت میں دیکھ رہے ہیں وہ تمام تر عربی اعداد اور ”صفر“ ہی کا کرشمہ ہے۔

مغربی مسلمانوں نے سہیت اور ریاضیات کی طرح مطالعہ قدرت کے میدان میں خاص کر خالص اور اطلاقی نباتیات کی تحقیقات سے دنیا کے علم میں بڑا اضافہ کیا ہے۔ انھوں نے کھجور اور حشیش جیسے درختوں اور پودوں کے صنعتی اختلاف کے نہایت صحیح مشاہدے کئے۔ انھوں نے پودوں کی تقسیم گردہوں میں کی پہلا گردہ ان پودوں کا قرار دیا جو قلم لگانے سے اُگتے ہیں۔ دوسرا گردہ ایسے پودوں کا مانا جو بیج سے اُگتے ہیں اور تیسرے گردہ میں ایسے پودے شامل کئے جنہیں وہ خود رو سمجھتے تھے اشبیلیہ کے ابن التوام نے بارہویں صدی کے آخر میں زراعت

ہر ایک رسالہ لکھا تھا یہ رسالہ اپنے موضوع پر نہ صرف اہم ترین اسلامی رسالہ مانا جاتا ہے بلکہ سارے قرون وسطیٰ میں اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں منظر عام پر آئیں ان سب میں اس رسالہ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ابن القوام نے اس رسالہ کی تیاری میں کچھ تو قدیم یونانی اور عربی ماخذوں سے فوہ صینی کی ہے اور کچھ اسپین کے کاشتکاروں کے عملی تجربوں سے استفادہ کیا ہے اس رسالہ میں پانچ سو پچاسی درختوں اور پچاس سے زیادہ پھلوں کی کاشت کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اس میں قلم لگانے کے نئے مشاہدے بھی پیش کئے گئے ہیں اور زمین اور کھاد کے خواص بیان کئے گئے ہیں ان کے سوا درختوں اور انگور کی بیلوں کے امراض کی علامتیں اور ان کے علاج کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔

اسپین بلکہ حقیقت میں اسلامی دنیا کا مشہور ترین عطار اور ماہر نباتیات عبداللہ ابن احمد ابن البیطار گزرا ہے اس نے سنہ ۱۲۴۲ء میں بمقام دمشق وفات پائی، عبداللہ ابن البیطار نے ”آسان علاجوں“ پر ایک رسالہ یادگار چھوڑا ہے۔ یہ رسالہ قرون وسطیٰ کے تمام رسالوں میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

عام طور پر اسپین کے عرب طبیب پیشہ ور طبیب تھے انھوں نے طب کا پیشہ اپنی طبی صلاحیتوں کی بنا پر اختیار کیا تھا۔ ابن الخطیب کو ہم ادیب اور مورخ کی حیثیت سے پیش کر چکے ہیں۔ اس کے پاس اور دوسرے بہت سے طبیوں کی طرح ایک قلمدان وزارت بھی تھا چودھویں صدی کے وسط میں یورپ ”کالی بلا“ یعنی طاعون کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہا تھا اور ملت مسیح کو اس عقیدہ نے بالکل ہی لاچار اور بے درست و پابنا دکھا تھا کہ یہ دیار فضلے الہی ہے جس کو کسی طرح روکا نہیں جاسکتا۔ لیکن غرناطہ کے اسی مسلمان طبیب ہی نے اس زمانے میں قدیم کی تائید میں ایک رسالہ لکھا۔ اس رسالہ میں حقیقی سائنٹفک تحقیقات کی صدا میں سنائی دی گئی ہے۔

”جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم قدیم کے امکان کو نہیں مان سکتے کیونکہ یہ احکام الہی کے خلاف ہے، ان

لوگوں کو ہمارا یہ جواب ہے کہ قدیم کا وجود تجربات، تحقیقات، فہم و ادراک کی شہادت اور قابل اعتماد

بیعت سے ثابت ہے یہ تمام حقائق زیر دست دلیلیں ہیں۔ تعدیہ کی صداقت پر تحقیق کرنے والے پر پوری طرح ثابت ہو سکتی ہے جب کہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو کسی متعدی مرض میں مبتلا مرض کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور رہتا رہتا ہے آخر اس مرض میں خود بھی مبتلا ہو جاتا ہے لیکن ایک ایسا شخص جو متعدی مرض میں مبتلا مریض سے دور رہتا ہے اس مرض سے بالکل محفوظ رہتا ہے، تحقیق کرنے والا یہ بھی معلوم کر سکتا ہے کہ متعدی مرض کے جائز مریض کے کپڑوں، اس کے کھانے پینے کے برتنوں حدیثہ کان کے بندوں کے ذریعہ سے بھی دور رہتا آدمیوں میں منتقل ہو جاتے ہیں؟

اسلامی فتح اسپین کی ابتدائی دو صدیوں میں مشرقی ثقافت کا دیا انداز کی سبزیوں میں کافی چڑھاؤ کے ساتھ ہوتا رہا۔ اسپین کے عالم طلب علم میں مصر، شام، عراق یہاں تک کہ ماوراء النہر اور چین تک کا سفر کیا کرتے تھے لیکن گیارہویں صدی اور اس کے بعد کے زمانوں میں نیمیا کا رخ بالکل پلٹ گیا اور بارہویں صدی میں یہ پورے چڑھاؤ کے ساتھ یورپ کی طرف بہنے لگا۔ شمالی افریقہ اور اسپین سے اور خاص کر شہر طابلقہ جہاں کریوناس کے حیران کن شکل اسکاٹ بے کام کیا تھا، نے عربی طب کو یورپ منتقل کرنے میں نہایت اہم حصہ لیا ہے اسی کی بدولت طب کی تینوں روایتوں یعنی یہودی، نصرانی اور اسلامی روایتیں کو ترجمہ کی صورت میں یکجا ہونے کا موقع ملا ترجمہ کے اس روپ میں روایتیں آسانی کے ساتھ ایک دوسرے میں گھل مل گئیں ان ترجموں کے سوا ایسے ہی دوسرے ترجموں کے ذریعہ سے بھی عربی زبان کی بہت سی فنی اصطلاحیں یورپی زبانوں میں رائج ہو گئیں۔ مثلاً *ہمسور* عربی لفظ *جواب* جو فارسی لفظ *گلاب* کا عرب ہے اور اس کے معنی عرق *گلاب* کے ہیں، کی اصطلاح ایک خوشبودار طبی مشروب کے لئے استعمال کی جاتی ہے طبی ضابطے کے مطابق شکر گلابی میں حل کر کے اس میں کوئی دوا عادی جانی ہے اور اس محلول کو *ہمسور* کہتے ہیں جو عربی لفظ *خرباب* سے لیا گیا ہے۔ قرون وسطیٰ کی لاطینی زبان میں *سودا* *Sodanum* (Sodanum) کے معنی دوسرے علاج کے لئے حقیقت میں عربی لفظ *صدا* ہے

جس کے معنی شدید درد سر کے ہیں۔ عربی تصانیف کی بے شمار کیمیائی اصطلاحیں لاطینی زبان کے ذریعہ یورپی زبانوں میں پھیل گئیں۔ مثلاً الکحول (Alcohol)، المبک (Ambic)، النقل (Alchem) اور انٹی مونی (Antimony) وغیرہ۔

اسپین کے عرب عالموں کا سب سے بڑا کارنامہ تو وہ ہے جو انھوں نے فلسفہ فکر کی اقلیم میں انجام دیا ہے۔ ان لوگوں نے ایران کے مشرقی ہم مذہبوں نے یونانی فلسفہ کو اپنی جن تصانیف اور تالیفوں کے ذریعہ لاطینی مغرب میں منتقل کیا ہے، اگر اس کو ایک زنجیر سے تعبیر کیا جائے تو ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اسپین کے عربوں نے اس زنجیر میں آخری اور حکم ترین کڑی کا اضافہ کیا ہے۔ اس علم میں انھوں نے اپنی طرف سے اضافے کئے ہیں اصفیاء عقل و ایمان، مذہب اور سائنس کے درمیان مطابقت پیدا کر کے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اگرچہ مسلمان مفکروں کے نزدیک ارسطو کا کہا حق تھا، افلاطون کا کہا حق تھا، اور قرآن کا کہا حق تھا لیکن حق کا ایک ہی ہونا بھی انہیں ضروری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان تینوں میں مطابقت کیلئے وہ بڑی مستعدی و کوشش ہو کر زمانے میں نصرانی مفکروں کو بھی اسی مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ لیکن ان کی دینیات میں عقائد اور اسرار و دونوں یکساں ہونے کی وجہ سے ان کا کام اور مشکل ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں یونانیوں کا فروغ دیا ہوا فلسفہ اور عبرانی پیغمبروں کا پروان چڑھایا ہوا دین توحید یہی دو چیزیں قدیم مغرب اور قدیم مشرق کے سب سے بڑے درختے ہیں۔

جدید تصورات کا جو پہلا سیلاب (اس میں زیادہ تر فلسفہ اور طب کے تصورات تھے) یورپ میں اٹھ اٹھا ہے، اس سے تاریک زمانہ ختم ہوتا ہے اور علمی دور کی سحر نووار ہوتی ہے۔ عربی خیالات سے واسطہ پڑنے پر یورپ والوں کے دلوں کو علم و فلسفہ کی تحصیل کے شوق نے گرم کیا اور قدیم یونانی علوم کی نو آگئی نے اس آتش شوق کو اور بھڑکایا۔ ان دونوں کے فضل اہل یورپ نے بڑی تیزی اور مستعدی کے ساتھ اپنا آزاد علمی ماحول پیدا کر لیا جس کے خرات سے ہم اب تک مستفید ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

یہاں ہم مسلم اسپن کے بہت سے بڑے بڑے فلسفیوں میں صرف چند ایک ہی کا ذکر کر سکتے ہیں۔ ان میں ایک ابن طفیل ہے جس نے فلسفہ میں وفات پائی ہے اس کا شمار ہمارے ایک اچھوتا فلسفیانہ افسانہ ہے۔ اس افسانہ کا عنوان ہے ”جی ابن یقظان“ اس افسانے کا بنیادی عقیدہ ہے کہ ہم انسانی کسی خارجی عامل کی مدد کے بغیر عالم بالا کی آگہی حاصل کر سکتے ہیں۔ بعد رفتہ رفتہ اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دنیا کا دار و مدار ایک قادر مطلق ہستی پر ہے۔ قرون وسطیٰ کے ادب کا بالکل اچھوتا اور نہایت دلکش افسانہ ہے ماڈورڈو پروکاک نے سنہ ۱۶۷۱ء میں اسے پہلی بار لاطینی میں منتقل کیا تھا پھر اس کے بعد یورپ کی اکثر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ چنانچہ ولندیزی زبان میں اس کا ترجمہ سنہ ۱۶۷۲ء میں فرسی زبان میں سنہ ۱۹۲۰ء میں اور اسپینی زبان میں حال ہی میں یعنی سنہ ۱۹۳۱ء میں ہوا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انگریزی زبان کی تصنیف رابن سن کر دسوکا سرچشمہ بھی یہی کتاب ہے اپنے اثر اور خاص کر مغرب پر اپنے اثر کے لحاظ سے سب سے بڑا مسلمان فلسفی، عرب اسپن کا ہیئت داں، طبیب اور ارسطو کا شارح ابن رشد ہے جسے یورپ والے *averroes* کے نام سے یاد کرتے ہیں یہاں ابن رشد سنہ ۱۱۲۵ء میں مقام قرطبہ پیدا ہوا تھا۔ علم طب میں اس کا اہم ترین کام نامہ اس کی وہ تصنیف ہے جس میں اس نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے کہ کسی شخص کے جھجک ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں نکلتی اور جس میں پردہ چشم (شبكة العين)، کے ذیلیغی ٹھیک ٹھیک تشریح کی گئی ہے۔ تاہم یہودی اور نصرانی دنیا میں ابن رشد پہلے پہل ارسطو کے فلسفہ کے شائع کی حیثیت سے مشہور ہوا، یہاں یہ یاد رہے کہ قرون وسطیٰ کے شارح بذات خود مصنف ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ اگلوں کی تصانیف کے خاکے کے اندر یہاں اس کو پس منظر میں رکھ کر فلسفہ یا سائنس پر اپنی مستقل تصانیف پیش کیا کرتے تھے اس طرح ابن رشد نے جو شرحیں لکھی ہیں وہ سب کی سب اصل میں اس کے اپنے مستقل رسالوں کا

ایک سلسلہ ہیں۔ اپنے بعض رسالوں میں ابن رشد نے ارسطو کی بعض تصانیف کے صرف ہم نئے میں اور ان کے مفسرین کے خلاصے کئے ہیں۔ مسلم ایشیا یا مسلم افریقہ کے مقابلہ میں ابن رشد کا رشتہ نصرانی یورپ سے زیادہ استوار معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح ارسطو کو اہل مغرب نے "استاد" مانا ہے بالکل اسی طرح ابن رشد کو مغربِ مسلم کہا ہے۔ حقیقت میں یہ ابن رشد کا ارسطو تھا جس نے قرون وسطی کے یورپی نصرانیوں، اہل مکتب اور عالوں کے دلوں میں اضطراب کی لہر دوڑادی۔ بارہویں صدی کے آخر سے کر سولہویں صدی کے ختم تک سب سے زیادہ ذی اثر مکتب خیال ابن رشد کا فلسفی تھا۔ تنگ خیال مذہبی رد عمل کے باوجود یہ مکتب خیال سب سے پہلے اسپین کے مسلمانوں ہی میں قائم ہوا اس کے بعد یہودیوں اور آخر میں نصرانی پادریوں میں اس کی نشرو اشاعت ہوئی۔ ابن رشد عقلیت پسند تھا اس کا دعویٰ تھا کہ مذہب کے الہامی اصول و عقائد کے سوا ہر چیز کو عقل اور دلیل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے چنانچہ ابن رشد کے اس خیال کی بنیاد پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ آزاد خیالی کا بانی اور مذہب کا بہت بڑا دشمن تھا لیکن اس خیال میں کچھ بھی صداقت نہیں ارسطو کے فلسفہ پر جن اگلے مسلمان محققوں نے کام کیا تھا انہوں نے بہت سی غیر مستند کتابوں کو بھی ارسطو کی تصنیف سمجھ لیا تھا ان میں بہت سی اخلاقی کتابیں بھی شامل ہیں۔ ابن رشد کے فلسفہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کو حاکم اور سائنس تک ارسطو طالیت کا راستہ دکھایا مذہبی علماء نے ابن رشد کی تصانیف سے مذہب کی نظر میں قابل اعتراض اجزاء کو خارج کیا اور اس کے بعض جملوں پر سراسر غلط فہمی کے دوسرے اداروں میں اس کی تصانیف نصاب میں شریک کی گئیں، ابن رشد نے جس دینی تحریک کی داغ بیل ڈالی تھی وہ اپنے تمام ماسن و معائب کے ساتھ یورپی فکر میں جدید تجربی سائنس کے ظہور تک ایک ذی حیات حامل کی طرح اپنا کام کرتی رہی۔

اس زمانے کے فلسفیوں میں اگر کسی کو ابن رشد کے بعد پہلا درجہ دیا جاسکتا ہے تو وہ اس کا ہم عصر اور ہم وطن قرطبی یہودی ابن میمون یا ابن میمونڈے جو عیسائی ابن میمون کے نام سے مشہور ہے۔ اسے پورے عربی دور کے تمام یہودی فلسفیوں اور طبیبوں میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے۔ یہ ملاک میں بمقام قرطبہ پیدا ہوا لیکن اس کا خاندان مسلمانوں کی مذہبی تعذیب کی تاب نہ لا کر سندھ میں قاہرہ چلا آیا اور یہیں بس گیا۔ بعض سوانح نگاروں نے دعویٰ کیا ہے کہ ابن میمون نے اسپین میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور درپردہ دین موسوی پر قائم رہا لیکن اس دعویٰ پر حال ہی میں نقادوں نے سخت تنقیدیں کی ہیں۔ قاہرہ میں ابن میمون شہرۃ آفاق سلطان صلاح الدین اور اس کے بیٹے ملک العزیز کا درباری طبیب مقرر ہوا۔ سندھ ۱۱۹۷ء میں اس کو قاہرہ کے یہودیوں کا نسب سے بڑا مذہبی عہدہ دیا گیا اس عہدہ پر وہ اپنی وفات تک فائز رہا۔ اس نے سندھ میں وفات پائی۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی میت کو اسی راستہ پر کھنڈی میں بھجوا دیا گیا جس پر کسی زمانے میں حضرت موسیٰ آجل چکے تھے اور طبرہ لے جا کر وہاں اسے دفن کیا گیا، اس کی قبر مملکت سے بری اور بالکل سیدھی سادی ہے۔ اس کی زیارت کے لئے اب بھی ہندوؤں کا آنا کرتا ہے۔ مصر جدید کے نادر یہودی مرعش اب بھی قاہرہ کے مملکت ربی موسیٰ بن میمون کے مزار کے لئے اس لئے شب بسر کیا کرتے ہیں کہ اس مقام کی برکت سے ان کا مرض دور ہو جائے۔ یہودیوں کی ایک مشہور کہادت ہے کہ موسیٰ بن موسیٰ تک موسیٰ کا ہم بلہ کوئی نہیں ہوا اس کہادت سے یہودیوں میں موسیٰ بن میمون کی ہرگز اور اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

ابن میمون نے ایک مثبت دان، عالم و فیاض طبیب اور سب سے بڑھ کر ایک فلسفی کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ اس نے غنہ کے طریق کی اصلاح کی۔ اور سیر کی مملکت چین کو قرار دیا اور اس کے لئے ایک ایسی نئی پہلی غذا تجویز کی جس میں بیشتر غذائیں ہیں۔

حفظ صحت کے بارے میں اس کے تصورات بہت بلند تھے طب میں اس کی سب سے مشہور کتاب "الفصول فی الطب" ہے فلسفہ پر اس نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور وہ کتاب ہے جس کا نام "دلالة الحائزین" ہے اس کے منی پریشاں لوگوں کے رہنے کے ہیں۔ اس کتاب میں اس نے مہموی شریعت کو اسلامی اور مساطا طائیت سے یا اس سے بھی وسیع تر معنی میں عقل اور مذہب کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اس نے پیغمبرانہ خوابوں کی تعبیر اس طرح کی ہے گویا یہ بھی طبعی تجربات تھے اس حد تک کم سے کم وہ حکمیاتی فلسفہ کا علم بردار ہے اور یہ فلسفہ اناجیل کے بنیادی عقائد کے خلاف ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدامت پسند علماء اس سے اس قدر بگڑ گئے کہ اس کی کتاب کو "خلاۃ" کے بجائے "ضلالہ" یعنی بھٹکانے والی کہنے لگے۔ اس کتاب میں اور اسی طرح دوسری کتابوں میں جو فلسفیانہ تصورات پیش کئے ہیں وہ ابن رشد کے خیالات سے ملنے جاتے ہیں مگر ابن میمون نے اس باب میں ابن رشد سے کوئی استفادہ نہیں کیا ہے بلکہ آزاد طور پر انھیں فروغ دیا ہے ابن رشد کی طرح وہ بھی یونانی زبان سے ناواقف تھا اور اس کو صرف عربی ترجموں پر تکیہ کرنا پڑا۔ اگرچہ اس نے نظریہ تخلیق کو پیش ضرور کیا ہے لیکن اس پر غور و فکر کرنے میں اس نے خود حصہ نہیں لیا۔ اس زمانے کے ان تمام مفکروں کے پاس جو عربی زبان میں اپنے افکار و خیالات پیش کیا کرتے تھے وہ قسم کے طریقے تھے یہ وہ طریقے انجیل کے بنیادی عقائد کی صداقت کا ہے اس کی رد سے خدا کو ہر شے کا خالق تسلیم کیا گیا اور دوسرا نوافلاطونی اور ارسطاطالیسی نظریہ تھا ابن میمون کا پیش کیا ہوا نظریہ ان دونوں نظریوں سے الگ تھا اس کا یہ نظریہ جوہر کے نظریہ سے مشابہ تھا ایک کتاب کے سہرا میں ان تمام تصانیف عربی زبان میں ہیں، لیکن ان کا رسم خط عبرانی ہے۔ یہ تصانیف بہت جلد عبرانی زبان میں اور اس کے بعد جرمنی طور پر لاطینی زبان میں منتقل ہو گئیں۔ ان تصانیف نے اپنے اثرات زیادہ تر یہودیوں اور نصرانیوں پر مرتب کئے ہیں اور یہ اثرات زمان و

مکملان کے اعتبار سے بہت دور رس تھے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر تک اس کی کتابیں یہودی فلسفہ کو غیر یہودی فرقوں میں منتقل کرنے کا زبردست وسیلہ بنی رہیں چنانچہ جدید کے نقادوں نے البرٹس میاگنس (Albertus Magnus) اور اس کے رقیب ڈنس اسکوتس (Duns Scotus) اور اسپینی نوزا (Spinoza) حتیٰ لکانت (Kant) کی تصانیف میں بھی ابن سیمون کی تصانیف کے اثر کا سراغ لگایا ہے

اس زمانے کے عارفِ کامل اور اسلامی تصوف کے روحِ رواں ایک ہسپانوی عرب محی الدین ابن عربی تھے یہ اشبیلیہ میں پیدا ہوئے اور یہیں انھوں نے اپنی زندگی بسر کی، لیکن سنہ ۱۲۴۰ء میں بمقام دمشق وفات پائی، جہاں ان کا مقبرہ اب بھی موجود ہے انھوں نے اپنی ایک تصنیف میں حضرت محمد کے سفرِ معراج اور سیرِ افلاک کے واقعہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ ڈانٹے نے اپنے شہ کار طریہ خداوندی کی تیاری میں اسی تصنیف سے استفادہ کیا ہے۔

تیرہویں صدی کے آخر تک عربی سائنس اور عربی فلسفہ دونوں یورپ میں منتقل ہو چکے تھے۔ وہ ذہنی راستہ جو اطلیطلہ کی پھاٹکوں سے شروع ہو کر کوہِ پرینیز میں ہے ہو کر گذرنا تھا اب پراؤنس (Provence) اور الیائٹن کے قدروں میں سے مل کر کھاتا لودین، جرمنی، وسطی یورپ اور روم و بار انگلستان کو پار کر کے انگلستان کی پہلے تک پہنچ گیا تھا، سرزمینِ فرانس میں مارسیلز، تولوز، نابو نے اورمانٹ پلیر عربی فلسفہ کے مرکز بن گئے تھے ہزنی فرانس میں کلونی کا خطہ جہاں کی خانقاہ میں کی اسپینی راہب مقیم تھے بارہویں صدی میں علوم و فنون کی نشر و اشاعت کا مرکز بن گیا تھا پیر نامی یہاں کے ایک پادری نے مسکند میں اسلام کے خلاف کئی رسالے شائع کرنے کے سوا اٹان کا سب سے پہلا وطنی ترجمہ بھی شائع کیا تھا۔ لورین بالوتھارنجیا (Balutheharngia) میں عربی سائنس کی ترویج دسویں صدی میں ہوئی تھی اس کی بدولت یہ سارا علاقہ

میں جسکی دو صدیوں تک سائنسک تحقیق کا مرکز بنا رہا۔ عربی علوم و فنون کی زدیج کے لئے بیاج۔ گورنر۔ کولون اور دوسرے لوگ تاراجی شہروں نے نہایت ہی زرخیز زمین میں اسکی کمی۔ اورین سے عربی علوم و فنون کی شاعیں جرمنی کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنے لگیں۔ اورین کے باشندوں اور یہاں کے تعلیم پائے ہوئے لوگوں نے اس روشنی کو نارمن انگلستان میں منتقل کیا۔ اسپینی عربی علوم و فنون سارے مغربی یورپ کی رگ پے میں پھیل کر گئے اور ان علوم و فنون کو یورپ میں منتقل کرنے کے لئے اسپین واسطے کی جو خدمت انجام دینا چلا آ رہا تھا، اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

نقشہ مٹھری

تمام عربی مدسوں، کتب خانوں اور عربی جانتے والے اصحاب کے لئے مثل تھہر ادب اب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوہر نایاب کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب نہ ہوا۔ شوار تھا۔ الحمد للہ کہ۔ سیالہ سال کی عرقریز کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ ہمیں عظیم الشان تفسیر کے شارح ہو جانے کا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں چھپ چکی ہیں جو کاغذ دیگر سامان طباعت و کتابت کی گزائی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

جلد اول تقطیع ۲۹ × ۲۲ سات روپے، جلد ثانی سات روپے
جلد رابع پانچ روپے، جلد خامس سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے

جلد ثالث زیر طبع

مکتبہ برہمکان اردو بازار جامع مسجد دہلی

ادبیات

نعت

ترصیح رہے بد معشوق حسین صاحب اظہارِ بزمی بر نعت جناب نشی چذ بہاری علیہ السلام
دو جہاں سے ہو رہا لگ رہا جہاں مصطفیٰؐ ہو اگر ہو لا مکان معن مکان مصطفیٰؐ
ہو اگر عرش بریں ہو آشیان مصطفیٰؐ ہو اگر روح الامیں ہو باستان مصطفیٰؐ
رنگ نہیں سکتے کسی سے عاشقِ مصطفیٰؐ
ہوں اگر بالغ نظر میری بلاغت ہے کمینہ فرق کرنا دوزبانوں میں گہی ہے اور حیر
صاحبِ اکلیں ہو رہا یہاں ہے مجھے اپنا عزیز کیا کہوں نثران ماٹھا کر ہو نہیں سکتی حیر
یہ زباں اللہ کی ہے یہ زبان مصطفیٰؐ
غرق دریا کما صی ہوں میں از سر تا قدم فکر بھی ہے پر شش محشر کی مجھ کو دمہم
لیکن اب تر دامن کا کچھ رہا مجھ کو نہ غم اب مراد امان نہیں ہے دامنِ رحمتِ کم
آپری ہے اس پر غالب آستان مصطفیٰؐ
ذکرِ میلادِ مبارک میں ہو کوئی نغمہ زما ہو کوئی مصروفِ نعت پک ختم الانبیا
اور ہو لب پر کسی کے نغمہ صلی علی عیدِ میلادِ نبی کی بزم ہے آراستہ
آج ہونا چاہتے اندر سار شان مصطفیٰؐ
پہلے سب مخلوق سے انسان کو اشرف کیا اور کرمتِ کار کھا سر پہ تلخ اعتدال
پھر بنایا اس نے ہم کو عاشقِ خیر الورا اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا گرم ہاشم کا
بن گیا خود پیشوا۔ نئے عاشقانِ مصطفیٰؐ

ایک رفعت ایک شانِ متزلزل و نل میں تھی
 اور پھر شوقِ زیارت میں مری وارفتگی
 جلوۂ قدرت وہی انوارِ رحمت بھی وہی
 سادگی تو دیکھتے میری جبین کی جھلک گئی
 عرشِ اعظم کو سمجھ کر آستانِ مصطفیٰ

عشق ہو دلیں تو کوئی بھی نہیں منزل کی
 شوق ہو رہا تو پھر کیا ہے ضرورتِ خضر کی
 ہے وہی دنیا میں رہ کر کامیاب زندگی
 آفریں ہمت پر اس کی رحمتِ حق کہہ اٹھی
 لے لیا گر پڑ کے جس نے آستانِ مصطفیٰ

عاشق و معشوق میں جب منگنی بیگانگی
 ہو بھی تو پھر کس طرح ہوا مت سازِ باہمی
 اور صورت تو کوئی فرقِ مراتب کی نہ تھی
 بندگی کی شان سے تفریق پیدا ہو گئی
 ورنہ ہو جاتا خدا پر بھی گمانِ مصطفیٰ

عشق کی ہر وقت لے دلیں ہستی پر کھٹک
 عشق نے کر دی بے پیدائش کی رگ میں کسک
 عشق کی ہر بات میں ان کی نمایاں جھلک
 عشق میں ڈھلے ہوئے ہیں سرگے کر پادشک
 عشق کی تصویر میں سب عاشقانِ مصطفیٰ

گرچہ مصطفیٰ نے اس کی رکھی ہے بنا
 اولیں معبد ہے دنیا میں یہی اللہ کا
 سجدہ گاہِ عاشقان سے کعبہ کو نسبت کیا
 ہم دکھا دیں گے تمہیں کعبہ ادھر آتا ہوا
 جس طرف سجدہ کریں گے شقائقِ مصطفیٰ

کس طرح پھر ہو سکے بیت المقدس ہم قریب
 کعبہ بھی جب اس کا ہم رتبہ نہیں ہے بالیقین
 کیا کہوں ایسا نہیں کوئی بھی بالائے زمیں
 میں تو کہتا ہوں خدا کا عرشِ اعظم بھی نہیں
 جس قدر بھاری ہے سنگِ سناہِ مصطفیٰ

کہنے والے اپنے منہ سے چاہے جو کچھ بھی کہیں
 لیکن اب اسمیں ذرا بھی شک نہیں اظہر ہیں
 ماتنے کی بات ہے یہ سب اسی کو مان لیں
 آخر انساں کے اعتبار سے سب ملائکہ کہتے ہیں
 ہو نہیں سکتا بیانِ عز و شانِ مصطفیٰ

عزل

(جناب سبیل شاہ پوری)

نہ کہے اب کوئی ناکام تنہا مجھ کو
ایک عالم ہے کہ حیرت سے ہو گیا مجھ کو
پھر سر طور کوئی برق ہے کیا جلوہ نگن
بجودی کا ہر وہ عالم کہ تو ہی تو ہو مہک
ہاتھ آیا جو دم باس نہارا دامن
دیکھتے کیا ہو مرے جوش طلب کا انجام
میں تجھے تجھ سے بھی نزدیک نظر آتا مگر
غلش تک ترہ کاش مرے دل میں ہے
بحر عالم میں جدھر آگے گئیں تیریں سبیل
تو نے اسے دوست صداقت میں نہ دیکھا مجھ کو
ایک تنکے کا بھی کافی ہے سہارا مجھ کو
ڈگکا نا ہی نظر آیا سفینا مجھ کو

اگیا اسے عشق پھر نازک مقام

(شاعر انقلاب جناب انور صابری)

ہر قدم حسن وفا کا اہتمام
حسن پھر کرنے لگا ہے احترام
اب ہے میری سمت معرکہ کرم
اب ہے دوش آرزوئے دید پر
اب نہیں میں دام زلف و رخسین بند
اب میں ہوں روح حیات جاوید
اب نہیں دنیا رہن اضطراب
اب ہے ہر جائز خوشی میرے لئے
ہے یہی انور کمال عاشقی
ہر نظر پابند آداب و سلام
اگیا اسے عشق پھر نازک مقام
دیمہ کو فرجیاں بادہ بجمام
گیسوتے شب رنگ سرگرم خواب
اب ہے میرے ساتھ دور و نزدیک
اب مرے قبضہ میں ہے ہر دوام
اب ہے مستحکم زمانہ کا نظام
اب ہوا مجھ پر عیش و دنیا حرام
بات اُن کی ہے مرا رنگ کلام

تبصرے

خاص نمبر

رہنمائے تعلیم انسانیت نمبر ۱۱ قطع کلاں غنیمت ۲۷۲ صفحات طباعت و کتابت بہتر قیمت دو روپیہ۔ پتہ: دفتر رسالہ رہنمائے تعلیم تراہا بیرم خاں دہلی۔

سردار صاحب ماسٹر حکمت سنگھ صاحب اردو زبان کے بہت پرانے اور مخلص خادم ہیں ماسنامہ "رہنمائے تعلیم" کے ذریعہ وہ ایک عرصہ دراز سے بالآخر ترقی مذہب و ملت ملک کی تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں بحیثیت انسان کے موصوف جن اخلاق و اوصاف اور کمالات و فضائل کے حامل ہیں ان کا اندازہ کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اگرچہ آپ ان خانماں خراب لوگوں میں سے ہیں جن کو فرقہ پرستی کے جنون نے اپنا وطن اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر پنجاب سے دہلی آنے پر مجبور کیا لیکن اس کے باوجود کیا مجال کہ سردار صاحب کے آئینہ شرافت و کمال انسانی پر ہلکا سا ایک بال بھی آیا ہو زبان سے بے تعصبی اور انصاف کا نام لینے والے کم نہیں لیکن ایسے لوگ آٹے میں نمک کے برابر ہیں جو دراصل اپنے عمل اور طور طریق سے بھی انسانیت و شرافت کے اعلیٰ اقدار کے حامل ہوں اور کوئی شبہ نہیں کہ سردار صاحب انہیں چند خاص قسم کے افراد میں سے ہیں اسی بنا پر آپ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگوں میں مقبول و محبوب ہیں اور سب آپ کی عزت کرتے ہیں رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور کا بہت پرانا ماسنامہ ہے سردار صاحب نے نہایت وطن کے بعد دہلی میں رہائش اختیار کرتے ہی اس دہلی سے شائع کرنا شروع کر دیا تقاضا یہ نمبر ہر نمبر اسی کا خاص نمبر ہے جس میں ہر فرقہ اور ہر ملت کے اپنے درجہ کے لیڈروں، ادیبوں، شاعروں، مردوں

اور عورتوں نے حصہ لیا ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس ملک میں انسانیت و آدمیت کا وقار دوبارہ قائم کرنے کے لئے اپنے افکار و محسوسات کو قلمبند کیا ہے سردار صاحب کا خلوص اس ضخیم رسالہ میں مختلف شکل و صورت میں جگہ جگہ نمایاں ہے ہند اور پاکستان کے ہر اس شخص کو جسے احیائے انسانیت کے فرض سے دلچسپی اور اس کا ذوق ہے کم از کم ایک مرتبہ اس نمبر کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

الحسنات آخرت نمبر | تقطیع ۳۲۰ صفحہ ۱۰۸ صفحات طبعیت و کتابت و خوش

قیمت فاصل نمبر ایک روپیہ رسالہ کا عام سالانہ چندہ پیر

الحسنات جماعت اسلامی کا ایک پندرہ روزہ رسالہ ہے جو انڈین یونین میں اس جماعت کے مرکز رام پور سے شائع ہوتا ہے، الحسنات کے مضامین بچوں، بچیوں و عورتوں کے ذہنی اور دماغی قالب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کئے جاتے ہیں چنانچہ آخرت نمبر کے مضامین بھی اسی معیار کے مطابق ترتیب دئے گئے ہیں زیر نظر نمبر میں آخرت سے متعلق اچھے طے مفید اور نتیجہ خیز مضمون جمع کر دئے گئے ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی کا مضمون ”اُس پار“ مولانا ابواللیث ندوی کا مضمون ”زندگی پر عقیدہ آخرت کا اثر“ مولوی علیل احسن جناب ندوی کا مضمون ”قیامت کیوں ہوگی“ خاص طور پر لائق مطالعہ ہیں جو بچوں اور عورتوں کے علاوہ عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہیں عقیدہ آخرت کو دل کی گہرائیوں میں جانے کے لئے دوسرے افسانوں اور قصوں کے علاوہ نعیم صدیقی صاحب کا ایک افسانہ ”لیڈر قاضی کے سامنے“ بھی شریک اشاعت کیا گیا ہے سید حامد علی صاحب کی نظم ”خدا ظالم نہیں ہے“ بھی آخرت نمبر کے مقصد کو پوری پوری تقویت پہنچاتی ہے، مجموعی اعتبار سے پورا نمبر سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے اور عام مسلمانوں کے مطالعہ کے قابل ہے۔ (دع)

جدید سائل

نوائے ادب | مرتبہ جناب ظہیر الدین مدنی صاحب تقطیع متوسط ضخامت ۱۱۰ صفحات

کتابت طباعت بہتر سالانہ چندہ تین روپیہ پتہ ۱۔ انجمن اسلام ۹۲ ہارینی روڈ ممبئی۔
 نوائے ادب ممبئی کی انجمن اسلام اور لیسرچ انسٹیٹیوٹ کا سہ ماہی رسالہ ہے جو
 جنوری ۱۹۵۷ء سے نکلنا شروع ہوا ہے اب تک اس کے تین نمبر نظر سے گزرے ہیں اور
 اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نمبر میں اردو ادب و شعر سے متعلق محققانہ، سنجیدہ اور تنقیدی
 مقالات شائع ہوئے ہیں جن کے پیش نظر بے تکلف کہا جاسکتا ہے کہ تقسیم ملک کے بعد
 ”سہ ماہی اردو“ کے دہلی سے کراچی منتقل ہو جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اس کو اس
 رسالہ نے پُر کر دیا ہے علاوہ معیاری مقالات کے نوائے ادب نے ایک مفید جدت
 یہی ہے کہ اس کی ہر اشاعت میں ”مقالہ نمائے“ کے عنوان سے ہند اور پاکستان کے تمام
 قابل ذکر رسالوں کے مضامین و مقالات کا خلاصہ مختلف عنوانات کے ماتحت حروف
 تہجی کی ترتیب سے درج کیا جاتا ہے جس کو پڑھ کر ایک شخص بہت تھوڑے وقت میں
 یکجا طور پر دو طوں ملکوں کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا حال معلوم کر سکتا ہے خوش قسمتی
 سے ممبئی میں اس وقت اردو زبان کے نامور ادیبوں، محققوں اور نقادوں کا اچھا
 اجتماع ہے اور وہ سب انجمن سے وابستہ معلوم ہوتے ہیں اس لئے امید ہے کہ یہ
 رسالہ اپنے مقاصد کی تکمیل باحسن وجوہ کرے گا اور اب ذوق کو اس رسالہ کی بہرہ نفع
 حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

کرنل ایڈیٹر جناب محمد عبدالغنی صاحب غزلی لقیع متوسط ضخامت ۵۲ صفحات
 کتابت طباعت بہتر۔ سالانہ چندہ پانچ روپے۔

یہ رسالہ ستمبر ۱۹۵۷ء سے گیا سے نکلنا شروع ہوا ہے اس میں دلچسپ انسانے
 نظمیں، غزلیں اور نکلے پھلے مقالات و مضامین سب کچھ ہوتے ہیں ہر مضمون اور
 انسانہ میں کسی نہ کسی انادبی مقصد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے عربی اور آج کل کی بہ تمام ترقی
 پسندی سے اس کا دامن پاک ہے علاوہ ادبی اور علمی خدمت کے بیمار کی ایک بڑی علمی

برادری کی اخلاقی اور عملی اصلاح بھی اس رسالہ کا ایک مقصد ہے جو وہ اردو دشمن ماحول میں اربابِ کربن کی ہمت و عزیمت لائقِ مدح و تحسین و آفریں ہے امید ہے کہ قارئینِ ارادہ اس رسالہ کی بھی قدر کریں گے۔

اشارہ | ادبِ قریم خضر صاحب تقطیع متوسطِ مہتمامت ۵۷ صفحات کتابت و طباعت بہتر سالانہ چندہ چھ روپیے۔ پتہ:- گوتم بدھ روڈ گیارہ (بہار)

یہ ایک ادبی ماہنامہ ہے جو اعلیٰ چند ماہ سے گیارہ سال سے شائع ہونا شروع ہوا ہے یہ بھی سنجیدہ و متین مضامین و مقالات کے علاوہ اچھے افسانوں، نظموں اور غزلوں کا ماحول ہوتا ہے پہلے نمبر میں ڈاکٹر محمود صاحب وزیر مواصلات صوبہ بہار اور نیڈت سندھول کے مقالات ”بھارت کا کلچر کیا ہونا چاہئے“ اور ”اسلام کا سماجی سنگٹھن“ خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں صوبہ بہار کے ان حوصلہ مند نوجوانوں کی کوششیں جو وہ اردو کے تحفظ و بقا اور اس کی ترقی و اشاعت کے لئے کر رہے ہیں بہرِ نوع حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں

بیشرب | تقطیع ۲۲۸۱۸ صفحات ۱۲۰ پتہ:- مکتبہ بیشرب ۱۰-۱۱ اے دی مال لاہور کتابت

طباعت بہتر قیمت زیرِ نظر نمبر بابت نومبر و دسمبر سنہ ایک روپیہ، سالانہ چندہ صر یہ ایک دو ماہی رسالہ ہے جو جنوری سنہ سے ماہنامہ ہونے والا ہے ملک

کی تقسیم کے بعد سے جماعت اسلامی کی لٹریچر سرگرمیوں میں جو زبردست اضافہ ہوا ہے بیشرب اس کا زندہ ثبوت ہے اور اسے بے تکلف اس جماعت کی ثقافتی اور ادبی خصوصیتوں

کا ترجمان کہا جاسکتا ہے دوسرے شماروں کی طرح زیرِ نظر نمبر کے مضامین بھی سلیقے اور وسعتِ نظر سے ترتیب دئے گئے ہیں رسالہ کے مدیر اعلیٰ ابو صالح صاحب اصلاحی

نے ”اپنی باتیں“ جس انداز سے کہی ہیں وہ ان کی صلاحیتِ کار کی پوری طرح غمازی کرتی ہیں مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا مضمون ”میرا بچپن“ اور مشہور یورپین فلسفی

برٹنڈرسل کی کتاب *Philosophy of Language* کے دیباچہ کا ترجمہ ”مغربی

نظریات پر ایک نظر" اس شمارے کے لائق مطالعہ مضامین ہیں، مقالات کے علاوہ رسالے کا حصہ نظم بھی کافی دلچسپ اور سبق آموز ہے بلکہ غور کیا جائے تو اسی حصے کو دیکھ کر معلوم ہو سکتا ہے کہ بشریہ محض ادبی اور تاریخی رسالہ ہی نہیں بلکہ جماعت اسلامی کی نظریاتی کا خصوصی ترجمان بھی ہے، ماہر التاقدیری کی نظم "آئینے" کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

نیرے ساتھ اے مجلس دستور ساز جہل بھی ہے اور غلط کاری بھی ہے
اور خود شاعر کے قلم سے نکلا ہوا یہ نوٹ بھی جس میں اس شعر کی تشریح اس طرح کی گئی ہے، "پاکستان کی مجلس دستور ساز جس نے سر تا پا غیر اسلامی دستور مرتب کیا اور اہل اسلام پر کہ اسے اسلامی سمجھو نظم اس شعر پر ختم کی گئی ہے۔"

داد دے اے ملک اس محتیل کی لیگ قومی بھی ہے سرکاری بھی ہے
بشریہ کے افسانے اور خاکے ان حضرات کو خاص طور پر پڑھنے چاہئیں جو اس جماعت کے نقشبند اور خشک مزاجی کے شاکی رہتے ہیں۔

(ع)

قصص القرآن - جلد چہارم - حضرت عیسیٰ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا۔

قیمت پچیس روپے جلد میخ
اسلام کا اقتصادی نظام - وقت

کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے - چوتھا ایڈیشن

قیمت للعلم جلد میخ
مسلمانوں کا عروج و زوال -

جدید ایڈیشن قیمت للعلم جلد ص ۵
مکمل لغات القرآن - مع فہرست الفاظ

غنت قرآن پر بے مثل کتاب - جلد اول طبع دوم
قیمت للعلم جلد ص ۵

جلد ثانی - قیمت للعلم جلد ص ۵
جلد ثالث - قیمت للعلم جلد ص ۵

مسلمانوں کا نظم مملکت - مصر کے مشہور
نعت ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم اے پی ایچ ڈی کی

تازہ کتاب انظم الاسلامیہ کا ترجمہ
قیمت للعلم جلد ص ۵

ہندوستان میں مسلمانوں کا
نظام تعلیم و تربیت

راول اپنے موضوع میں باطل جدید کتاب قیمت للعلم
جلد ثانی - قیمت للعلم جلد ص ۵

قرآن اور تصوف - حقیقی اسلامی تصوف

اور مباحث تصوف پر جدید اور محققانہ کتاب -
قیمت عام جلد ص ۵

ترجمان السنہ - جلد اول - ارشادات نبوی کا
جامع و مستند ذخیرہ - صفحات ۶۰۰ - تقطیع ۱۹x۲۲

قیمت ۵ روپے جلد میخ
ترجمان السنہ - جلد دوم - اس جلد میں چھ سو

کے قریب حدیثیں آگئی ہیں -
قیمت للعلم جلد لکھ

تحفۃ النظائر یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ
معہ تنقید و تحقیق از مترجم و نقشبند سفر

قیمت ۵ روپے
قرون وسطی کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطی کے مکتبے اسلام کے شاندار علمی کارنامے -
جلد اول جلد ص ۵

جلد دوم جلد ص ۵
وحی الہی

مسند وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر
پہلی محققانہ کتاب جن میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر

انذار میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت
کا ایمان انروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی

گہرائیوں میں سما جاتا ہے -
جدید ایڈیشن قیمت پچیس روپے جلد میخ

نیمبر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد علی

مختصر قواعد ندوة المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو خصوصاً عزت کم سے کم پانچ سو روپیہ یکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوة المصنفین کے دائرہ محسنین کا اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم و ادب کے اصحاب کی خدمت میں اداسے اور لکچرہ برہان کی تمام مطبوعات تذکرہ کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پہلے روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوة المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خالص ہوگا۔ اداسے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز لکچرہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

۳۔ معاونین۔ جو حضرات اٹھارہ روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوة المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور سالہ برہان جس کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احباب اور دو روپے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوة المصنفین کے احباب میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائیگا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔ یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلباء کے لئے ہے۔

(۱) برہان ہر انگریزی مہینہ کی ۵ ارتایج کو شائع ہوتا ہے۔

قواعد رسالہ برہان

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے

اترے برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ٹاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۵ ارتایج تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں ہرچہ دوبارہ بلا قیمت بیکرہا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں کی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲۰ روپے کے ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے خریداری نمبر کا حال بہر حال ضروری ہے۔ ہر قیمت سالانہ چندہ ۵ روپے ششماہی میں روپے چار آٹھ (۴ روپے ۸ آنے) کی ہرچہ دس آنے ۵ روپے ۱۰ آنے آرڈر روانہ کرتے وقت کوہن پر اپنا کل پتہ ضرور لکھئے۔

محکم دلائل سے مزین و متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

